آیات القرآن

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ
نَّفْسِكَ ط وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ
يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيْظًا ط ﴿٨٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ز فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ
مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ط وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ج فَاَعْرِضْ
عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ
الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾
وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى
الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ
مِنْهُمْ ط وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾

ترجمۃ الآیات

آپکو جو بھائی پہنچتی ہے۔ وہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور جو آپ کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ تمہاری وجہ سے ہے اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسولؐ بنا کر بھیجا ہے اور گواہی کیلئے اللہ ہی کافی ہے (۷۹) اور جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے روگردانی کی، تو ہم نے آپ کو ان پر نگران و پاسبان بنا کر نہیں بھیجا (۸۰) اور وہ زبان سے اطاعت و فرمانبرداری کے لفظ کہتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں۔ تو اُن میں سے ایک گروہ آپ کے فرمان (یا قول و قرار کے) برعکس رات بھر تدبریں کرتا ہے جو کچھ وہ

رات کے وقت کرتے ہیں اللہ وہ سب کچھ (ان کے صحیفۂ اعمال میں) لکھ رہا ہے۔ آپ ان کی طرف توجہ نہ کریں اور اللہ پر توکل و بھروسہ کریں، کارسازی کے لئے اللہ کافی ہے (۸۱) اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اسے رسولؐ اور اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو (حقیقت کو) وہ لوگ جان لیتے جو استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند آدمیوں کے سوا باقی شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے (۸۳)

تفسیر الآیات

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ...الآیۃ

اس سے پہلی آیت میں کہا گیا کہ بھلائی بھی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی بھی اللہ کی طرف سے اور یہاں کہا جارہا ہے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی لوگوں کی طرف سے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کوئی ظاہر بین ان آیتوں میں باہمی اختلاف محسوس کرے۔ جبکہ قرآن میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہی بات اس کے کلام اللہ ہونے کی بین دلیل ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گذشتہ آیت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ان لوگوں کی رد مقصود تھی جو بھلائی اور برائی میں تفریق کے قائل تھے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی رسول کی وجہ سے تو خداوند کریم نے وہاں یہ وضاحت کی ہے کہ بھلائی یعنی فتح اور کوئی دنیاوی نعمت ہے، تو یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے اور شکست یا کوئی دنیاوی مصیبت ہے، تو وہ بھی اللہ کی طرف سے، فرق صرف اس قدر ہے کہ بھلائی اور فتح ہے، تو وہ اللہ کا فضل و احسان ہے اور تمہاری کسی نیکی کی جزاء ہے اور اگر برائی اور شکست ہے تو بھی ہے تو اللہ کی جانب سے، مگر تمہاری سرتابی اور بے تدبیری کی کچھ سزا ہے۔ الغرض اس میں رسول کے کسی قول و فعل کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ آپ کا کوئی قول و فعل اللہ کی منشاء کے خلاف نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ صاف نکالا جاسکتا ہے کہ جو لوگ حضرت سرور کائنات کے افعال میں بشریت کا تصور کرکے خطا کا تصور کرتے ہیں وہ درحقیقت رسالت پر مکمل ایمان نہیں رکھتے۔ (فصل الخطاب)

اور اس آیت میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جب خدا کسی بندہ کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو یہ اس کا فضل و کرم لطف و امتنان اور ابتلاء و امتحان ہوتا ہے اور جب کسی بندہ کو کسی مصیبت میں گرفتار کرتا ہے تو عموماً اس کا سبب بندہ کا گناہ و عصیان ہوتا ہے اور مگر نفع و نقصان کا پہنچانے والا اور ان کا موجد تو بہرحال خالق دو جہان ہی ہے بس

فرق یہ ہے کہ نفع اور بھلائی کا احسان وامتحان ہے (کہ بندہ کس طرح اس کا شکر ادا کرتا ہے) اور نقصان و برائی مکافات عمل اور بندہ سے اس کی کوتاہیوں کا انتقام ہے۔ (تفسیر صافی)

مخفی نہ رہے کہ یہاں ''ما اصابك'' کا خطاب ہر فرد کو ہے اور اگر آنحضرتؐ کو اس کا مخاطب قرار دیا جائے تو اس سے مراد آپ کی امت ہے۔ کما لا یخفی

ایضاح

واضح رہے کہ یہاں حسنہ اور سیئہ سے مراد عالم دنیا کے نعمات و مصائب اور پسندیدہ و ناپسندیدہ امور ہیں اس سے نیک یا بد اعمال مراد نہیں ہیں تاکہ یہ کہا جائے کہ ''خیرہ و شرہ من اللہ تبارك و تعالی'' اور اس سے عقیدہ جبر کی تائید حاصل کی جائے۔ فلا تغفل

وَ اَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ...الآیۃ

پیغمبر اسلامؐ کی رسالت تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے۔

للناس میں الف لام استغراق کا ہے۔ یعنی خداوند عالم نے پیغمبر اسلام کو ہر زمان و مکان، اور ہر ملک وملت اور ہر رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا کائنات کا کوئی بھی انسان آپ کے دائرہ نبوت و رسالت سے خارج نہیں ہے۔ قیامت تک آپ رحمۃ للعالمین بھی ہیں۔ اور نذیر اللعالمین۔ بھی اور ''ارسلناك للناس کافۃ'' کے مصداق بھی اور بموجب ''وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ'' اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے (سورۃ النساء آیت۔ ۶۴) لہٰذا سب پر آنحضرتؐ کی اطاعت مطلقہ فرض ہے۔ لہٰذا جو شخص آپؐ کی رسالتؐ کا اقرار کرتا ہے اس کے لئے آپ کی اطاعت سے انحراف اور آپ کے اسوہ حسنہ سے اعراض کرنے کی شریعت مقدسہ میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے اور شہادت کے لئے خدا کافی ہے کہ آپ پوری کائنات کے ہادی ورہنما ہیں جو آپ کی اتباع واطاعت کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے اور جو آپ کی نافرمانی اور عصیاں کاری کرے گا۔ خدا اسے بھی دیکھ رہا ہے اور اپنی دید کے مطابق ان لوگوں کو جزا و سزا دے گا (مجمع البیان)

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ...الآیۃ

چونکہ حقیقی آمر و ناہی تو خداوند عالم ہے آپؐ تو اس کے اوامر و نواہی کے مبلغ ہیں۔ الغرض یہ بات وہی ہے جو مسلسل چل رہی ہے کہ رسول کا کوئی قول وفعل منشاء الٰہی کے خلاف نہیں ہوتا اور جو لوگ خدا ورسول کے قول

وفعل میں تفریق کرتے ہیں وہ خطا کار ہیں اور غلط کار۔

نصاف شرط ہے کہ اس سے بڑھکر اس بات کی وضاحت کس طرح کی جاسکتی ہے کہ جو رسولؐ کا فرمانبردار ہے وہ خدا کا اطاعت گذار ہے اور اس کا مفہوم یہ برآمد ہوتا ہے کہ جو شخص اسوہ محمدیہ اور سنت مصطفویہ کا پابند اور مطیع نہیں ہے وہ مطیع خدا کہلانے کا بھی روادار نہیں ہے۔ انہی حقائق کی بنا پر آنحضرتؐ نے فرمایا ''من احبنی فقد احب اللہ ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ'' جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ خدا سے محبت کرتا ہے اور جو میری اطاعت کرتا ہے وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے (تفسیر صافی)

خدائے مہربان اپنے رسولؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرمارہا ہے کہ اگر کوئی اس اتباع واطاعت رسولؐ سے روگردانی کرتا ہے تو آپ اس کی فکر نہ کریں اس میں اس کا اپنا نقصان ہے۔ اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ آپ ان کے نگہبان اور پہرے دار نہیں ہیں۔ کہ جبر کرکے اسے نافرمانی سے منع کریں۔ الغرض آپ کا کام خالق دو جہان کا کلام و پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا ہے آگے لوگوں سے منوانا اور عمل کرانا آپ کا کام نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کے اعمال وافعال کی آپ سے باز پرس ہوگی ''ان علیك الا البلاغ''

گر نیاید بگوش حقیقت کس
بر رسولاں بلاغ باشد وبس
علیك البلاغ وعلینا الحساب

وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ...الآية۷۹

وہ اپنی زبان سے تو اطاعت وفرمانبرداری کا لفظ کہتے ہیں۔ مگر آپ کے پاس سے باہر نکل کر ان کا ایک گروہ آپ کی باتوں کے خلاف اپنے ظاہری قول وقرار کے خلاف مشورے کرتا ہے۔ خداوند عالم اس آیہ مبارکہ میں ان دوغلی پالیسی رکھنے والے منافقوں اور ضعیف الایمان لوگوں کا ایک بار پھر تذکرہ کررہا ہے۔ جو کہتے اور تھے اور کرتے اور تھے، زبان سے فرمانبرداری کا اقرار کرتے تھے اور عمل سے خلوت میں بیٹھ کر پیغمبر اسلامؐ کے خلاف سازشوں کے جال بچھاتے تھے مگر بموجب۔ ع۔

چاہ کن راچاہ درپیش

یعنی ع۔

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

انہوں نے صرف رسول خداؐ کے خلاف ان کو ناکام کرنے کے لئے سازشوں کا جوتانابانا بنا تھا۔

خدائے جبار وقہار نے نہ صرف یہ کہ اس سے اپنے رسول کی حفاظت فرمائی بلکہ وہ منصوبہ خود ان لوگوں کی تباہی اور رسوائی کا موجب بن گیا اسلئے خالق مہربان اپنے حبیب سے فرما رہا ہے کہ ان کی طرف کوئی توجہ نہ کریں اور اللہ پر اعتماد و بھروسہ کریں اور ان کی کوئی پروا نہ کریں اور اسی کے بھروسہ پر اپنا کام جاری رکھیں کیوں کے وہ کارسازی کے لئے کافی ہے اور ایک رہبر و رہنما کو دشوار گذار وادیوں سے گذرنا پڑتا ہے خدائے حکیم نے اپنے حبیبؐ مکرم کو ان سے روگردانی کا حکم دیا ہے تو ہم بھی اس قصہ کو نہیں کریدتے کہ خدائے جبار نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اللہ تعالیٰ ان کی ان سب باتوں کو ان کے صحیفہء اعمال میں ثبت کر رہا ہے اور اس کے مطابق جزاوسزا دے گا۔

تنبیہ!

کیا ان حقائق کی روشنی میں یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ''**الصحابة کلهم عدول**'' (کہ سب صحابہ عادل تھے) اور یہ کہ شرف صحبت ہر صحابی کو ہر قسم کی خطا ولغزش سے محفوظ کر دیتا ہے؟ (تفسیر کاشف)

''**ولنعم ماقیل**''

ہر کہ روئے بہبود نداشت
دیدن روئے نبی سودند اشت

(واللہ الموفق)

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ...الآیۃ۹۸

منافقوں اور ضعیف الایمان مسلمانوں کی ان ناشائستہ حرکتوں کی وجہ یہ تھی کہ انہیں خدا کے خدا برحق ہونے رسولؐ کے برحق رسولؐ ہونے اور قیامت کے برحق ہونے میں شک تھا اور تمام باتوں کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہیں قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں شک تھا۔ اور یہ یقین نہیں تھا کہ آپؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی الٰہی کے تحت کہتے ہیں اور یہ کہ ان کا براہ راست خدا سے ربط وضبط ہے اور ان پر جو آیات نازل ہو رہی ہیں اگر وہ قرآن کے مطالب ومعانی اور اسرار ورموز میں غور وفکر کرتے تو، ان پر یہ حقیقت واضح وعیاں ہو جاتی کہ قرآن مالک دوجہاں کا ہی کلام معجز نظام ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ باوجود ۲۳ سال کی طویل مدت میں اور وہ بھی مختلف حالات، مختلف مقامات پر اور مختلف عنادین ومضامین کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ ان حالات کا طبعی تقاضا تو یہ تھا کہ اس کے بعض مطالب ومضامیں اور بعض اجزاء میں باہمی اختلاف وتضاد ہوتا۔ مگر اس کے برعکس اس کتاب میں باہمی ربط وارتباط پایا جاتا ہے۔ ایسی دل نشیں ہمرنگی، یکرنگی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ

کہیں باہمی تضاد کا نام نہیں ہے اور اختلاف کا کہیں نشان نہیں ہے اور پھر نہ الفاظ وعبارات کی فصاحت میں کوئی خلل اور نہ معانی ومطالب کی بلاغت اس کوئی زلل ہے۔اس سے بڑھ کر قرآن کے خالق دوجہاں کے کلام معجز نظام ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ اور اس مطلب پر اس سے بڑا کیا عقلی برہان ہوسکتا ہے؟

ایضاح:

مخفی نہ رہے کہ خداوند کریم کا لوگوں کو قرآن میں تدبر وتفکر اور غور وفکر کی دعوت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن قابل فہم ہے، کوئی معمہ نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کے متشابہات کی حقیقی تاویل خدا اور سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ''**وما یعلم تأویله الا الله والراسخون فی العلم**''

وَاِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ...الآیة

ہجرت کے تھوڑے عرصہ کے بعد کفار سے قتل وقتال اور جنگ وجدال کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور مسلمان مسلسل حالت جنگ میں تھے اور ایسے حالات میں اپنی فتوحات کے مکمل انتظامات، دشمن کی نقل وحرکت اور مخالف جماعتوں کی جنگی تیاریوں کے متعلق بعض ایسی مخفی باتیں ہوتی ہیں جن کی نشر واشاعت مناسب نہیں ہوتی۔ ہمیشہ عیار ومکار دشمن اپنے سادہ لوح مخلصین کی حماقت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنوں کو زک پہنچاتا ہے اور کبھی خود مختلف بے بنیاد خبریں گھڑ کر اور انہیں لوگوں کے ذریعہ مشہور کرکے مجاہدین کے بلند حوصلوں کو پست کرنے کی ناپاک سازش کرتا ہے۔ ویسے بھی کچھ کمزور دل ودماغ کے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے اندر کوئی بات ٹھہرتی ہی نہیں اور ان کی روٹی اسوقت تک ہضم ہی نہیں ہوتی جب تک ایسی بات کو باہر نہ اگل دیں اور راز کو فاش نہ کریں۔ ایسے ہی لوگوں کو خدائے حکیم تنبیہ کررہا ہے۔ کہ ان حالات میں اگر کوئی ایسی ویسی افواہ سنو تو بغیر سوچے سمجھے آگے نہ پھیلاؤ۔ بلکہ اسے رسولؐ اور اولی الامر جیسے ذمہ دار لوگوں کی خدمت میں پیش کرو۔ تاکہ وہ اس کے متعلق مناسب کارروائی کریں۔ ظاہر ہے کہ آیت مبارکہ کے نزول کے وقت ذمہ دار شخصیت خود حضرت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تھی اور آپ کے بعد اولی الامر یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی ذوات مقدسہ ہیں ''**قال ابو جعفر هم الائمة المعصومین**'' حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں (تفسیر تبیان)

تنبیہ:

قبل ازیں آیت اولی الامر کی تفسیر کے ذیل میں یہ وضاحت کی جاچکی ہے۔ کہ قرآن کا دستور ہے کہ

ایک چیز ایک جگہ کے بارے میں مجمل ہوتی ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیل مذکور وہوتی ہے۔ چنانچہ نزاع کے وقت خدا اور رسولؐ اور اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کے بارے میں وہاں بات مجمل تھی۔ چند آیتوں کے بعد اس کی تفصیل بیان کردی گئی ہے اور وہ یہی آیت ہے ''**اذا جاء هم امر من الامن اوالخوف اذا عوابه**'' کہ جب ان لوگوں کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو وہ اسے نشر کردیتے ہیں لیکن اگر وہ اسے رسولؐ اور صاحبان امر کی طرف پلٹا دیتے تو اس طرح وہ بات صحیح نتیجہ اخذ کرنیکی صلاحیت رکھنے والے لوگوں کے علم میں آجاتی ہے اور وہ اسے جان لیتے اور پھر اس کی جانچ پڑتال کر کے کوئی مناسب عملی اقدام کرتے ہیں۔ اس آیت سے اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے۔

افادہ:

اس موقع پر جناب پیر کرم شاہ ازہری نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے جس کا یہاں من وعن نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں ''جب عام دنیوی اور سیاسی امور میں عوام کو ان چیزوں میں دخل اندازی اور خودسری سے روک دیا گیا ہے تو آپ خود سوچیں کہ امور دینیہ میں یہ بدنظمی کب برداشت کی جاسکتی ہے کہ ہر کہ مہ مفتی بنا پھرے اور قرآن وسنت کو اپنی رائے سے ہم آہنگ کرتا رہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ حرص وہوا کے بندوں کی تقلید نہ شروع کردیا کریں اور دینی امور میں فقط ان علماء کیطرف متوجہ ہوں جن کا علم وفضل، زہد وتقویٰ اور دینی بصیرت مسلمہ اور جن کی سیرت بے داغ ہو (ضیاء القرآن) ہم اس مقام پر اپنی قوم وملت کے جوانوں سے صرف اتنا کہیں گے کہ

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوستر دارند
جواناں سعادتمند پندِ پیر دانارا

''**ولا ينبئك مثل خبير**'' اگر اللہ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تھوڑے سے آدمیوں کے سوا تم شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے۔ **لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم**۔ حضرات معصومین علیہم السلام سے مروی ہے فرمایا: خدا کے فضل سے حضرت رسول خداؐ اور رحمت سے علی مرتضیٰؑ مراد ہیں (تفسیر جوامع)

آیات القرآن

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ
تَنْكِیْلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ
یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
مُّقِیْتًا ﴿٨٥﴾ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى
یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿٨٧﴾ فَمَا لَكُمْ
فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ
تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا
لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
اَوْلِیَآءَ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ
وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا
نَصِیْرًا ﴿٨٩﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ
جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ
یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ
سَبِیْلًا ﴿٩٠﴾

ترجمۃ الایات

توآپ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔آپ پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی سوائے اپنی ذات کے اور اہل ایمان کو (جہاد پر) آمادہ کریں امید ہے کہ اللہ کافروں کا زور روک دے اور اللہ کا زور زبردست اور اس کی سزا بہت سخت ہے(۸۴) اور جو اچھی سفارش کرے گا اسے اس میں سے حصہ ملے گا اور جو کوئی بری شفارش کرے گا اسے بھی اس کا حصہ (وزو وبال) ملے گا۔اور اللہ ہرشئی پر قدرت رکھنے والا ہے(۸۵) اور جب تمہیں سلام کیا جائے (یا کوئی تحفہ پیش کیا جائے) تو اس سے بہتر طریقہ پر جواب دو۔یا (کم از کم) اسی کو لوٹا دو۔بے شک اللہ ہر چیز کا محاسبہ کرنے والا ہے(۸۶) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ سے بڑھکر کون بات میں سچا ہے(۸۷) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔حالانکہ اللہ نے انہیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے (ان کے کفر کی طرف) الٹا پھیر دیا ہے۔کیا تم چاہتے ہو کہ اسے ہدایت دو جس سے اس کی بدعملی کی وجہ سے خدا نے توفیق ہدایت سلب کر لی ہے اور جس سے اللہ توفیق ہدایت سلب کرے تم اس کے لئے (ہدایت کا) راستہ نہیں پاؤ گے(۸۸) وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کفر اختیار کرو۔جیسے انہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔تاکہ پھر تم سب برابر ہو جاؤ۔لہٰذا تم انہیں اپنا حامی و سرپرست نہ بناؤ۔جب تک اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں اور اگر وہ اس ہجرت کرنے سے روگردانی کریں تو انہیں پکڑو۔اور جہاں کہیں انہیں پاؤ انہیں قتل کر ڈالو اور ان میں کسی کو اپنا سرپرست اور مددگار نہ بناؤ(۸۹) سوا ان کے جو ان لوگوں سے جا ملیں جن کے اور تمہارے درمیان (جنگ نہ کرنے کا) معاہدہ ہے یا اس حالت میں تمہارے پاس آئیں کہ ان کے سینے (دل) تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کے ساتھ جنگ کرنے سے تنگ آ چکے ہوں (ایسے منافق قتل کے اس حکم سے مستثنی ہیں) اگر خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ ضرور تم سے لڑتے تو پھر اگر وہ تم سے کنارہ کشی کر لیں اور تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اور صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی کوئی راہ نہیں رکھی ہے(۹۰)

تفسیر الآیات

فَقَاتِلْ...الآیۃ

اس آیت کی شان نزول بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ غزوہ احد میں جو شوال میں واقع ہوا تھا۔ ابوسفیان جاتے ہوئے مقام بدر صغری جہاں ماہ ذی العقدہ میں ایک بازار لگتا تھا دوبارہ لڑنے کا وعدہ کر گیا تھا۔ جب وہ وقت قریب آیا، تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے بلایا۔ مگر کچھ لوگوں نے سابقہ جنگ میں زخم خوردہ ہونے کا عذر پیش کر کے اور بعض نے دشمن کی کثرت سپاہ کی افواہ سن کر مقابلہ کے لئے جانے میں پس و پیش کیا اس وقت خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کو حکم دیا کہ آپ اہل ایمان کو جنگ کی ضرور رغبت دلائیں اور حتی الامکان ان کو جہاد کے لئے آمادہ کریں۔ اور اگر کوئی ساتھ نہ دے اور لبیک نہ کہے تو اگر آپ کو تنہا بھی جانا پڑے تو آپ ضرور جائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اعلان فرمایا! **والذی نفسی بیدہ لا خرجن ولو وحدی** ''بخدا میں ضرور جہاد کے لئے جاؤں گا اگرچہ اکیلا ہی ہوا۔ چنانچہ ستر سواروں نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ ان کی معیت میں نکلے۔ مگر خدا نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈالدیا اور وہ قحط سالی کا بہانہ کر کے وہاں گیا ہی نہیں اور اس طرح آنحضرتؐ مع اپنے رفقاء کے صحیح و سلامت واپس آئے (مجمع البیان، جلالین، صافی)

بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا انداز بتا رہا ہے کہ آنحضرتؐ کو عام مسلمانوں کی بے وفائی اور جہاد سے پہلوتہی کرنے کی وجہ سے قلبی کوفت ضرور ہوئی تھی۔ جس پر خدائے مہربان نے آپ کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ صرف اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا آپ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں آپ دوسروں کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ ان کو صرف رغبت دلائیں، اس کے بعد کوئی جانے کے لئے تیار ہو یا نہ ہو آپ پر ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ کو تنہا بھی جانا پڑے، تو بس آپ تیار ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ''ان اللہ کلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ''مالم یکلف احدا من خلقہ کلفہ ان یخرج علی الناس کلھم وحدہ بنفسہ ان لم یجد فئۃ تقاتل معہ ولم یکلف ھذا احدا من خلقہ قبلہ ولا بعدہ ثم تلا ھذہ الایۃ ''یعنی خداندعالم نے پیغمبر اسلامؐ کو وہ تکلیف دی ہے جو اپنی تمام پہلی اور پچھلی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دی۔ یعنی ان کو تکلیف دی کہ اگر ان کے ہمراہ کفار سے جنگ کرنے کے لئے کوئی بھی جماعت نہ ہو تو آپ تن تنہا سب لوگوں (کافروں) کے مقابلہ کے لئے نکلیں (اصول کافی، تفسیر عیاشی)

اس طرح اگر کوئی بندہ آپ کا ساتھ نہیں دے گا تو خدا آپ کا حامی و مددگار ہوگا وہ آپ کی مدد و نصرت فرمائے گا اور وہ کافروں کے زور جنگ کو روک دے گا کیونکہ اللہ یقیناً زور جنگ میں ان سے کہیں زیادہ اور سزا دینے میں زیادہ سخت ہے بنابریں فقاتل میں جو فاء ہے وہ شرط محذوف کی جزا ہے کہ اگر آپ فوز وفلاح چاہتے ہیں تو اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور تاریخ اسلام گواہ ہے کہ صادق الوعد خدا نے اپنے بندہ خاص سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا ''قد انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ'' مخفی نہ رہے کہ بعض مورخین کے بیان کے مطابق یہ صورت حال جنگ احد کے فوراً بعد پیش آئی تھی جس کی تفصیل قبل ازیں جنگ احد کے تذکرہ میں بیان کی جاچکی ہے۔ فراجع

مَنۡ يَّشۡفَعۡ... الآية

لغت عرب میں شفاعت کے معنی جفت کرنے اور دوہرا کرنے کے ہیں (جبکہ وتر کے معنی طاق کے ہیں) اس طرح اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص کسی کی شفاعت کرتا ہے تو گویا وہ اپنی قوت و طاقت دوسرے شخص کے ساتھ کر کے اسے طاقتور بناتا ہے۔ شفاعت جس کا فارسی میں مفہوم سفارش ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ شفاعت حسنہ (اچھی سفارش)۔ ۲۔ شفاعت سیئہ (بری سفارش) اب رہی یہ بات کہ سفارش کی اچھائی یا برائی کا معیار کیا ہے؟ تو واضح ہے کہ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ جس کام کی سفارش کی جارہی ہے آیا وہ کام شریعت محمدیہ میں جائز اور اچھا ہے یا ناجائز اور برا ہے۔ لہٰذا ایک جائز اور اچھے کام میں کسی کمزور انسان کی سفارش کرنا اچھی اور مستحسن بات ہے۔ اور کسی ناجائز اور خلاف شرع کام میں کسی کی سفارش کرنا بری اور غیر مناسب بات ہے۔

شفاعت کے احکام

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ چونکہ اپنا خداداد اثر ورسوخ استعمال کر کے کسی مظلوم و محتاج انسان کو اس کا حق دلوانا اور اس کی دادرسی کرانا چونکہ کار خیر ہے۔ لہٰذا سفارش کرنے والے کو منجانب اللہ اس کی جزا ضرور ملنی چاہیے۔ اور چونکہ کسی خلاف شرع کام میں کسی کی سفارش کرنا اور اپنے منصب و مقام کی بدولت کسی کو ناجائز فائدہ پہنچانا کار بد ہے لہٰذا ایسی سفارش کرنے والے کو ضرور سزا ملنی چاہیے۔ اس لئے خداوند علیم و حکیم فرمارہا ہے کہ جو اچھی سفارش کریگا۔ اسے ضرور اس میں سے حصہ ملے گا۔ اور جو بری سفارش کرے گا اسے بھی اس سے حصہ ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کار خیر کی سفارش کرنا یا کسی کو اچھے کام کرنے کی رغبت دینا کار ثواب

ہے۔جس سے آدمی اس کار خیر کے اجر وثواب میں شریک ہوتا ہے اور برے کام کی سفارش کرنا یا کسی کو اس کی رغبت دینا یہ بری بات ہے۔جس سے آدمی اس برے کام کی سزا اوراس کے وزر و وبال میں شریک ہوجا تا ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے اباء طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں فرمایا''من امر باالمعروف اونہی عن المنکر او دل علی خیر او اشاربه فهو شريك ومن امر بسوء او دل عليه اواشاره به فهو شريك''جوشخص کسی نیکی کا حکم دے یا برائی سے روکے، یا کسی کار خیر کی طرف راہنمائی کرے یا اس طرف اشارہ کرے، وہ شریک ثواب ہےاور جو کسی برائی کا حکم دے۔یا اس کی طرف راہنمائی کرے یا اشارہ کرے وہ شریک عذاب ہے۔(الخصال)۔نیز وارد ہے ''من سَنَّ سنة حسنة كان له مثل اجر من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم من شئی ومن سَنَّ سنة سئية كان له مثل وزر من عمل بها من غير ان ينقص من اوزارهم من شئی ''جوشخص کسی اچھے کام کی بنیاد رکھ جائے گا تو اسے اس اچھے کام کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی واقع ہو۔اور جو کسی برے کام کی بنیاد رکھ جائے گا تو اسے اس برے کام کے کرنے والوں کے برابر عذاب ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے عذاب میں کوئی کمی واقع ہو۔(سابع عشر بحار و وسائل الشیعہ)

جہاں تک عقیدہ شفاعت کے صحیح اسلامی مفہوم ومطلب کے وضاحت کا تعلق ہے تو اس موضوع پر کسی مناسب موقع ومحل پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے گی۔انشاءاللہ تعالی

وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ ...الآية

تحیہ کے لغوی معنی تو کسی کو درازی عمر کی دعا دینے کے ہیں اور یہاں اس سے بالاتفاق اسلامی سلام مراد ہے جو پیغمبرؐ اسلام کی محبوب سنت ہےاور مسلمانوں کا خاص شعار ہے۔

اسلام میں سلام وجواب اوراس کے احکام

بالعموم سلام کے دو صیغے مروج ہیں۔

۱۔سلام علیکم۔ ۲۔السلام علیکم۔مخفی نہ رہے کہ اسلام میں سلام کرنا سنت ہے مگر اس کا جواب دینا واجب کفائی ہے جیسا کہ رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا! السلام تطوع والرد فرض''(اصول کافی) سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے۔کہ اگر چند آدمیوں میں سے کوئی ایک شخص جواب دے دے باقیوں سے

وجوب ساقط ہوجائے گا اور اگر کوئی بھی جواب نہیں دے گا تو پھر سب گنہگار ہوں گے۔ اب جواب کے دو طریقے ہیں۔ ا۔ وہی الفاظ دہرا دیے جائیں جو سلام کرنے والے نے استعمال کیے ہیں (اور دوھا) ۲۔ اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ کیا جائے۔ جن سے مہر و محبت اور احترام مترشح ہوتا ہو۔ جیسے سلام علیکم! کہہ کر سلام کرنے والے کو جواب میں یوں کہا جائے۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور اگر سلام کرنے والے نے کہا ہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ تو اس کے جواب میں یوں کہا جائے۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ا۔ چنانچہ حسن بن منذر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے کہ جو شخص سلام میں صرف یہ کہے السلام علیکم۔ اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جو کہے اسلام علیکم ورحمۃ اللہ اسے بیس نیکیاں ملتی ہیں اور جو کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اسے تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ (اصول کافی)

۲۔ حسن بن ریاب حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں فرمایا ''ان من تمام التحیة للمقیم المصافحة وتمام التسلیم علی المسافر المعانقة'' حاضر کا سلام تب مکمل ہوتا ہے جب اس سے مصافحہ کیا جائے اور مسافر کا سلام تب مکمل ہوتا ہے جب اس سے معانقہ کیا جائے (ایضاً)

سلام و جواب کے بعض دوسرے احکام

مخفی نہ رہے کہ ا۔ چھوٹے بڑے اور امیر و غریب کو سلام کرنا اور سلام کرنے میں پہل کرنا سنت ہے۔ ۲۔ اگر کسی جماعت میں سے صرف ایک شخص سلام کرے تو اس سے استحباب ادا ہوجاتا ہے اور یہی حکم جواب کا ہے۔ ۳۔ تھوڑے زیادہ پر، سوار، پیدل پر، گھڑسوار پر، خچر سوار پر، اور خچر سوار گدھا سوار پر سلام کرنے میں پہل کرے۔ بنابریں موٹر کار سوار موٹر سائیکل سوار پر بائیسکل سوار، پیدل چلنے والے کو الغرض ہر اعلیٰ سوار ادنی سوار کو سلام کرنے میں پہل کرے۔ ۴۔ البادی بالسلام اولی باللہ وبرسولہ (ایضا) یعنی سلام میں پہل کرنے والا خدا اور رسولؐ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ ۵۔ یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار و مشرکین کو سلام نہ کیا جائے اور اگر وہ سلام کریں تو جواب میں وہی الفاظ دہرا دیئے جائیں۔ (تفسیر تبیان)۔ ٦۔

بعض اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ من جملہ ان آداب کے جو حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے تھے ایک یہ تھا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو اس سے کہو ''یرحمك الله'' اور اسے چاہیے کہ وہ جواب میں کہے ''یغفر الله لکم ویرحمکم'' کیونکہ خدا فرماتا ہے ''واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها اوردوها''

ایضاح

ہماری بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ آیت مبارکہ میں تحیہ سے سلام کے علاوہ کوئی تحفہ اور مالی ہدیہ بھی مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر قمی اور مجمع البیان کی صادق روایت میں تحیہ کی تفسیر میں وارد ہے ''السلام وغیرہ من البر'' (یعنی سلام اور کوئی نیکی) اور عوالی کی روایت میں ''السلام وغیرہ من البر والاحسان'' وارد ہے۔ اور اس کی تائید کتاب مناقب بن شہر آشوب کی اس روایت میں سے بھی ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ایک بار امام حسنؑ کی ایک کنیز نے ایک پھول امام کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا۔ امام نے اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ وجہ پوچھنے پر فرمایا خدا فرماتا ہے ''اذا حییتم بتحیة فردوھا او باحسن منھا'' کہ جب تم میں سے کوئی سے کسی کو تحفہ پیش کرے تو تم اس سے بہتر پیش کرو۔ چنانچہ اس کنیز کے لئے آزاد کرنا اس کے تحیہ سے بہتر تھا۔ سچ ہے ''ھل جزاء الاحسان الا الاحسان احسان'' کہ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہے بنا بریں اگر کوئی شخص مہر و محبت اور تکریم و تعظیم کے صالح جذبہ کے تحت کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرے تو جذبات محبت کو تازہ رکھنے بلکہ انہیں مزید بڑھانے کے لئے اس سے زیادہ بیش قیمت یا کم از کم اس کا ہم قیمت تحفہ و ہدیہ ضرور پیش کرنا چاہیے

اللہ لا الہ۔۔۔الآیۃ

اسلامی عقائد میں عقیدہ قیامت کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے اسی لئے خداوند عالم بار بار مختلف عنوانوں اور پیراؤں سے اس کے واقع ہونے کا تذکرہ کر کے اسے مسلمانوں کے دل و دماغ میں راسخ کرنا چاہتا ہے کہ وہ دار دنیا میں جو کچھ کریں گے ان کو اس کی ایک نہ ایک دن جزا یا سزا ضرور ملے گی جس دن خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اپنی دنیوی سعی و کوشش اور کدو کاوش کا ثمرہ اور نتیجہ پائیں گے۔

شان نزول

ان آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ان کا پس منظر اور شان نزول کا سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو ایک ایسا خطہ مل گیا جہاں وہ پورے آرام و اطمینان کے ساتھ اسلام و قرآن کے تقاضوں کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزار سکتے تھے۔ تو اس وقت ان تمام لوگوں کے لئے جو مختلف قوموں، قبیلوں اور مختلف علاقوں میں اسلام لا چکے

تھے مگر وہاں اسلامی تقاضوں کے مطابق زندگی نہیں گذار سکتے تھے۔ ہجرت واجب قرار دے دی گئی۔ کہ وہ سب مدینہ ہجرت کر کے آجائیں۔ تا کہ ایک تو وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گذار سکیں اور دوسرے ان کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی شان وشوکت میں اضافہ ہو۔ اب کچھ لوگ تو بوجوہ ہجرت پر قادر نہ تھے اور نہ ہی اپنے آپ کو کافروں کے ظلم وجور سے بچا سکتے تھے۔ وہ تو مستضعفین قرار پائے اور جو ہجرت پر قادر تھے ان میں سے بعض کو اپنے اہل وعیال کی محبت اولا د و جائیداد سے دل بستگی اعزاء واقربا سے پیار اور اپنے قدیمی وطن کی کشش ان کو ہجرت کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اور کچھ لوگ تو ایسے بھی تھے جو ایک بار ہجرت کر کے دارالسلام مدینے پہنچ بھی گئے تھے مگر وہاں کا خالص اسلامی ماحول اور قرآنی نظام اخلاق راس نہ آیا اور اس پر ہر وقت دشمنوں کے حملہ کرنے کا خطرہ مستزاد تھا۔ لہٰذا وہ مختلف عذر بہانے کر کے (مثلاً انہیں یہاں کی آب وہوا موافق نہیں ہے) واپس دار کفر کی طرف پلٹ گئے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو کفار ومشرکین کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا پڑتا تھا جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرتے تھے۔ ایسے سب لوگوں کو منافق قرار دے دیا گیا۔ اب ایسے لوگوں کے بارے میں مسلمانوں میں دورائیں تھیں۔ ا۔ ایک یہ کہ ایسے لوگ مسلمان ہیں وہ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور دوسرے اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرنا چاہیے

۲۔ دوسری یہ کہ یہ لوگ خارج از اسلام ہیں اور مرتد ہیں لہٰذا ان کے ساتھ غیر مسلمانوں جیسا سلوک کرنا چاہیے۔

خداوند علیم وحکیم اس دوسری رائے رکھنے والے مسلمانوں کی ہمنوائی کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ تم ان کے بارے میں دورائیں کیوں رکھتے ہو؟ یہ تو جدھر (کفر) سے آئے تھے۔ اپنی کج رفتاری، ناہنجاری، اور اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ادھر ہی لوٹا دیے گئے ہیں کیونکہ عربی زبان میں ''ارکس'' کے معنی سر کے بل اوندھا گرانے کے ہیں خدائے حکیم نے ''بما کسبوا'' فرما کر کہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے الٹے پھیر دیے گئے ہیں اور ان کا یہ اوندھا گرانا ان کے زشت اعمال کا طبعی وقدرتی نتیجہ ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگر وہ گمراہ ہوئے ہیں تو اپنے بدعملوں اور اپنی کجرویوں کی وجہ سے۔ لہٰذا اس آیت میں وارد شدہ فقرہ ''اتریدون ان تھدوا من اضل اللّٰہ'' میں اضلال کی نسبت جو خدا کی طرف دی گئی ہے وہ مجازی ہے کہ ان کے برے کردار اور غلط رفتار کی وجہ سے اللہ نے ان سے اپنی توفیق ہدایت سلب کر لی ہے لہٰذا اب یہ صرف منافق نہیں رہے۔ (جن سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے) بلکہ کھلم کھلا مرتد اور کافر ہو چکے ہیں اور جو کفار مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں ان میں شامل ہو چکے ہیں تو ان کا کفر وارتداد اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ وہ تمہیں بھی دولت اسلام سے محروم کر کے اپنی

طرح کافر بنانا چاہتے ہیں لہٰذا ان سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کرو۔ اور نہ ہی انہیں اپنا مددگار بناؤ یہاں تک کہ وہ ہجرت کر کے دارالسلام مدینہ طیبہ نہ پہنچ جائیں۔ اور اگر وہ اس ہجرت سے روگردانی کریں تو پھر انہیں پکڑو اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ البتہ وہ اس پکڑ دھکڑ اور قتل و غارت سے دو صورتوں میں بچ سکتے ہیں۔ ا۔ ایک یہ کہ ان لوگوں کی پناہ میں آ جائیں اور ان سے معاہدہ کریں جن کا مسلمانوں سے جنگ نہ کرنیکا معاہدہ ہو چکا ہے۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ جنگ سے دل تنگ ہو کر بلا واسطہ تم سے معاہدہ کریں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر تم سے نہیں لڑیں گے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھانا چاہیں تو پھر ان سے کچھ تعرض نہ کرو ''فما جعل الله لكم عليهم سبيلا'' کیونکہ اس صورت میں خدا تمہیں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس آخری آیت وافی ہدایہ سے واضح و آشکار ہو گیا کہ ان لوگوں کو پکڑنے دھکڑنے اور قتل کرنے کا حکم صرف اس صورت میں ہے کہ جب وہ براہ راست مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں۔ یا ان کفار کی پشت پناہی کریں جو مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہوں اور لڑ رہے ہوں۔ اور یہ بات اسلام کی عالمگیر صلح جوئی اور صلح کلی کے نظام و پیغام کے منافی نہیں ہے کیونکہ اسلام ''جیو اور جینے دو'' کے پیغام کا علمبردار ہے۔ اور جو شرارتی فرد یا قوم دوسروں کو جینے دو کے حق سے محروم کرنا چاہتے ہیں تو اسلام اس کی سرکوبی اپنا فرض اولین سمجھتا ہے۔ ''حتى لا تكون فتنة'' تاکہ ہر قسم کے فتنہ و فساد کی جڑ کٹ جائے اور امن کے راستے کا یہ روڑا ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹ جائے۔ اس آیت کے بعد والی آیت (نمبر ۱۰۱) سے بھی یہی حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ جو تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمہیں صالح دوستی کا پیغام نہ دیں اور نہ تم سے اپنے ہاتھ روکیں تو بے شک تم انہیں پکڑو اور قتل کرو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں، بلکہ اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں تو تمہارے لئے بھی ان کے خلاف کوئی اقدام کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

آسائش دوگیتی تفسیر ایں دوحرف است

بادوستان تلطف بادشمناں مدارا

علامہ سید علی نقی النقوی لکھتے ہیں ''قرآن مجید کے ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ یہ تصور کہ اسلام میں ہر کافر کا جان و مال حلال ہے اور انسان کی بحیثیت انسان کوئی قدر و قیمت نہیں درست نہیں ہے۔ اور یہ اقسام جو کافروں کے بیان ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ رویہ میں جو فرق قرار دیا گیا ہے وہ بالکل فتوائے عقل و اخلاق کیمطابق ہے اسلئے ہر دور میں قائم ہے اور منسوخ قرار دیے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے'' (فصل الخطاب)

آیات القرآن

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا
رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ
السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ
وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ
اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ
عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ
قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ
خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ
اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ
اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

عنقریب تم کچھ ایسے لوگ (منافق) پاؤ گے۔ جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور

اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں لیکن جب کبھی فتنہ وفساد کی طرف بلائے جاتے ہیں تو اندھے منہ اس میں جا پڑتے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح وآشتی کا ہاتھ نہ بڑھائیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو پھر انہیں پکڑو۔ اور جہاں کہیں انہیں پاؤ قتل کرو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں کھلا غلبہ عطا کیا ہے (۹۱) کسی مسلمان کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کرے (تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ) ایک مومن غلام آزاد کیا جائے اور خون بہا اس کے گھر والوں (وارثوں) کو ادا کیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ خود (خون بہا) معاف کریں۔ پھر اگر مقتول تمہاری دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو مگر وہ خود مسلمان ہو تو پھر (اسکا کفارہ) ایک مومن غلام کا آزاد کرنا ہے اور اگر وہ (مقتول) ایسی (غیر مسلم) قوم کا فرد ہو جس کے اور تمہارے درمیان (جنگ نہ کرنے کا) معاہدہ ہے تو (کفارہ میں) ایک خون بہا اس کے وارثوں کے حوالے کیا جائے گا۔ اور ایک مسلمان غلام بھی آزاد کیا جائے گا اور جس کو (غلام) میسر نہ ہو وہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے گا۔ یہ اللہ کی طرف سے (اس گناہ کی) توبہ مقرر ہے۔ خدا بڑا جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے (۹۲) اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا۔ اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (۹۳) اے ایمان والو! جب خدا کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام کرے تم اسے نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ تم دنیاوی زندگی کا ساز وسامان حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بڑی غنیمتیں ہیں اس سے پہلے تم خود (کافر) ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا (کہ تم مسلمان ہو گئے) پس خوب تحقیق کر لیا کرو۔ یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو (۹۴)

تفسیر الآیات

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ...الآية

مذکورہ بالا تینوں آیتوں میں کھلے ہوئے کافروں کی تین قسموں کا تذکرہ ہے جو اوپر مذکور ہیں۔ واضح ہونا

چاہیے کہ ایک ہی عمل کے محرکات مختلف ہوتے ہیں جن کا پتہ طریق کار سے چلتا ہے۔کافروں میں ایک گروہ تو وہ ہے جو شمشیرہ بکف مسلمانوں کے سامنے ہے اوران سے جنگ کرتا ہے اس گروہ سے کسی رعایت کی ضرورت نہیں ہے۔ان کے علاوہ دوقسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔جو سردست جنگ نہیں کر رہے ہیں۔ پہلے تو وہ صلح جو کافر جو واقعی جنگ کو پسند نہیں کرتے ،مگران کے ضمیر میں اتنی روشنی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ ایمان اختیار کرلیں وہ قلبی طور پر جنگ سے گھبراتے ہیں ، نہ وہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ ہی اپنی قوم یعنی ان کفار سے جو برسر جنگ میں تصادم کرنا چاہتے ہیں اس لئے مسلمانوں کے ساتھ صدق دل سے مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے قرآن کہتا ہے کہ ان کی اس صلح پسندی کی مسلمانوں کو قدر کرنی چاہیے اوران کے خلاف کوئی اقدام کرنے کا انہیں ہرگز کوئی حق نہیں ہے۔دوسرے وہ جو اس وقت جنگ تو نہیں کر رہے ہیں مگر یہ جنگ نہ کرنا،ان کا واقعی صلح پسندی کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ ایک منافقانہ چال ہے وہ جنگ کرنا پسند نہیں کرتے اسلئے کہ وہ ابھی اپنے کو خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتے جب تک انہیں یہ اطمینان نہیں ہے کہ فتح مسلمانوں کو ہوگی یا کافروں کو وہ الگ تھلگ رہنے کا اظہار کرتے ہیں صرف اسلئے کے اگر مسلمانوں کو فتح ہوتو مسلمانوں کے ہاتھ سے وہ خطرہ میں مبتلا نہ ہوں اور اگر کفار کو فتح ہوتو ان کے ہاتھ سے بھی انہیں آزار نہ پہنچے۔اسے قرآن مجید نے ان لفظوں میں کہا ہے کہ ''یریدون ان یامنو کم ویامنو اقومھم ''وہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی جماعت سے بھی مگر ذرا انہیں اطمینان ہو کہ مسلمان کمزور ہیں اور ان کے خلاف کوئی ہنگامہ خود ان کے لئے باعث نقصان نہیں ہے تو وہ ایک دم ہنگامہ کے اندر کود پڑیں گے،ایسے لوگ جن کا کردار یہ ظاہر ہوجائے پھر وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں اوران کا جان و مال محفوظ نہیں ہے قرآن مجید کے ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ یہ تصور کہ اسلام میں ہر کافر کا جان و مال اور انسان کی بحیثیت انسان کوئی قدر و قیمت نہیں ،درست نہیں ہے اور یہ اقسام جو کافروں کے بیان ہوئے ہیں اوران کے ساتھ رویہ میں جو فرق قرار دیا گیا ہے وہ بالکل فتوائے عقل واخلاق کے مطابق ہے اسلئے وہ ہر دور میں قائم ہے اور منسوخ قرار دیے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے''(فصل الخطاب)۔

اسلامی تعلیمات جہاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام دو حالتوں کے سوا اور کسی حال میں بھی قتل نفس کی اجازت نہیں دیتا۔

۱۔ایک جہاد یعنی لڑائی کی حالت میں جبکہ جنگ خود کافروں نے چھیڑی ہو

۲۔دوسرے قانون کی رو سے جب کوئی مجرم اپنے جرم کی وجہ سے قتل کا مستوجب ہو جیسے کسی قاتل کو قتل کے بدلے قتل کرنا اس سے بڑھ کر اسلام کی امن میں اعتدال پسندی کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟؟

۱۱۶ ومان کالمومن۔ الآیۃ

قتل نفس محترمہ سخت ترین گناہ ہے

قتل نفس محترمہ نہ صرف یہ کہ گناہان کبیرہ میں سے ہے بلکہ تمام سماجی ومعاشرتی گناہوں میں سے سخت وسنگین ترین گناہ ہے اس کی روک تھام پر انسانی جان کا تحفظ موقوف ہے اور اس کے سد باب کا انحصار شرع اقدس کی حدود اسلامی کے اجراء پر ہے۔ارشاد قدرت ہے ''ولکم فی القصاص حیوۃ یااولی الالباب'' اے صاحبان عقل! (قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے) چونکہ قتل کے اثرات بڑے دوررس ہوتے ہیں اور بعض اوقات پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فقد قتل الناس جمیعا'' جس نے ایک نفس کو بلا وجہ قتل کیا، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔

قتل کی سزا سخت ترین ہے

اس بنا پر اس کی دنیوی اور اخروی سزا بھی بہت سخت مقرر کی گئی ہے۔جناب پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں کہ اس خدائے قادر کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر زمین وآسمان کی تمام مخلوق کسی مومن کا خون بہانے میں شریک ہوجائے، تو خدائے قہار سب کو ناک کے بل اوندھا آتش دوزخ میں جھونک دے گا (بحارالانوار۔۱۷)

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مومن کے قتل میں نصف کلمہ کے ساتھ بھی اعانت کرے، تو بروز قیامت اس کی دو آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا کہ یہ رحمت خداوندی سے مایوس ہے۔(ایضاً)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے بندہ مومن کے قتل کی سزا وہی ہے جو کفر وشرک کی ہے عملی گناہوں میں قتل نفس کے سوا کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس کی سزا خلود فی النار ہو۔کافر ومشرک مخلد فی النار ہوں گے اور مومن کا قاتل بھی مخلد فی النار ہوگا (فجزائنہ جھنم خالدا فیھا)۔

قتل کا سب سے زیادہ اثر مقتول کے اولیاء پر پڑتا ہے

کسی آدمی کے قتل سے اگرچہ معاشرہ کی بہت سی کڑیاں متاثر ہوتی ہیں، مگر اس کا سب سے زیادہ اور براہ راست اثر مقتول کے اولیاء پر پڑتا ہے وہی سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں

اور چونکہ اسلامی شریعت عقل وفطرت کے عین مطابق ہے۔ اسلئے وہ نہ صرف یہ کہ انسانی مفادات کا تحفظ کرتی ہے بلکہ ان کے نقصانات کا ازالہ بھی کرتی ہے۔ اسلئے اس نے مقتول کے اولیاء کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا ہے۔

۱۔ قاتل کو قصاص میں قتل کریں۔ ۲۔ اس سے خون بہالیں۔ ۳۔ یا پھر معاف کردیں

''ذلك تخفيف من ربكم ورحمة'' یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے شریعت موسوی میں صرف قصاص کا حکم تھا ان کو دیت لینے یا معاف کرنے کے حق سے محروم کردیا گیا تھا۔ مگر شریعت اسلامیہ میں مذکورہ بالا تین چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کی سہولت دی گئی ہے کہ اگر طبعی وفطری رجحان کے مطابق قاتل سے قصاص وانتقام لینا چاہیں تو وہ لے لیں اور اگر کسی مصلحت کی بنا پر دستبردار ہوکر دیت (خون بہا) لینا چاہیں تو وہ لے لیں اور اگر اعلیٰ انسانی واسلامی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے معاف کرنا چاہیں تو معاف کردیں۔ واللہ یحب المحسنین''

قتل کی اقسام

مخفی نہ رہے کہ قتل کی تین قسمیں ہیں (۱) قتل عمد (۲) قتل شبیہ بعمد (۳) قتل خطاء

۱۔ قتل عمد

میں مقتول کے وارثوں کو تین امور میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

(الف)۔ قصاص میں قاتل کو قتل کرنا۔

(ب)۔ اس سے دیت لینا۔

(ج)۔ اور بالکل معاف کردینا۔

قتل عمد میں اس کی مذکورہ بالا دنیوی تین سزاؤں کے علاوہ اُخروی طور پر خدائے قہار نے پانچ سزائیں بیان کی ہیں

۱۔ جہنم۔ ۲۔ اس کا خلود۔ ۳۔ اللہ کا قہر وغضب۔ ۴۔ اس کی لعنت۔ ۵۔ عذاب عظیم

۲۔ قتل شبیہ بعمد

قتل شبیہ بعمد کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر دیت (خون بہا) واجب ہوتی ہے اور کفارہ بھی (ایک غلام آزاد کرنا اور یہ ممکن نہ ہو تو دو مہینے کے روزے رکھنا)۔

۳۔قتل خطأ

قتل خطأ میں صرف دیت ادا کرنا واجب ہوتی ہے۔اور وہ بھی نہ قاتل پر بلکہ اس کی عاقلہ پر۔

اسکے علاوہ آیت کی یہ تشریح بھی وارد ہوئی ہے کہ کسی مومن کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایمان کی بنا پر وہی قتل کرے گا جو خود ایمان سے خالی ہوگا اور ہمارے یہاں یہ صراحت بھی وارد ہوئی ہے کہ نبی یا وصی کا جو قاتل ہو اس کی توبہ کبھی قبول نہیں ہے (فصل الخطاب، بحوالہ تفسیر قمی)

بلکہ بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ جو شخص مومن کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کرے اس کی توبہ قبول نہیں ہے (اور اگر کسی دنیوی وجہ سے اسے قتل کرے تو پھر اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے) (تفسیر صافی، برہان) باقی تفصیلات فقہی کتابوں میں دیکھی جائیں۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ...الآیۃ

اس آیت کا شان نزول مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے کفار سے لڑنے کے لئے ایک سریہ بھیجا اور اس کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جس کے پاس کچھ بھیڑ اور بکریاں تھیں جنہیں وہ چرا رہا تھا۔مسلمانوں نے اسے کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا۔مگر اس نے اسلامی طریقہ پر سلام کیا اور کلمہ توحید و رسالت پڑھا مگر ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ قتل سے بچنے کی خاطر یہ سب کچھ کر رہا ہے اسے قتل کر دیا۔جب پیغمبر اسلامؐ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس کا بڑا دکھ ہوا اور قاتل کی سخت لعنت ملامت کی۔بعض آثار کے مطابق قاتل نے یہ عذر پیش کیا کہ اس شخص نے قتل سے بچنے کے لئے ایسا کیا تھا آپ نے فرمایا! کیا تو نے اس کے دل کو چیر کے دیکھ لیا تھا (تفسیر کاشف)۔

ایک روایت میں ہے کہ قاتل نے آنحضرتؐ کی خدمت میں گذارش کی کہ آپؐ میری مغفرت کے لئے دعا فرمائیں آپؐ نے فرمایا ''لاغفر الله لك'' خدا تمہیں کبھی معاف نہ کرے۔وہ ایک ہفتہ کے بعد مر گیا۔اور جب اسے دفن کیا گیا تو قبر نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔چنانچہ لوگوں نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان ایک سوراخ میں پھینک دیا اور اوپر کچھ پتھر رکھ دیے۔(مجمع البیان)

ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے یہ کارروائی مال غنیمت کے لالچ میں کی تھی کہ اس طرح اس مقتول کا مال بطور غنیمت انہیں مل جائے گا۔اسلئے خداوند عالم نے ان لوگوں کی اس حرکت شنیعہ کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا

کہ ایسے حالات میں اچھی طرح جانچ پڑتال کرلیا کرو کہ جسے تم قتل کررہے ہو، وہ مسلمان تو نہیں ہے؟ اور مال غنیمت کا لالچ ہے تو رزاق کائنات کے پاس بہت سی غنیمتیں اور بہت سے فوائد وعوائد موجود ہیں۔ آیت میں لفظ ''فتبینوا'' (اچھی طرح تحقیق کرلو) کا دوبارآنا کسی کو قتل کرنے میں انتہائی حزم واحتیاط کے لزوم پر دلالت کرتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ فقہانے اس آیت کو آیات الاحکام میں سے شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس سے دو حکم مستنبط ہوتے ہیں

۱۔ ہر چیز میں عموماً اور احکام شرعیہ میں خصوصاً اور خون ومال اور فروج کے معاملہ میں بالخصوص بہت جانچ پڑتال لازم ہے اور مکمل تحقیق کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ جس شخص کے کسی بھی قول یا فعل سے اسلام ظاہر ہوتا ہو جیسے اسلامی طریقہ پر سلام کرنا، کلمہء اسلام کا زبان پر جاری کرنا یا نماز وروزہ جیسے شعائر اسلام میں سے کسی شعار کا اظہار کرنا۔ یعنی نماز پڑھنا، روزہ رکھنا وغیرہ اسے مسلمان سمجھنا اور اس پر اسلامی احکام کا لاگو کرنا واجب ہے اور اسے کافر کہنا اور اسے ہر قسم کا مالی وجانی یا عرض وناموس کا نقصان پہنچانا قطعاً حرام اور ناجائز ہے ہاں البتہ اگر وہ اسلامی اصول، (توحید، رسالت اور قیامت) کا انکار کرے یا ضروریات اسلام پر عمل نہ کرے مگر انکار بھی نہ کرے تو ایسا شخص گنہگار اور فاسق وفاجر ضرور ہے مگر کافر نہیں ہے اور یہ مذہب شیعہ خیر البریہ کا اتفاقی نظریہ ہے دیوبندی مکتب فکر کے مستند ترجمان جناب مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں

''اس آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بتاتا ہو خواہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی شعار کا اظہار کرے۔ مثلاً اذان، نماز، وغیرہ میں شرکت کرے، تو مسلمانوں پر لازم ہے اسے مسلمان سمجھیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں، اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ نیز اس معاملہ میں اس کے اعمال پر بھی مدار نہ ہوگا۔ فرض کرلو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے پھر بھی اسے اسلام سے خارج کرنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں، اسی لئے امام اعظم نے فرمایا ''لا نکفر اھل القبلۃ بذنب'' یعنی ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے'' بعض روایات حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو خواہ وہ کتنا ہی گنہگار و بدعمل ہو'' (معارف القرآن ج ۲ ص ۵۲۱)

دعا ہے کہ خداوند عالم علماء کرام کو کافروں کو مسلمان بنانے لڑنے والوں کو منانے اور باہم صلح کرانے کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں مسلمانوں کو کافر بنانے اور منے ہوئے بھائیوں کو باہم لڑانے سے بچائے

"ان اللہ ولی التوفیق وما ذلك علی اللہ بعزیز"

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ ...الآیۃ

تم بھی کافر اور خارج از اسلام تھے۔ بعد ازاں خدا نے تم پر احسان کیا کہ تم مسلمان ہو گئے اور جب پیغمبر اسلامؐ نے اعتبار کر کے تمہیں مسلمان تسلیم کر لیا تھا تو تم کسی کے بارے میں کیوں سمجھتے ہو کہ وہ اظہار اسلام میں سچا نہیں؟ آیت کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قتل مال غنیمت حاصل کرنے کے لالچ میں تھا۔ اس لئے ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ مال غنیمت کے لالچ ہیں کسی اظہار اسلام کرنے والے کا خون ناحق نہ بہاؤ۔ روزی کی کنجیاں رزاق کل کائنات کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ تم رزق حرام سے اجتناب کرو، وہ رزق حلال کے دروازے کھول دے گا جیسا کہ ارشاد ہے "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب" جو تقویٰ اختیار کریگا۔ خدا اس کے لئے نکلنے کا راستہ کھول دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہو گا۔

آیات القرآن

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾
اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا

يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

ترجمۃ الآیات

مسلمانوں میں سے بلا عذر گھر میں بیٹھے رہنے والے اور راہ خدا میں مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو درجہ کے اعتبار سے بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے اور یوں تو اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے مگر اس نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر اجر عظیم سے فضیلت دی ہے (۹۵) یعنی اس کی طرف سے (ان کے لیے) بڑے درجے، بخشش، اور رحمت ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے (۹۶) بے شک وہ لوگ جو اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ جب فرشتوں نے ان کی روحوں کو قبض کیا تو ان سے کہا تم کس حال میں تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم زمین میں کمزور و بے بس تھے۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے پس انہی کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جائے باز گشت ہے (۹۷) سوائے ان کے جو مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے واقعاً بے بس ہوں کہ نہ کوئی حیلہ کر سکیں اور نہ کوئی راستہ پائیں (۹۸) پس قریب ہے کہ خدا ان سے درگزر کرے بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے (۹۹)

تفسیر الآیات

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ... الآية

جہاد ایک اہم اسلامی فریضہ ہے

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلامی فرائض میں سے جہاد ایک اہم فریضہ ہے جس کی وجہ سے حق کا پرچم بلند اور باطل کا پرچم سرنگوں کیا جاتا ہے اور اس کی بدولت حق کا احقاق اور باطل کا ابطال کیا جاتا

ہے۔الغرض جہاد ہی اعلاء کلمہ حق کا بہترین ذریعہ ہے

جہاد فرض کفائی ہے

مگر اس میں قدرے اختلاف ہے کہ یہ واجب عینی ہے یا واجب کفائی؟ تو جو قول اہل اسلام میں مشہور ہے اور یہی منصور ہے وہ یہ ہے کہ یہ فرض کفائی ہے۔اگر آوازۂ جہاد پر اسقدر مجاہد لبیک کہتے ہوئے میدان قتال میں پہنچ جائیں جن سے مقصد براری ہو جائے تو باقیوں سے یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے

لوگوں کی دو قسمیں ہیں

صحت اور بیماری بے عیبی اور عیب داری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔صحت منداور بے عیب۔ ۲۔بیمار اور عیب دار جیسے اندھا، لولا، لنگڑا وغیرہ تو واضح ہونا چاہیے کہ اسلام میں عورتوں بوڑھوں، اندھوں اور لنگڑوں الغرض ہر قسم کے مجبوروں اور معذوروں پر جہاد واجب نہیں ہے وہ صرف تندرست وتوانا جوانوں پر واجب ہے۔

خدا نے مجاہدوں کو فضیلت دی ہے

اس آیت مبارکہ میں خداوند علیم یہ بیان فرما رہا ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد (قاعد) برابر نہیں ہیں۔ بلکہ مجاہدین فی سبیل اللہ کو غیر مجاہدین (قاعدین) پر فضیلت حاصل ہے؟ وہ فضیلت کس قدر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قاعد جو کہ مجاہد نہیں ہے مجبور ومعذور ہے اور اس کی نیت یہ ہے کہ اگر وہ مجبور ومعذور نہ ہوتا تو میدان کارزار میں جا کر جہاد کرتا اور شربت شہادت نوش کرتا۔ونیة المومن خیر من عمله۔تو پھر مجاہد کو ایسے قاعد پر صرف ایک درجہ فضیلت حاصل ہے (درجۃ) اور اگر غیر مجاہد (قاعد) تندرست وتوانا ہے اور گھر میں بیٹھ کر عبادت خدا کر رہا ہے اور اپنے معمولات زندگی ادا کر رہا ہے مگر اپنی سہل انگیزی کی بنا پر یہ سوچ کر میدان جہاد میں نہیں گیا کہ اس کے بغیر بھی مقصد حاصل ہو جائے گا تو پھر مجاہد کو اس قاعد پر کئی درجوں کی فوقیت حاصل ہے لیکن ثواب سب کو ملے گا مگر مجاہدین کا ثواب بہت زیادہ ہے (اجرا عظیما درجات منہ) اور یہی سب کو ثواب کا ملنا جہاد کے فرض کفائی ہونے کی دلیل ہے۔علامہ طبرسی لکھتے ہیں۔"وفی هذه الاية دلالة علی ان الجهاد فرض الكفاية لانه لو كان فرضا علی الاعيان لما استحق القاعدون بغیر عذر اجرا (مجمع البیان) كذا فی التفسير الكبير وابن كثير) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد فرض کفائی ہے ورنہ اگر وہ واجب عینی ہوتا تو بغیر عذر کے جہاد نہ کرنے والے کسی ثواب کے مستحق قرار نہ پاتے۔

لمحہ فکریہ

اس آیت شریفہ سے روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہے کہ مجاہدین کو قاعدین پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے اور پھر مجاہدین میں سے جو جس قدر زیادہ جہاد کرے گا اس کو دوسرے مجاہدین پر اتنی ہی زیادہ فضیلت وبرتری حاصل ہوگی۔ اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اسلام کی تاریخ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پورے عالم اسلام میں سب سے زیادہ جہاد مجاہد اسلام حضرت علیؑ نے کیے ہیں جن کی شجاعت وشہامت کے ترانے نہ صرف انسانوں اور جنوں نے پڑھے ہیں بلکہ فرشتوں نے بھی یہ کہہ کر ان کی بہادری کے گن گائے ہیں۔

لا فتی الا علی

لا سیف الا ذوالفقار

قطع النظر حضرت علیؑ کے دوسرے علمی وعملی کارناموں کے ان کے جہاد فی سبیل اللہ کی کثرت ہی تمام امت مسلمہ سے ان کی افضلیت کی نا قابل رد دلیل ہے غالباً انہی حقائق کی بنا پر پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا تھا۔ علی خیر البشر من ابی فقد کفر۔ (کنز العمال م ۶ ص ۱۵۹، ینابیع المودۃ، ص ۲۰۴ طبع بمبئی کنوز الحقائق فی شرح حدیث خیر الخلائق حاشیہ، جامع صغیر سیوطی ج ۲ ص ۱۱۷/۱۱۶)

ہجرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی وضاحت

ہجرت جس کے لغوی معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف منتقل ہونے کا نام ہجرت ہے

ہجرت کے فضائل

اوائل اسلام میں جب کہ مسلمان ہر لحاظ سے کمزور وناتواں تھے اور دارالکفر میں رہ کر آزادی کے ساتھ اسلامی طریقہ پر اپنے اعمال وعبادات نہیں بجالا سکتے تھے اس وقت ہجرت کرنے کی بڑی اہمیت اور بڑی فضیلت تھی اور قرآن وسنت میں مہاجرین کی بڑی مدح وثنا وارد ہوئی ہے ارشاد قدرت ہے ''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَ جٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ'' (بقرہ آیت۔۲۱۸) جو لوگ ایمان لائے اور راہ خدا میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور خدا بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے نیز جن آیات کی تفسیر لکھی جارہی ہیں ان میں بھی ہجرت

کی بڑی فضیلت اور ہجرت نہ کرنے کی بڑی سخت مذمت وارد ہوئی ہے اسی طرح احادیث میں بھی ہجرت کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے

ہجرت میں قصد قربت ضروری ہے

البتہ یہ مدنظر رہے کہ ہر عبادت کی طرح یہاں ہجرت کرنے میں بھی قصد قربت ضروری ہے۔ چنانچہ اسی سورہ نحل میں آیا ہے"والذین ھاجروا فی اللہ"جن لوگوں نے اللہ کی خاطر ہجرت کی ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص تجارتی کاروباری نقطہ نگاہ سے یا سروس وملازمت کی وجہ سے یا دوسری دنیاوی سہولتوں کی وجہ سے ہجرت کرے تو وہ ان فضائل کا مستحق قرار نہیں پائے گا۔ چنانچہ حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا! جو شخص خدا اور رسول کے لئے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت تو خدا اور رسول کے لئے ہے اور جو مال طلب کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہے اور وہی چیز اس کی ہجرت کا معاوضہ ہے (بخاری شریف)

اسی بناء پر دوسری حدیث میں وارد ہے کہ"المھاجر من ھجر ما نھی اللہ ورسولہ"حقیقی مہاجر وہ ہے جو خدا اور رسولؐ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے (ایضا)

دو اسلامی ہجرتوں کا تذکرہ

چنانچہ عہد رسالت میں مسلمانوں نے دو بار ہجرت کی ہے پہلی بعثت کے پانچویں سال جو مکہ سے حبشہ کی طرف کی گئی اور دوسری بعثت کے تیرھویں سال جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف کی گئی۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا تھا کہ"لا ھجرۃ بعد الفتح"کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

بوقت ضرورت آج بھی ہجرت کا حکم ہے

پیغمبر اسلامؐ کے مذکورہ فرمان سے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی نفی مقصود ہے ورنہ آج بھی ہجرت کا حکم موجود ہے اور اگر مسلمان کسی کافر ملک میں رہ کر اپنے فرائض ووظائف انجام نہ دے سکتا ہو اور کافروں اور مشرکوں کی غلط کاریوں اور باطل پرستیوں سے نہ بچ سکتا ہو تو وہاں سے آج بھی ہجرت کرکے اس اسلامی ملک میں جانا واجب ہے جہاں آزادی سے اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکے۔ہجرت نبوی کے وقت کچھ کمزور ایمان کے مالک مسلمان اپنے اعزا و اقارب کی محبت اور اپنے مال وجائیداد سے دلبستگی کی وجہ سے مکہ رہ گئے تھے اور جان بوجھ کر فریضہء ہجرت ادا نہیں کیا تھا۔اس آیت میں ان کی حالت زار کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ موت کے وقت

(موت والے) فرشتے ان سے کہیں گے۔ تم کس حال میں تھے؟ (ہجرت کیوں نہ کی؟) وہ عذر خواہی کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم اس سرزمین میں کمزور اور بے بس تھے اس پر فرشتے ان سے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ (جس پر وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو جائیں گے) خدائے جبار و قہار فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جہنم بہت بری جائے بازگشت ہے۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ...الآیۃ

سابقہ آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو ہجرت کرنے پر قادر تھے مگر دنیوی اغراض وفوائد کے تحت ہجرت نہ کی۔ اب ان لوگوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو تنگدستی، بدنی کمزوری یا کسی اور جائز وجہ سے ہجرت نہ کرنے پر مجبور تھے اور اس وجہ سے معذور تھے جیسے کمزور و ناتواں مرد، عورتیں اور (بلوغت کے قریب) بچے جنہیں ہجرت کرنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا۔ امید ہے کہ اللہ ان سے درگذر فرمائے گا۔ یعنی جو ایسے لوگ ہیں وہ دراصل گنہگار نہیں ہیں

افادہ جدیدہ

بعض احادیث اہلبیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں ''مستضعفین'' سے وہ لوگ مراد ہے جو ذہنی اعتبار سے اتنے کمزور ہیں کہ حق و باطل میں تمیز کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ الغرض جو مرد یا زن بچوں کی سی عقل رکھتے ہیں نہ حقیقت ایمان کو سمجھ کر ایمان لا سکتے ہیں اور نہ ہی حقیقت کفر کو سمجھ کر اس سے اجتناب کر سکتے ہیں۔ الغرض وہ نہ مومن ہیں اور نہ ہی کافر بلکہ وہ ان کے بین بین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو خداوند عالم کی رحمت واسعہ کے امیدوار ہیں (البرہان، بحارالانوار، صافی)

آیات القرآن

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ

خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا
مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ
مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ
وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَ لْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ
وَ لْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ
عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا
جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ
تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا
مُّهِیْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى
جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ
عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ
تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا
لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۰۴﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا ﴿۱۰۵﴾ ۙ

ترجمۃ الآیات

اور جوکوئی راہ خدا میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت ہجرت گاہ جائے پناہ اور بڑی کشائش پائے گا۔ اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور رسولؐ کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اسے موت آجائے تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمہ ہوگیا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۰۰) اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (بلکہ

واجب ہے کہ) نماز میں قصر کر دو۔(بالخصوص) جب تمہیں خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائیں گے۔ بے شک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں (۱۰۱) اے رسول! جب آپ ان (مسلمانوں) میں ہوں اور انہیں نماز با جماعت پڑھانے لگیں تو چاہیے کہ ان کا ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو۔ اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لئے رہیں اور جب یہ سجدہ کر چکیں (نماز پڑھ چکیں) تو یہ (پشت پناہی کے لئے) تمہارے پیچھے چلے جائیں اور پھر وہ دوسرا گروہ جس نے ہنوز نماز نہیں پڑھی ہے آجائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھے۔ اور چوکنا رہے اور اپنا اسلحہ لئے رہے کفار کی تو یہ خواہش ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے ساز و سامان سے (ذرا) غافل ہو جاؤ اور وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ اور اگر تمہیں بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں کو رکھدو۔ ہاں اپنی حفاظت کا خیال رکھو (چوکنا رہو) بے شک اللہ نے کافروں کے لے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے (۱۰۲) پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے ہوئے ، بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)اور جب تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز کو پورے طور پر ادا کرو۔ بے شک اہل ایمان پر پابندی وقت کے ساتھ نماز فرض کی گئی ہے (۱۰۳) اس (مخالف) جماعت کی تلاش اور تعاقب میں سستی نہ دکھاؤ۔ اگر اس میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی اسی طرح تکلیف پہنچتی ہے۔ جس طرح تمہیں پہنچتی ہے اور تم اللہ سے اس چیز (ثواب) کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا ، بڑی حکمت والا ہے (۱۰۴)

تفسیر الآیات

وَمَنْ يُّهَاجِرْ ...الایۃ

جو شخص خدا کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ گھومنے پھرنے کے لئے زمین میں ہر جگہ بڑی کشائش پائے گا۔ یہاں خدائے رحمان و رحیم اپنی راہ میں گھر بار، مال و منال، دوست احباب اور زمین و جائیداد چھوڑنے والوں کو خوشخبری دے رہا ہے کہ انہیں آغاز میں جس مشقت اور کوفت کا سامنا کرنا پڑا ہے اور فقر و فاقہ کی جس بھٹی سے گذرنا پڑا ہے وہ اس کے عوض انہیں راحت و آرام پہنچائے گا اور انہیں مال و ثروت کی دولت سے مالا مال

فرمائے گا اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ صادق الوعد خدا نے مہاجرین سے جو وعدہ کیا تھا اس نے اس پورا کر کے دکھایا۔ اور دنیا نے اپنی آنکھوں سے اسے پورا ہوتا ہوا دیکھا کہ خداوند کریم نے ان لوگوں کو اقامۂ دین کے ادائے فرائض اور رہائش کے لئے وسیع وعریض زمین بھی عطا فرمائی اور دولت اور فراخ روزی سے بھی نوازا۔

وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ...الآية

اس کی شان نزول یوں مروی ہے کہ مکہ میں رسولؐ کے بعض اصحاب سخت بیمار تھے جن کا نام مفسرین نے جندب بن ضمرہ لکھا ہے مگر جب انہوں نے ہجرت کا حکم سنا تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہ انہیں (مدینہ) آنحضرت کی خدمت میں لے چلیں۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں چار پائی پر ڈال کر لے چلے مگر راستہ میں بمقام تنعیم ان کی وفات ہوگئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص خدا اور رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لئے اپنے گھر سے نکلے اور پھر اسے موت آجائے تو اس کا ثواب خدا کے ذمہ لازم ہو گیا ہے (مجمع البیان وتفسیر کاشف وغیرہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجر وثواب کا تعلق آدمی کے عزم وارادہ اور خلوص نیت کے ساتھ ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جو ارادہ کرتا ہے، مقدرات الٰہی اور شرعی موانع کی بنا پر اس کام کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا مگر اس سے اس کے اجر وثواب پر کوئی اثر نہیں پڑتا ''وانما الاعمال بالنیات نیۃ المومن خیر من عملہ'' یہی وجہ ہے کہ بعض اخبار وآثار میں وارد ہے کہ جب آدمی کسی نیک کام کے کرنے کا ارادہ کرتا تو ایک نیکی اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہے خواہ اس کو عملی جامہ نہ بھی پہنا سکے اور جب اسے کر گذرے تو ایک کی جگہ دس نیکیوں کا ثواب نامہ عمل میں درج کیا جاتا ہے اور جب برائی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اور جب گناہ کر گذرے تو پھر بھی چند گھنٹوں تک اسلئے نہیں لکھا جاتا کہ شاید گنہگار توبہ کر لے اور جب وہ مدت ختم ہوجائے اور وہ توبہ نہ کر سکے تو صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے یہ اللہ کا خاص فضل وکرم ہے۔ **واللہ ذوالفضل العظیم**۔ (الوافی الوسائل، البحار)۔

ایک روایت میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ فرمایا اگر کوئی شخص اپنا دین ومذہب بچانے کی خاطر ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف ہجرت کی غرض سے اپنے گھر سے نکلے، تو اگرچہ ایک بالشت مسافت طے کرنے کے بعد اس کی موت واقع ہوجائے تو وہ جنت کا مستحق ہوجاتا ہے اور جنت میں خلیل خدا اور حضرت محمد مصطفیؐ کا رفیق ہوگا (مجمع البیان)

مخفی نہ رہے کہ بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ طالب علم ہے جو علم دین کی طلب میں گھر

سے نکلے اور پھر راستے میں لقمہء اجل بن جائے (فراجع)

نماز سفر اور نماز خوف کا بیان

یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ شریعت اسلامیہ کے منجملہ خصوصیات کے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ بالکل سہل و آسان ہے۔ یعنی اس کے ہر امر و نہی میں بندوں کی سہولت و آرام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور کوئی شرعی تکلیف انسانی وسعت و طاقت سے زیادہ نہیں دی گئی۔ اور اس امر کے دیگر شواہد و دلائل کے علاوہ ایک یہی قصر و اتمام نماز کا مسئلہ بھی ہے۔ کہ خالق مہربان نے سفر اور خوف کی حالت میں مقررہ شرائط کے تحت چار رکعتی نمازوں کی دو رکعتیں معاف کر دی ہیں کیونکہ سفر میں آدمی کو طرح طرح کے تردودات اور ذہنی پریشانیاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے نماز قصر کا حکم دیا گیا۔

آیت کا ظاہری مفاد

اگر اس آیت مبارکہ پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ نماز قصر دو (۲) شرطوں کے ساتھ مشروط ہے

۱۔ سفر۔ ۲۔ اور دشمن کا خوف اور اوائل اسلام میں یہ خصوصی رعایت واقعاً صرف سفر اور کفار سے خوف کی صورت میں تھی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے'' وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ''(سورہ نساء آیت۔۱۰۱) جب تم سفر میں ہو اور تمہیں کفار سے خوف ہو کہ وہ تمہیں تکلیف دیں گے تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ نماز کو قصر کرو۔ (چار رکعتی نماز دو رکعت پڑھو)

آیت کا حقیقی مفہوم

مگر سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کی قولی و فعلی تعلیمات میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے قصر کرنے کے لئے ان دو عنوانوں میں سے صرف ایک عنوان ہی کافی ہے۔

۱۔ سفر (اپنے مقررہ شرائط کے ساتھ) اگرچہ کفار کا خوف دامن گیر نہ ہو

۲۔ کفار وغیرہ کا خوف اگرچہ سفر نہ ہو بلکہ حضر ہو اور اس مطلب پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے مروی ہے کہ ایک صحابی نے بارگاہ رسالتؐ میں یہ شبہ پیش کیا کہ نماز قصر کا حکم تو حالت جنگ میں ہے (تو اب فتح مکہ کے بعد) جب امن حاصل ہوا ہے تو اب قصر کیوں پڑھیں؟ آنحضرت نے فرمایا ''صدقہء تصدق اللہ بہا

علیکم فاقبلوا صدقة'' یہ رعایت اللہ کا خصوصی انعام ہے جس سے اس نے تمہیں نوازا ہے تو تم اس کے انعام کو قبول کرو (درمنثور، قرطبی) چنانچہ فریقین کی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرتؐ بحالت سفر نماز قصر پڑھتے تھے خواہ امن ہوتا تھا یا خوف۔ آیت کے جن الفاظ سے اشتباہ ہوتا ہے انہیں عام حالات پر محمول کیا جائے گا کہ چونکہ اس دور میں عموماً سفر خوف وخطر سے خالی نہیں ہوتے تھے اور بالعموم یہ خوف وخطر حالت سفر میں ہوتا تھا لہٰذا یہ قید (ضربتم فی الارض۔ وخفتم من الذین کفروا) کو غلبہ پر محمول کیا جائے گا جس طرح پچھلگ لڑکی کی حرمت کے لئے "فی حجورکم'' (تمہاری گودوں میں پلی ہیں) کی قید تغلیبی کو بنا بریں خوارج اور فرقہ ظاہریہ کا یہ کہنا کہ یہ قصر حالت جنگ کے ساتھ مختص ہے اور امن کے سفر میں قصر جائز نہیں ہے غلط ہے اور یہ مفہوم قرآن اور عمل پیغمبر اسلامؐ کے خلاف ہے بے شک پہلے پہل قصر کا حکم جنگ کی وجہ سے دیا گیا تھا مگر پھر ہر قسم کے جائز سفر کے لئے عام ہوگیا جو سنت رسولؐ اور مسلمانوں کے تعامل سے ثابت ہو چکا ہے۔

یہ قصر رخصت ہے یا عزیمت؟

چونکہ قرآن مجید میں نماز قصر کے لئے ''فلیس علیکم جناح'' (اگر نماز قصر کرو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)۔ لہٰذا اس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ سفر اور خوف میں نماز کا قصر کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف رخصت ہے مگر جو بات تعلیمات اہلبیت علیہم السلام اور برادارن اسلامی کے اکثر آئمہؒ وفقہاء کی آراء سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ یہ قصر عزیمت اور ضروری ہے۔ صرف رخصت واجازت نہیں ہے۔ جناب زرارہ اور جناب محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت امام محمد باقرؑ سے سفر میں نماز قصر پڑھنے کے متعلق سوال کیا؟ فرمایا سفر میں قصر کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح حضر میں پوری نماز پڑھنا واجب ہے عرض کیا کہ خدا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ قصر پڑھو۔ بلکہ فرمایا ''فلیس علیکم جناح'' اگر قصر کرو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؟ فرمایا حج میں صفا ومروہ کے درمیان سات چکر لگانا (بالاتفاق) واجب ہے حالانکہ وہاں بھی یہی لفظ وارد ہے کہ ''فلا جناح علیه ان یطوف بهما'' کہ حج کرنے والے پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ان کے درمیان چکر لگائے (عیاشی، مجمع البیان صافی)۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ سفر میں قصر کیا ہے اور کسی معتبر روایت سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے کبھی سفر میں چار رکعتیں پڑھی ہوں (تفہیم القرآن ج ا ص ۳۸۹) اس کے باوجود امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رخصت کے قائل ہیں۔ عزیمت کے قائل نہیں ہیں۔ فراجع

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ...الآية

اے پیغمبرؐ! جب آپ مسلمانوں کے درمیان موجود ہوں اور حالت جنگ میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوں۔ان جملوں سے بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ نماز خوف صرف زمانہ رسولؐ کے ساتھ مخصوص تھی حالانکہ یہ بات غلط ہے اور یہ حکم آپ کے بعد بھی ثابت ہے اور مختلف اوقات میں مسلمانوں نے پڑھی بھی ہے اور قیامت تک یہ حکم برقرار رہیگا۔صرف اس بنا پر کہ بظاہر خطاب آنحضرتؐ سے ہے اسے آپ کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے خود قرآن میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ آنحضرتؐ کو خطاب کر کے کوئی حکم دیا گیا ہے مگر وہ حکم آپ کے بعد بھی موجود ہے!!

نماز خوف پڑھنے کی ترکیب؟

حقیقت یہ ہے کہ نماز خوف پڑھنے کا زیادہ تر دارومدار حالات جنگ پر ہے لہٰذا جس قسم کے حالات کا سامنا ہو۔اسی طریقہ کے مطابق پڑھنی چاہیے۔یہاں جس طریقہ کار کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے احادیث اہلبیت علیہم السلام کی روشنی میں اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے۔

''فوج اسلام کے دو حصے ہو جائیں ایک حصہ دشمن کے مقابلہ میں جنگ کرتا رہے اور ایک حصہ رسولؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہو (اور اپنے ہتھیار لئے رہے) اس طرح کہ ایک رکعت پیغمبر کے ساتھ باجماعت پڑھے پھر رسولؐ بیٹھے رہیں اور یہ لوگ کھڑے ہو کر اپنی دوسری رکعت بطور خود جلدی جلدی پڑھ کر دشمنوں کے مقابلہ میں چلے جائیں۔دوسرے لوگ آئیں اور رسول اب کھڑے ہو کر ان کے ساتھ دوسری رکعت پڑھیں لیکن یہ ان کی پہلی رکعت ہے لہٰذا رسولؐ دونوں سجدوں کے بعد پھر بیٹھ جائیں اور یہ لوگ سجدوں کے بعد کھڑے ہو کر اپنی دوسری رکعت جلدی سے پڑھکر جب سجدوں سے فارغ ہوں تو اب رسول کے ساتھ تشہد اور سلام پڑھ کر نماز تمام کریں۔

نماز باجماعت کی اہمیت

اس سے اسلام میں نماز باجماعت کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ صرف پوری فوج اسلام کو جماعت کی فضیلت سے بہرہ اندوز کرنے کے لئے امام جماعت کو جو اس وقت پیغمبر تھے کتنے طویل الذیل طریقہ پر نماز پڑھنے کی ہدایت ہوئی ہے (فصل الخطاب) اور اگر دست بدست لڑائی تک نوبت پہنچ جائے اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر چلتے پھرتے ہر حالت میں پڑھی جاسکتی ہے۔ساری نماز روبقبلہ نہ پڑھی جاسکے تو صرف تکبیرالاحرام کے وقت روبقبلہ ہونا کافی ہے اگر رکوع وسجود کیا جائے تو فبہا ورنہ ان کے بغیر بھی پڑھی

جاسکتی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر ہر رکعت کے عوض ایک بار تسبیحات اربعہ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھی جاسکتی ہیں (تفسیر کاشف)

دو رکعتی فرقہ کی رد

نماز خوف پڑھنے کی جو ترکیب ہم نے اوپر درج کی ہے یہ وارثان قرآن کے فرمان سے واضح وعیاں ہے اور یہ فرامین تفسیر عیاشی، صافی، برہان، وسائل اور بحارالانور وغیرہ کتب معتبرہ میں موجود ہیں لیکن اگر کوئی شخص قرآنی مطالب ومعانی کو حقیقی اہل قرآن سے نہ لے اور احادیث کی صحت وسقم اور ان کا صحیح مفہوم علماء اسلام سے معلوم نہ کرے بلکہ اپنی عقل خام اور علم ناتمام پر بھروسہ کر کے حقائق قرآن، دینی احکام اور مسائل حلال وحرام کو سمجھنے کی سعی ناکام کرے تو غوایت وگمراہی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور توفیق ہدایت سلب ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال موجودہ دو (۲) رکعتی فرقہ ہے جو ہمارے ہی مذہب سے نکلا ہے جو بعض ناقابل اعتماد "ضعیف السند اور متشابہ اخبار وآثار کی بنا پر قائل ہے کہ نماز پنجگانہ میں سے ہر نماز کی دو رکعتیں ہیں اور اس طرح ان کی کل مجموعی تعداد دس (۱۰) رکعت ہے اور پھر قرآن کی تفسیر بالرائے کا ارتکاب کرتے ہوئے اسی نماز خوف سے یہ غلط استدلال کرتا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل نماز دو رکعت تھی، جو قصر ہو کر ایک رکعت رہ گئی چنانچہ ایک گروہ نے پیغمبر کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور دوسرے گروہ نے بھی ایک رکعت پڑھی مگر بموجب دروغ گورا حافظہ نباشد! وہ یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ اگر نماز خوف ایک ہی رکعت تھی تو پھر پیغمبر اسلامؐ نے کیوں دو رکعت پڑھیں؟ اور وارثان قرآن سے کیوں نہیں پوچھتا کہ مقتدیوں نے اپنی ایک رکعت تو رسول کے ساتھ پڑھی تھی تو دوسری کس طرح پڑھی؟؟

سچ ہے کہ

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

نعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا ومن الحور بعد الکور

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...الآیۃ

یہاں مذکورہ بالا طریقہ پر نماز ادا کرنے کا فلسفہ بیان کیا جارہا ہے۔ کہ جب مسلمان اس طرح دو حصوں پر تقسیم ہو کر اور ہتھیار بند ہو کر اور وہ بھی یکے بعد دیگرے نماز پڑھیں گے تو اس طرح دشمن کو ان پر یکبارگی حملہ کر کے انہیں تہس نہس کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ جس طرح کہ ایک بار مسلمان اس سانحہ سے بال بال بچ گئے

تھے۔ ہوا یوں کہ ایک بار حضرت رسول خداؐ مکہ مکرمہ سے حدیبیہ کی طرف جا رہے تھے کہ کفار کو اس بات کا علم ہو گیا انہوں نے خالد بن ولید کو ایک سو سوار آدمیوں کا جتھا دے کر بھیجا تا کہ آنحضرتؐ کو آگے بڑھنے سے روکے۔ اسوقت مسلمان بمقام عسفان اور کفار بمقام ضجنان تھے۔ نماز ظہر کا وقت ہوا بلال نے اذان دی اور آنحضرتؐ نے مکمل رکوع و سجود کے ساتھ مسلمانوں کو نماز پڑھائی، جب خالد کو اس کا علم ہوا تو اس نے بڑا افسوس کیا کہ اس نے نماز کی حالت میں حملہ کیوں نہ کر دیا۔ اب وہ نماز عصر کی جماعت کا انتظار کرنے لگا کہ جب آنحضرتؐ اس نماز میں مشغول ہوں گے جو انہیں آنکھ کی بصارت سے بھی زیادہ عزیز ہے تو وہ ان پر حملہ کر دے گا اس اثناء میں خدائے علیم و حکیم نے وحی کی ڈوری ہلائی اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز عصر ادا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ جس کی وجہ سے دشمن اپنے مذموم ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا (مجمع البیان)

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ...الآیۃ

نماز خوف پڑھنے کی ترکیب بتانے کے بعد یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب نماز فریضہ کو اس مخصوص طریقہ پر ادا کر چکو اور ظاہر ہے کہ اس میں سکون و اطمینان نام کی کوئی چیز نہیں تھی تاہم ادا ہو گئی تو اب نوافل اور دیگر ذکر و اذکار کرو اور جس طرح بھی ممکن ہے کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے خدا کو یاد کرو۔ اسکا ذکر کرو اور دشمن پر فتح و نصرت حاصل کرنے کی دعا کرو۔ کہ ان چیزوں کا کوئی خاص وقت اور کوئی مخصوص کیفیت نہیں ہے ہاں البتہ جب تم دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ اور ہر قسم کے اضطرار اور حالت خوف کا خاتمہ ہو جائے تو پھر پوری حدود و قیود، پورے سکون و طمانیت اور پورے آداب و کیفیات کے ساتھ نماز ادا کرو۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ...الآیۃ

کتابا موقوتا کا مفہوم؟

کتابا موقوتا کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ''مفروض لوقتہ'' اپنے مقررہ وقت پر فرض ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر نماز کے تین تین وقت ہے۔

۱۔ وقت مختص۔ ۲۔ وقت مشترک۔ ۳۔ اور وقت فضیلت اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہر نماز کا اپنے وقت فضیلت پر الگ الگ ادا کرنا افضل ہے۔

جمع بَیْنَ الصَّلٰوتین پر تبصرہ

یہ جو قدیم الایام سے جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں سنی شیعہ نزاع چلی آ رہی ہے وہ صرف اس فعل کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں ہے کہ ہم بلا عذر بھی جمع بین الصلوٰتین کو جائز جانتے ہیں جس کی تائید مزید صحاح ستہ کی روایات سے ہوتی ہے۔ جن میں مذکور ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے بعض اوقات مدینہ میں ہر قسم کے خوف وخطر، طوفان ومطر اور سفر کے بغیر دو نمازوں کو ملا کر پڑھا اور پوچھنے پر فرمایا تا کہ امت کو زحمت نہ ہو اور ہمارے بھائی کسی عذر کے سوا جمع کو جائز نہیں جانتے مگر عام دوسرے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی افراط وتفریط کا شکار ہو گیا ہے ہماری قوم نے ہر حالت میں جمع بین الصلوتین کو اپنا وتیرہ بنالیا ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اگر اس نے دو نمازیں الگ الگ پڑھ لیں تو وہ سنی بن جائیں گے اور ہمارے سنی بھائیوں نے اس جواز سے فائدہ نہیں اٹھایا اور انہوں نے یہ التزام کر رکھا ہے کہ ہر حالت میں دو نمازوں کو اس طرح علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہے، کہ اگر انہوں نے کبھی بغیر عذر جمع بین الصلوٰتین کر دی، تو وہ شیعہ بن جائیں گے۔ ہم ہر دو فریق کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جمع کرنے سے کوئی سنی شیعہ نہیں بنتا اور علیحدہ علیحدہ پڑھنے سے کوئی شیعہ سنی نہیں بن جاتا۔ بے شک بلا عذر شرعی بھی جمع بین الصلوٰتین جائز ہے۔ لیکن ہر نماز کو اس کے وقت فضیلت پر الگ الگ پڑھنا افضل ہے۔ تفصیل کے لئے ہماری فقہی کتاب ''قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفر یہ'' کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے دوسرے معنی ہیں ''کتابا مفروضا'' کہ نماز اہل ایمان پر فرض عین قرار دی گئی ہے جس کے ترک کرنے میں وہ کسی رنگ میں معذور نہیں ہیں (عیاشی وصافی وبرہان)

وَلَا تَهِنُوْا فِي...الآية

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کفار ومشرکین کے ساتھ مقابلہ ومقاتلہ کرنے میں بعض اوقات مسلمانوں کو سخت تکلیفوں کا اور زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر خدا مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمارہا ہے کہ ایسی تکلیفیں تو کافروں کو بھی پیش آتی رہتی ہیں مگر اہل اسلام اور اہل کفر میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے۔ مسلمانوں کے ہاں عقیدہ توحید موجود ہے وہ ہر دکھ درد اور ہر زحمت ومصیبت پر جو انہیں راہ خدا میں پیش آتی ہے خدا سے اجر وثواب کی توقع رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ نہ صرف یہ کہ ان کے لئے مشکل کو آسان بنادیتا ہے بلکہ اسے خوشگوار بھی بنادیتا ہے جبکہ کفار ومشرکین اس عقیدہ سے محروم ہیں۔ اس نمایاں فرق کے باوجود ایک مسلمان کو بزدلی اور پست ہمتی کا ہرگز مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہر ہر معاملہ میں بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔

ہمت بلند دار کہ پیش خدا وخلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

آیات القرآن

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ
يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۙ﴿۱۰۷﴾
يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ
يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾
هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ
عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ
سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾
وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔا فَقَدِ
احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۠﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ
لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ
مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ
النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ
اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک ہم نے (یہ) کتاب حق کے ساتھ آپ پر اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ نے آپ کو بتادیا ہے اور آپ خیانت کاروں کے طرفدار نہ بنیں۔(۱۰۵) اور اللہ سے مغفرت طلب کریں، یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۰۶) اور جو لوگ اپنی ذات سے خیانت کرتے ہیں آپ ان کی وکالت نہ کریں بے شک اللہ اسے دوست نہیں رکھتا، جو بڑا خیانت کار اور بڑا گنہگار ہے (۱۰۷) یہ لوگ (اپنی حرکات) لوگوں سے تو چھپا سکتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے، کیونکہ وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو اس کی پسند کے خلاف گفتگوئیں (مشورے) کرتے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے (۱۰۸)۔(اے مسلمانو!) یہ تم ہو جو دنیاوی زندگی میں ان کی طرف سے جھگڑتے ہو (ان کی طرفداری کرتے ہو) تو قیامت کے دن ان کی طرف سے خدا سے کون بحث کریگا؟ یا کون ان کا وکیل (نمائندہ) ہوگا؟ (۱۰۹) اور جو کوئی برائی کرے قبیح کام کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے (گناہ کا ارتکاب کرے) پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے، تو وہ اللہ کو بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا پائے گا۔(۱۱۰) اور جو گناہ کرتا ہے تو وہ اپنی ہی جان کے خلاف کرتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے (۱۱۱) اور جو کوئی غلطی یا گناہ کرے تہمت کسی بے قصور پر لگائے، تو اس نے ایک بڑے بہتان اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اٹھایا (۱۱۲) اور اگر اللہ کا فضل وکرم اور اس کی خاص رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان کے ایک گروہ نے تو یہ تو تہیہ کرلیا تھا کہ آپ کو گمراہ کرکے رہے گا۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کررہے ہیں اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ نے آپ پر کتاب وحکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ کچھ پڑھادیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل وکرم ہے (۱۱۳) لوگوں کی زیادہ تر سرگوشیوں میں کوئی خیر وخوبی نہیں ہے سوا اس کے کہ کوئی صدقہ دینے، نیکی کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے کی

بات کرے اور جو شخص خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ایسا کرے ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے (۱۱۴) اور جو راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور اہل ایمان کے راستے کے خلاف راستہ چلے، تو ہم اسے ادھر ہی جانے دیں گے جدھر وہ گیا ہے (ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے) اور اسے آتش دوزخ کا مزا چکھائیں گے اور یہ بہت بری جاء بازگشت ہے (۱۱۵)

تفسیر الآیات

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ...الآیۃ

ان آیات کی شان نزول

آیت نمبر ۱۰۵ سے لیکر آیت نمبر ۱۱۵ تک پوری دس آیات اس مخصوص واقعہ سے متعلق ہیں جو حضرت رسول خداؐ کے عہد معدلت انگیز میں پیش آیا تھا۔ جس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر کے تین بھائی تھے۔ جن کے نام بشر، بشیر اور مبشر تھے اور یہ ابیرق نامی ایک شخص کے بیٹے تھے ان میں سے بشیر کی کنیت ابوطعمہ تھی۔ اس نے اپنے ہمسایہ قتادہ بن نعمان بدری صحابی کے گھر نقب لگا کر آٹے کی بوری، تلوار اور زرہ چرالی، جب صبح ہوئی اور قتادہ نے ابوطعمہ سے دریافت کیا تو اس نے قسم اٹھا کر اس سے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ الغرض جب مسروقہ مال کی تلاش شروع ہوئی تو اس نے وہ مال ایک یہودی کے ہاں رکھ دیا اور قتادہ نے بارگاہ رسالتؐ میں دعوی دائر کیا اور ابوطعمہ پر اپنا شبہ ظاہر کیا۔ جب مسروقہ مال کی تلاش شروع ہوئی تو اتفاق یہ ہوا کہ آٹے کی بوری میں سوراخ تھا۔ اس سے آٹا گرتا گیا اس طرح لوگ اس یہودی کے گھر پہنچ گئے اور مال برآمد کرلیا۔ مگر یہودی نے سختی سے اپنے چور ہونے کی نفی کی اور کہا کہ میرے پاس ابوطعمہ یہ چیزیں رکھ گیا ہے۔ مگر ابوطعمہ، اس کے بھائی بندوں اور بنی ظفر کے بہت سے لوگوں نے اجماع کر کے یہ الزام یہودی پر منڈھ دیا۔ اگرچہ بنی ظفر کو علم ہو چکا تھا کہ یہودی چور نہیں بلکہ ابوطعمہ چور ہے مگر اپنے جھوٹے وقار کو بچانے اور بدنامی سے بچنے کی خاطر بارگاہ رسالتؐ میں پہنچ گئے اور بڑے زور وشور سے ابوطعمہ کی بے گناہی ثابت کرتے ہوئے اس کی وکالت کی اور بڑے شدومد کے ساتھ یہ الزام یہودی کے سر تھوپنے کی کوشش کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ یہودی خدا اور رسولؐ کا دشمن ہے اگر وہ بری ہو گیا اور فیصلہ ابوطعمہ کے خلاف ہوا تو نہ صرف وہ ذلیل ورسوا ہوگا بلکہ اس کی پوری قوم ذلت

ورسوائی کے اتاہ گھڑے میں گر جائیگی۔ظاہری قانون شریعت کے مطابق اگر حضرت رسول خداً یہ سوچ کر کہ بنی ظفر اوران کے وکلاء صفائی اورحمایت کارمسلمان ہیں اور بڑے شد ومد سے ابوطعمہ کی صفائی پیش کرر ہے ہیں تو یہ سچے ہی ہوں گے۔ابوطعمہ کے حق میں فیصلہ کردیتے۔جیسا کہ بظاہر کرنا بھی چاہتے تھے۔تو یہ کوئی اچنبہ کی بات نہ ہوتی کیونکہ مقدمہ کی ظاہری روئیداد کا تقاضا یہی تھا لیکن اگر ایسا ہوجاتا تو مخالفین کو نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بلکہ پیغمبر اسلامؐ کے خلاف ایک حربہ مل جاتا اور وہ پروپیگنڈہ کرتے کہ آنحضرتؐ جس عصبیت کے خلاف بات کرتے ہیں خود اسی کا شکار ہوکر یہودی کے خلاف اور مسلمان کے حق میں فیصلہ کردیا اور حق وانصاف کا خون بہادیا۔اس لئے خداوند عالم نے اس واقعہ کی نزاکت اور حساسیت کے پیش نظر خصوصی طور پر اس مقدمہ میں مداخلت کی اور آنحضرتؐ کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرکے صحیح فیصلہ کرنے میں آپ کی راہنمائی فرمائی چنانچہ آپؐ نے یہودی کو بری قراردے کر ابوطعمہ کو مجرم قرار دیا۔اس بارے میں ارشاد قدرت ہوتا ہے۔ انا انزلنا علیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك الله۔ چنانچہ جب بشیر کو حقیقت حال کی اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کر مکہ چلا گیا اور مرتد ہوگیا۔(مجمع البیان،ضیاء القرآن،تفہیم القرآن)

وہ نتائج جو اس واقعہ سے برآمد ہوتے ہیں

اس واقعہ سے بڑے مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں جو بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں حوالہ قلم کئے جاتے ہیں۔

۱۔محض خاندانی عصبیت کے تحت کبھی مجرم کی حمایت نہیں کرنی چاہیے۔اور نہ ہی یہ طریقہ کار ایک مسلمان کا شیوہ وشعار ہے۔یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے ان آیات میں ان لوگوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی ہے جن سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔اس سے سبق حاصل ہوتا ہے کہ اسلام میں قوم یا مذہب کے نام پر انصاف کے معاملہ میں تعصب اور غلط رو ورعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے۔

۲۔ان آیات اور اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ابوطعمہ اور اس کی قوم اوران کے حمایت کار اور وکلاء صفائی جو ایک مجرم مسلمان کو بچانا اور ایک بےقصور یہودی کو پھنسانا چاہتے تھے نہ صرف یہ کہ مسلمان تھے بلکہ صحابہ کرام کی جماعت کے معزز ارکان تھے۔اس کے بعد سوچنے کی بات یہ ہے کہ ''الصحابۃ کلھم عدول'' کا نظریہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے بارے میں کف لسان سے کام لینا چاہیے اگر اس نظریہ میں کوئی صداقت ہوتی تو پھر خدا اس پر خود کیوں نہ عمل کرتا اوران لوگوں کے بارے میں حسن ظن کی پردہ دری کیوں کرتا؟ اوران کا گھناونا کردار پیش کرکے ان کی رسوائی کے اسباب کیوں جمع کرتا؟

۳۔ ان آیت میں بظاہر خطاب حضرت رسول خداؐ کو ہے جیسے ''ولا تکن للخائنین خصیما'' "استغفرا الله ولا تجادل عن الذین'' وغیرہ مگر فریقین کے محقق مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد امت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس معاملہ میں انتہائی غلط کردار ادا کیا تھا اور جاہلی دور کی جتھہ بندی اور عصبیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں ''المراد بذلك امته علیه السلام'' کہ اس سے آپ کی امت مراد ہے (تفسیر تبیان) فاضل قرطبی لکھتے ہیں ''قیل الخطاب للنبیی والمراد بنو بیرق'' کہا گیا ہے کہ بظاہر خطاب آنحضرتؐ کو ہے مگر اس سے مراد بنی ابیرق ہیں (تفسیر قرطبی) اور اگر اس سے آنحضرتؐ کی ذات والا صفات مراد لی جائے تو پھر اس کا مطلب ہوگا کہ ابوطعمہ کے مسلمان اور دوسرے فریق کے یہودی ہونے کی وجہ سے اور ابوطعمہ کی حمایت میں بڑے شد و مد کے ساتھ بنی ظفر کی حمایت کاری کے سبب سے آنحضرتؐ کے دل و دماغ میں جو ہلکا سا خیال اس کے حق میں فیصلہ کرنے کے متعلق گذرا تھا تو بموجب حسنات الابرار سئیات المقربین۔ آنحضرتؐ کو توبہ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے (تفسیر کبیر)

۴۔ ھاانتم۔ پہلی آیتوں میں خطاب بصیغہ مفرد خاص رسول کو تھا مگر اب خطاب بصیغہ جمع کیا جارہا ہے کہ اب تو تم دنیاوی زندگی میں ان کی جانب سے لڑ جھگڑ لو مگر قیامت کے دن ان کی طرف سے کون لڑے گا؟ یہ اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ اگرچہ پہلے خطاب بظاہر خود رسول سے تھا مگر اس سے مقصود دوسرے لوگوں کی ہی تنبیہ تھی جو ان مجرموں کی طرف سے صفائی پیش کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ (فصل الخطاب)

۵۔ومن یعمل سوء۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اگر مقررہ شرائط کے ساتھ صحیح معنوں میں توبہ کی جائے تو اس سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور آدمی گناہوں کی نجاست و کثافت سے اس طرح پاک وصاف ہوجاتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے ''التائب من الذنب کمن لا ذنب له''

۶۔من یکسب خطیئة۔ مفسرین نے اہل لغت کے کلام کی روشنی میں خطیہ اور اثم میں فرق بیان کیا ہے کہ خطیئةً عمدی بھی ہوسکتی ہے اور غیر عمدی بھی مگر اثم (گناہ) ہمیشہ عمداً ہوا کرتا ہے اور بہتان ان سب گناہوں سے بڑا گناہ کبیرہ ہے جس کے مرتکب کو خدا نے بے ایمان کہا ہے ارشاد قدرت ہے ''انما یفتری الکذب الذین لا یومنون'' کہ افترا پردازی صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں۔

۷۔اثماً مبینا۔ قرآنی اصطلاح میں ہر گناہ اپنے ساتھ غداری ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قسم کے گناہ سے اجتناب کرکے اپنے آپ کو نجات کا مستحق بنایا جائے مگر گناہ گار گناہ

کر کے اپنے آپ کو جہنم کا مستوجب قرار دیتا ہے۔تو یہ اگر اپنے ساتھ غداری نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ جو مسلمان کہلا کر چوری خود کرتا ہے اور تہمت کسی غیر مسلم پر لگاتا ہے تو وہ جہاں اپنا غدار ہے وہاں اپنی قوم وملت کا بھی غدار ہے۔ بلکہ دوسروں کی نظر میں اپنی پوری جماعت کے کردار کو داغ دار بنا رہا ہے۔وہ ایک غیر مسلم کو جو بے گناہ تھا آنحضرتؐ سے سزا دلا کر اس کی نگاہ میں آنحضرتؐ کو ایک ظالم حاکم قرار دلوانا چاہتا تھا یہ تو رحمت للعالمین کے ساتھ بھی غداری ہے۔

۸۔ولولا فضل اللہ۔ میں خدائے رحمن ورحیم نے کس لطیف پیرائے میں آنحضرتؐ کی عصمت وطہارت کی گواہی دے رہا ہے لوگ لاکھ آپ کو جادہ حق سے منحرف کرنے کا ارادہ اور تہیہ کریں مگر آپ کے پروردگار کا فضل وکرم اور اس کی خاص رحمت (عصمت ربانی) آپ کے ساتھ ہے اور خدا آپ کا دستگیر ہے تو پھر آپ کو کون گمراہ کرسکتا ہے جو ایسا اراداہ کرتا ہے وہ اپنے آپ کو گمراہ کرتا ہے۔آپ کو ہرگز کوئی ضرر وزیاں نہیں پہنچا سکتا۔''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى''

۹۔لاخیر فی کثیر۔نجوی کے معنی ہیں ہر قسم کی سرگوشی اور راز ونیاز کی باتیں یا خفیہ اجلاس یہ سب باتیں محض تضییع اوقات ہیں۔ہاں سرگوشی وہ اچھی ہے اور خفیہ اجلاس وہ مفید ہے جس میں قربۃ الی اللہ کسی حاجت مند کی حاجت برآری یا کسی اچھے پروگرام کی انجام دہی کے بارے میں غور وفکر کیا جائے۔اور پھر اس پر عمل درآمد بھی کیا جائے کیونکہ سب سے بڑی عبادت یہی ہے کہ۔ع

کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

۱۰۔من یشاقق الرسول۔اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس طرح ابوطعمہ پر جاہلیت کا دورہ پڑا تھا کہ اسلام کا قلادہ اتار کر مرتد ہوگیا اسی طرح اگر کوئی کلمہ گو، جو خدا کو خدا اور رسولؐ کو رسولؐ جانتا ہے۔اس حق وحقیقت کے واضح وآشکار ہوجانے کے بعد کہ حضرت رسول خداؐ جو کچھ کرتے ہیں یا جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی ربانی اور ارشاد حقانی کے تحت کرتے اور کہتے ہیں۔پھر بھی آپ کے فیصلہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کے خلاف چوں چراں کرتا ہے تو اس کا انجام جہنم کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ ع۔سزائے ایں چنیں دونان بجز دوزخ کجا باشد؟ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے افادات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید چند سطریں پیش کردی جائیں۔موصوف نے چھ عدد نتائج درج کیے ہیں اور ہم نے دس لکھ دیے ہیں اس لئے ہم ان کے اخذ کردہ نتائج کو گیارہ نمبر سے شروع کرتے ہیں۔اس طرح ان نتائج کی مجموعی تعداد سولہ ہوجائیگی۔چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں ''بہرحال ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱۱۔مسلمان قاضی کو چاہیئے کہ ہر حال میں حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔اس خیال سے کہ ایک فریق مسلمان ہےاور دوسرا غیر مسلم ہےمسلمان کی طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔

۱۲۔ہمیشہ خدا سے مدد مانگتا رہے، کیونکہ قضا کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ایسا نہ ہو کہ طبیعت کے میلان سے کوئی لغزش ہوجائے۔

۱۳۔قاضی کوایسی بات نہیں کرنی چاہیےجس سے کسی فریق کی وکالت کی بوآئے۔

۱۴۔مسلمانوں کونہیں چاہیے کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے یا اپنے خاندان وقبیلہ سے ہونے کی وجہ سے کسی مجرم کی حمایت کریں اور سازش کر کے جتھا بندی کرلیں۔دنیا کی نگاہیں نہ دیکھتی ہوں لیکن خداتو دیکھ رہا ہے کہ کون مجرم ہے؟ کون نہیں ہے؟

۱۵۔جو برائی کرتا ہےاس کی برائی اس پر ہے۔پس خیال نہ کرو کہ یہ شخص ہمارا ہم مذہب یا رشتہ دار ہےاس کا جرم ثابت ہوگیاتو ہم پربھی دھبہ لگ جائے گا۔

۱۶۔خود گناہ کرنااوراسے دوسرے کےسر دھوپ دیناایک معصیت کے بعد دوسری معصیت کاارتکاب ہے۔(ترجمان القرآن)

آیات القرآن

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝١١٦ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ
اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝١١٧ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ
مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝١١٨ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ
اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا
مُّبِيْنًا ۝١١٩ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝١٢٠
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝١٢١ وَالَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک اللہ اس جرم کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا (جو کم درجہ کے جرائم ہیں) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جو کسی کو اس کا شریک ٹھرائے وہ گمراہ ہوا (اور اس میں) بہت دور نکل گیا۔(۱۱۶) یہ (مشرک) لوگ اللہ کو چھوڑ کر نہیں پکارتے، مگر زنانی چیزوں (دیویوں) کو (ان کی عبادت کرتے ہیں) اور وہ نہیں پکارتے، مگر سرکش شیطان کو (اس کی پرستش کرتے ہیں) (۱۱۷) جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقررہ حصہ لے کر رہوں گا۔(۱۱۸) اور انہیں ضرور گمراہ کروں گا اور میں انہیں مختلف آرزؤوں میں الجھاؤں گا (انہیں سبز باغ دکھاؤنگا) اور انہیں حکم دوں گا کہ وہ ضرور چوپاؤں کے کان شگافتہ کریں گے اور میں انہیں حکم دوں گا کہ وہ خدا کی خدائی ساخت کو ضرور بدل دیں گے۔ اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنائے گا وہ کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا۔(۱۱۹) وہ شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انہیں (جھوٹی) امیدیں دلاتا ہے اور ان سے شیطان وعدہ نہیں کرتا مگر فریب کے طور پر (۱۲۱) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم عنقریب انہیں ان بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھکر کون بات کا سچا ہے (۱۲۲)

تفسیر الآیات

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ ...الآية

اس آیت کی مکمل تفسیر اسی سورہ کی آیت نمبر ۳۶، ۴۸ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ...الآیة ۱۱۷

اللہ کو چھوڑ کر غیروں کے پرستار زنانے قسم کی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں

وہ اللہ کو چھوڑ کر نہیں پکارتے ،مگر زنانے قسم کی چیزوں کو، یہاں مفسرین نے یدعون کے معنی یعبدون کئے ہیں۔ چونکہ مشرکوں نے اپنے بتوں کے نام زنانے قسم کے رکھے ہوئے تھے جیسے لات، منات، اورعزی وغیرہ اوران کو معبود سمجھ کران کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔ نیز وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ چنانچہ خداوند کریم ان کی زجروتوبیخ کرتے ہوئے فرماتا ہے''اَفَاَصۡفٰىكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا۝۴۰''(اسراء آیت۔۴۰)اس لئے وہ بتوں کے نام لڑکیوں کے نام پر رکھتے تھے۔اوران سے مراد فرشتے لیتے تھے۔جنہیں وہ خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھےاورابتداء میں تو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھ کران کی پرستش کرتے تھے۔''وما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی''پھر رفتہ رفتہ انہی کو خالق ورازق اور معبود برحق سمجھنے لگ گئے۔بعد ازاں خدا فرماتا ہے''وان یدعون الا شیطاناً مریدا''کہ یہ دراصل سرکش شیطان کو پکارتے ہیں۔یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں۔جس نے انہیں گمراہ کیا ہے۔حَسَبِ ظاہر تو کوئی بھی شیطان کو معبود سمجھ کراس کے سامنے مراسم بندگی نہیں بجالاتا اوراس کی عبادت نہیں کرتا تو پھر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس عبادت سے شیطان کی اسطرح اطاعت مطلقہ کرنا مراد ہے کہ جدھروہ اپنے مطیع کی باگیں پھیرے یہ ادھر پھرتا جائے۔ گویا شیطان اس کا معبود ہےاور یہ اس کا عبداس سے معلوم ہوا کہ کسی کی اندھی اتباع کرنے اور بلا چوں وچراں اطاعت کرنے کا نام عبادت ہے۔اب اگر وہ مطاع ومقتدا حکم خدا کے مطابق حکم دیتا ہے تو مطیع ومنقاد بندہ خدا کی عبادت کرتا ہے یا شیطان کے احکام کے مطابق حکم دیتا ہے تو پھر یہ اطاعت گذار بھی شیطان کا عبادت گذار ہے

لَاَ تَّخِذَنَّ...الآیة

جب شیطان خدا کے بنائے ہوئے خلیفۃ اللہ کی بڑائی وبرتری کا انکاراوراپنی کبریائی وبڑائی کا اظہار کر کے نیز حکم خدا کے بالمقابل اپنی رائے اور قیاس پیش کرنے کی وجہ سے راندہ بارگاہ ہوا تو اس نے زبان حال ومقال سے خداوند عالم کی بارگاہ میں چند دعوے کئے تھے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ...الآیة ۱۱۹

میں تیرے بندوں میں سے اپنا حصہ لوں گا۔اورانہیں گمراہ کروں گا یعنی اس نے کہا''لاغوینھم

اجمعین ''میں سب کو گمراہ کروں گا۔ ارشاد قدرت ہوا''ان عبادی لیس لك علیہم سلطان ''جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیری کوئی دسترس نہیں ہوگی۔ اور یہ بات اب شیطان نے بھی تسلیم کرلی کہ ''الا عبادك منہم المخلصین '' کہ ہاں تیرے مخلص بندوں کے سوا باقی سب کو گمراہ کروں گا۔ ارشاد قدرت ہے ''لاملئن جھنم منك وممن تبعك ''میں بھی جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھروں گا۔

شیطان کا بندوں سے کس قدر حصہ ہے؟

حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا! ''من بنی آدم تسعة وتسعون فی النار وواحد فی الجنة ''اولاد آدمؑ میں سے ننانوے جہنم میں جائیں گے اور صرف ایک جنت میں جائے گا اور دوسری روایت میں وارد ہے ''من کل الف واحد الله وسائر ھم للنار ولابلیس ''ہزار میں سے ایک اللہ کے حصہ کا ہوگا اور باقی سب (۹۹۹) جہنم اور شیطان کے حصہ کے ہوں گے (مجمع البیان)۔ ارشاد قدرت ہے ''ولقد صدق علیہم ظنه فاتبعوہ الا فریقا من المومنین ''شیطان نے جو کہا تھا اسے سچ کر دکھایا اس لئے چند اہل ایمان کے سوا باقی سب نے اس کی پیروی کرلی۔

وَلَاُمَنِّيَنَّهُم ...الآیة

میں انہیں لمبی امیدوں میں الجھاؤں گا اور انہیں سبز باغ دکھاؤنگا۔ امنیۃ جس کی جمع امانی ہے جھوٹی امید کو کہا جاتا ہے ہر انسان مختلف، متنوع اور متعدد آرزوؤں کا مجموعہ ہے۔ ع۔ ہزاروں خواہشیں ایسی تھیں کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ شیطان ہر شخص کے سامنے اس کی طبیعت کی افتاد اور اسکے مزاج کے مطابق جھوٹی خواہشات کے تاج محل تعمیر کرتا ہے اور پھر انہیں آرزوؤں کے زرتار جالوں میں اسے پھنساتا ہے اور غلط توقعات اور توہمات میں گرفتار کر کے اسے یاد خدا منانے اور فرائض الٰہیہ بجالانے سے غافل کرتا ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں ''اما اتباع الھوی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الاخرة'' مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف دو چیزوں کا ہے۔ ایک خواہش نفس کی پیروی اور دوسری لمبی امید۔ فرمایا جہاں تک خواہش نفس کی پیروی کا تعلق ہے تو یہ آدمی کو حق سے روکتی ہے اور جہاں تک لمبی امید کا تعلق ہے تو یہ آدمی کو آخرت بھلا دیتی ہے (نہج البلاغہ)

الغرض شیطان کے کاروبار اور اس کے بازار کی رونق کا دارومدار اور اس کی وقتی کامیابی کا انحصار نہ اس کے جھوٹے وعدوں کے کبھی پوری نہ ہونیوالی امیدوں اور سبز باغوں پر ہے ''ومایعدھم الشیطان الا

غرورا''

وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ...الآیۃ

میں انہیں حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان شگافتہ کریں گے عربوں کے توہمات اور بعض بدعات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ انہوں نے بعض حلال جانوروں کو مقدس سمجھتے ہوئے حرام قرار دے دیا تھا۔یعنی جب کوئی اونٹنی پانچ یا دس بچے جن لیتی یا اس اونٹ کے مادہ منویہ سے پانچ یا دس بچے پیدا ہوجاتے تو اسے مقدس سمجھ کر (دیوتاؤں) کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس سے کام لینا حرام سمجھا جاتا تھا۔اور علامت کے طور پر اس کا کان شگافتہ کردیا جاتا تھا۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ...الآیۃ

میں انہیں حکم دوں گا اور وہ اللہ کی پیدائشی ساخت میں ردوبدل کریں گے؟ اس سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے اس سے عام چیزوں کی پیدائش ساخت میں ردوبدل کرنا مراد لیا ہے۔بظاہر یہ مفہوم درست معلوم نہیں ہوتا ورنہ تمام انسانی تہذیب ہی اغواء ابلیس کی کارستانی نظر آئیگی۔ کیونکہ تہذیب تو نام ہی انہی تصرفات کا ہے جو ایک صناع خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی بناوٹ میں کرتا ہے۔بعض نے اس سے جانوروں کے کان کاٹنا، کسی مرد کو خصی کرنا اور اسے خواجہ سرا بنانا، عورتوں کو بانجھ بنانا اور ان کی انوثیت کو بگاڑ کر انہیں مردوں کے مشابہ بنانا، مردوں کا ڈاڑھی منڈوا کر اپنے کو عورتوں جیسا اور عورتوں کو بال کٹوا کر اپنے کو مردوں کے مشابہ بنانا وغیرہ مراد لیا ہے اور اسے تبغیر خلق اللہ کا مصداق قرار دیا ہے۔جیسا کہ شیطان کے چیلے چانٹے آج کر رہے ہیں اور بعض نے اس سے کسی چیز کا اس کے مقصد خلقت کے خلاف کسی اور مصرف میں صرف کرنا مراد لیا ہے۔جیسے قوم لوط، ضبط ولادت، رہبانیت یا سورج، دریا اور پتھر وغیرہ اشیاء جو انسان کے نفع اندوز ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ان کو اپنا معبود بنانا اور دین اسلام کا مقدس حلیہ بگاڑ نا مراد لیا ہے۔اور یہی تفسیر حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے (عیاشی، تبیان صافی، برہان)

جس کی تائید مزید اس ارشاد قدرت سے بھی ہوتی ہے''فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله''بعید نہیں ہے کہ اس تبغیر خلق اللہ کو اس عمومی معنی پر محمول کیا جائے جس میں یہ سب مفاہیم داخل ہوجائیں۔(تفسیر صافی)

پس جو شخص شیطان کو اپنا ولی و سرپرست بنائے گا وہ کھلا ہوا گھاٹا اٹھائے گا اور انجام کار سیدھا جہنم میں جائے گا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...الآیة

قبل ازیں کئی بار اس حقیقت کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں جو کہ دین فطرت ہے نجات دارین اور فلاح کونین کا دارومدار ایمان اور نیک کام پر ہے۔ اور یہ بات عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے اور اس حقیقت کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے۔ جس نے قرآن وحدیث کو پڑھا نہیں ہے اور اگر پڑھا ہے تو پھر انہیں سمجھا نہیں ہے۔

آیات القرآن

لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ
وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ
الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا
یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ
وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ
خَلِیْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ
مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَیَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ ۙ وَمَا
یُتْلٰى عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ فِیْ یَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ
لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ
تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ
عَلِیْمًا ﴿۱۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

(اے مسلمانو) نہ تمہاری تمناؤں سے کچھ ہوتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو بھی برائی کریگا۔ اس کو اس کی سزا دی جائیگی۔ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے نہ کوئی سرپرست پائے گا

اور نہ کوئی حامی ومددگار(۱۲۳)اور جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت درآنحالیکہ وہ مومن ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر تل برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(۱۲۴) اور اس شخص سے بڑھکر کس کا دین اچھا ہوگا۔ جو اللہ کے لئے اپنا چہرہ جھکا دے (اپنے کو اللہ کے سپرد کردے) اور وہ احسان کرنیوالا ہو اور اس ابراہیم حنیف کی ملت کا پیرو ہو جسے اللہ نے اپنا خلیل بنایا تھا(۱۲۵) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے(۱۲۶) اے رسول! لوگ عورتوں کے معاملہ میں آپ سے فتوی طلب کرتے ہیں کہ دیجئے! کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتوی دیتا ہے اور متوجہ کرتا ہے ان آیات کی طرف جو کلام الٰہی کے اندر ہیں اور تمہیں ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھ کر سنائی جارہی ہیں۔جن کا تم مقررہ حق تو ادا نہیں کرتے مگر چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرلو۔اور متوجہ کرتا ہے ان (آیات) کی طرف جو ان کمزور و بے بس لڑکوں کے بارے میں ہیں اور جو (آیات) اس بارے میں ہیں کہ یتیم بچوں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی کروگے تو اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے(۱۲۷)

تفسیر الآیات

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ ...الآية

جاگیر جنت صف امید و خواہش پر نہیں ملتی بلکہ ایمان و عمل پر ملتی ہے

''امانی، امنیه'' کی جمع ہے۔جس کے معنی ہیں جھوٹی امید۔تمام ادیان عالم سے تعلق رکھنے والے اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ صرف اور صرف وہی جنت الفردوس کے حقدار اور اس میں جانے کے روادار ہیں، یہود کہتے ہیں جنت میں وہ جائے گا، جو یہودی ہوگا، نصاری یہ کہتے ہیں جنت میں وہ جائے گا جو نصرانی ہوگا''لن يدخل الجنة الا من كان هودا او نصارى''ان کے بالمقابل یہود اور مجوس اپنے جنتی ہونے کا ناقوس بجا رہے ہیں اور مسلمان اپنے جنتی ہونے کا الگ ناد پھونک رہے ہیں سچ ہے کہ''كل حزب بما لديهم فرحون'' خداوند عالم سب خواب غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کی خاطر اعلان کررہا ہے کہ اے مسلمانو! تم بھی سن لو اور اے اہل کتاب! تم بھی کان کھول کر سن لو کہ جنت صرف امیدوں پر اور

خواہشوں پر نہیں ملے گی کہ جو اس کی خواہش کرے وہ اس میں داخل ہو جائے یہ تمہارے خیالات خام ہیں حقیقت حال اس طرح نہیں ہے بلکہ جنت اسے ملے گی جس کا دامن ایمان اور نیک کام کی دولت سے مالا مال ہوگا۔لہٰذا جو برائی کرے گا وہ ضرور اس کی سزا پائے گا۔اور جو کوئی مرد ہو یا زن جو بھی اچھے عمل کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ بشرطیکہ اس میں ایمان ہو کیونکہ نیک عمل کی قبولیت کی بنیادی شرط بلکہ شرط اولین ہی ایمان ہے جس کے بغیر عمل ایک ایسا بدن ہے جس میں روح نہ ہو یا ایک ایسا پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔ بلکہ سرزمین عمل کے بیج کا نام ہی ایمان ہے۔جس کے بغیر کاشت کا سب ساز وسامان از قسم ہل چلانا، آبپاشی کرنا اور نگرانی کرنا محض بے کار ہے۔ بلکہ حقیقت الامر تو یہ ہے کہ کوئی بھی عمل صالح اس وقت تک عمل صالح کہلا ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے پیچھے ایمان کا جذبہ کارفرما نہ ہو، کیونکہ ایمان ہی وہ طاقت ہے جو ہر کام واقدام کا رخ خالق دوجہاں کی طرف پھیرتی ہے اور ایک صاحب ایمان مالک کون ومکان کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لئے کام کرتا ہے۔ ورنہ اگر قوت ایمان نہ ہو تو عمل کے کئی اور بھی سفلی جذبے محرک ہو سکتے ہیں۔ جیسے عزت، شہرت اور کوئی دنیوی منفعت وغیرہ۔ظاہر ہے کہ جس کام کے محرک یہ سفلی جذبات واحساسات ہوں وہ عمل صالح کہلائے جانے کا سزاوار نہیں ہے۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ یہ مرد اور عورت کی تعمیم کے اظہار کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اسلام سے پہلے عورت کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ وہ جو چاہے کرے اسے بہشت سے کیا تعلق! اسلام نے اس نظریہ کی نفی کرتے ہوئے فرمایا، ایمان ونیک کام کی ذمہ داری مرد وعورت پر مشترکہ طور پر عائد ہوتی ہے۔اور اس کار خیر کا جوصلہ ہے یعنی بہشت وہ بھی دونوں پر مشترک ہے اور ان دونوں میں تل بھر ظلم نہ ہوگا۔ الغرض سابقہ آیت میں برے کام کرنے پر سزا اور اس آیت میں نیک کام کرنے پر جزا کا اعلان ایک بندہ مومن کیلئے رجاء وخوف کی ملی جلی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو جوہر ایمان بھی ہے اور بندہ مومن کی پہچان بھی ہے۔

تنبیہ

شیطان کی سب سے بڑی وسوسہ اندازی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو طرح طرح کی امیدوں میں مبتلا رکھتا ہے تاکہ انسان حقیقت وعمل کی جگہ محض باطل آرزوؤں کا بندہ بنا رہے اور وہ سعادت دارین کے حصول کے لئے ایمان وعمل کی راہ اختیار نہ کرے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ...الآیۃ۱۲۵

اس شخص سے بڑھ کر کس کا دین اچھا ہوگا جو اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردے؟ اور اس کے آگے سر تسلیم خم کردے اور وہ احسان کرنے والا بھی ہو اور جناب ابراہیم کی پیروی کرنے اور خودسری اور خودمختاری چھوڑ دے اور خدا کی بندگی اور اس کی اطاعت کو اپنا شیوہ وشعار بنائے

احسان کے مفہوم کی وضاحت

محسن اور نیکوکار اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو نیکیوں کو بجالائے اور برائیوں سے اپنے دامن کو بچائے اور اس کے ایک دوسرے معنی بھی حضرت رسول خداؐ سے منقول ہیں وہ یہ ہیں ''ان تعبد الله كانك تراه وان لم تراه فانه يراك'' تو اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ گویا اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو پھر یقین رکھ کہ وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے (مجمع البیان) اور وہ جناب ابراہیم حنیفؑ جن کو خدا نے اپنا خلیل بنایا کی ملت اور ان کے طریقہ پر جو کہ دین اسلام ہے پر چلنے والا ہو اپنے خودساختہ طریقہ کار پر عمل کرنے والا نہ ہو۔

حنیف کے مفہوم کی وضاحت

لفظ حنیف کی قبل ازیں سورہ بقرہ میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ حنیف اسے کہا جاتا ہے جو تمام ادیان باطلہ سے منہ موڑ کر خدا کے دین حق یعنی صراط مستقیم پر قائم ہو (مجمع البیان، تفسیر جلالین)

جناب ابراہیمؑ کے خلیل خدا ہونے کا مفہوم؟

خلیل جو خلت سے مشتق ہے اس خالص ومخلص محب ومحبوب کو کہا جاتا ہے جس کی محبت ہر قسم کی الائش ونقائص سے پاک وصاف ہو۔ کیونکہ خلۃ اس خالص اور گہری محبت کو کہا جاتا ہے جو انسانی جسم وجان میں رچ بس جائے اگر چہ ہر بندہ مومن خدا کا دوست ہوتا ہے مگر سب انبیاء ومرسلین تو اس کے خالص دوست تھے لیکن خدا نے ابراہیمؑ کو خصوصی طور پر اپنا خلیل ہونے کا لقب عطا فرمایا ہے۔ جو یقیناً ان کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

جناب ابراہیمؑ کے خلیل خدا ہونے کا سبب کیا تھا؟

اس سلسلہ میں کئی مختلف اخبار وآثار کے اندر مختلف علل واسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ا۔ آپ بڑے مہمان نواز اور مسکین پرور تھے اگر کبھی دسترخوان پر کوئی مہمان نہ آتا تو اسے ڈھونڈ کر لاتے تھے۔ اللہ کو ان کی یہ

ادا پسند آئی اور انہیں اس معزز لقب سے نوازا (مجمع البیان)

۲۔خدا کے وہ بڑے اطاعت گزار اور اخلاص شعار تھے

۳۔اللہ کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے میں بہت جلدی کرتے تھے (ایضاً)

۴۔حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے کہ خلیل (خلہ بفتح الخاء) سے مشتق ہے۔جس کے معنی فقر و حاجت کے ہیں یعنی آپ اس طرح اللہ کے محتاج تھے کہ کبھی اللہ کے سوا کسی سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔حتیٰ کہ جب ان کو آتش نمرودی میں جھونکا جا رہا تھا اور جبرئیل نے اپنے خدمات کی پیشکش کی تھی، تو جناب ابراہیمؑ نے یہ کہہ کر آپ کی پیشکش ٹھکرا دی تھی کہ ''اما الیك فلا'' محتاج ضرور ہوں مگر تمہارا نہیں (جس کا محتاج ہوں وہ خود دیکھ رہا ہے) ان کے اسی اعتماد و توکل کی بنا پر خدا نے آگ کو حکم دیا تھا کہ ''کونی بردا'' (احتجاج طبرسی)

۵۔حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ خدا نے آپ کو اس لئے خلیل بنایا تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ لوٹایا نہیں تھا اور خود کبھی اللہ کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا نہیں تھا۔(عیون الاخبار)

۶۔نیز انہی جنابؑ سے مروی ہے کہ خدا نے آپ کو زمین پر بکثرت سجدہ کرنے کی وجہ سے اس اعزاز سے معزز فرمایا تھا (علل الشرائع)

۷۔حضرت امام علی نقیؑ سے مروی ہے کہ خدا نے ان کو سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام پر بکثرت دورد پڑھنے کی وجہ سے اس ممتاز لقب سے ملقب فرمایا تھا (تفسیر صافی)

۸۔حضرت رسولؐ سے مروی ہے فرمایا ان کے مہمانوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوتے تھے اس وقت نماز پڑھنے کی وجہ سے خدا نے ان کو اس لقب جلیل سے نوازا تھا (ایضاً)

واضح رہے کہ ان علل و اسباب میں کوئی باہمی منافات نہیں لہٰذا عین ممکن ہے کہ ان تمام وجوہ و اسباب کی وجہ سے خداوند عالم نے جناب ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا ہو۔وما ذلك علی اللہ بعزیز۔امامینؑ سے مروی ہے فرمایا

''ان اللہ اتخذ ابراھیم عبدا قبل ان یتخذہ نبیا وان اللہ اتخذہ نبیا قبل ان یتخذ رسولا وان اللہ اتخذ رسولا قبل ان یتخذ خلیلا وان اللہ اتخذ خلیلا قبل ان یتخذہ اماما'' (اصول کافی)

خدا نے جناب ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے پہلے عبد خاص بنایا، رسول بنانے سے پہلے نبی بنایا، خلیل بنانے سے پہلے رسول بنایا اور امام بنانے سے پہلے خلیل بنایا

وَلِلّٰهِ مَا ...الآیۃ۱۲۶

مطلب واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد نہ کرے اور خودسری اور خودمختاری سے باز نہ آئے تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا وہ خدا کا تو کچھ بھی نقصان وزیاں نہیں کر سکتا۔ وہ تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کا مالک ومختار ہے اور ہر چیز پر محیط ہے لہٰذا یہ سرکش اس کی گرفت سے بچ کر کہاں جائے گا؟ لانہ الا مفر منه ولا مهرب!

یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ...الآیۃ۱۲۷

اسلام سے پہلے اور اوائل اسلام میں بھی عام عرب عام عورتوں اور یتیم بچیوں اور بچوں کے ساتھ بہت ہی برا اور انسانیت سوز سلوک کیا کرتے تھے نہ انہیں میراث میں سے کوئی حصہ دیتے اور حتی الامکان نہ ان سے شادی کرتے اور نہ ہی انہیں اپنے عقد ازدواج کے بارے میں کچھ اختیار دیتے اور اگر ان کے حسن وجمال یا ان کے مال ومنال کی وجہ سے ان سے نکاح کر بھی لیتے تو پھر ان کے حقوق کما حقہ ادا نہیں کرتے تھے اور یونہی ان کے مال وجمال سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور اگر بدصورت ہوتیں تو پھر نہ خود ان سے نکاح کرتے اور نہ کسی دوسرے کو کرنے دیتے۔ اسلام نے اس معاملہ میں بڑی مفید اور دوررس اصلاحات کی ہیں جن کا فی الجملہ تذکرہ اسی سورہ کے آغاز میں ہو چکا ہے۔ جیسے "واتوا الیتمی اموالهم" یتیموں کو ان کا مال دو۔ "ولا تاکلوا اموالهم" اور ان کا مال اپنے مال سے ملا کر نہ کھاؤ اور اپنے ردی مال کو ان کے عمدہ مال سے نہ بدلو۔ "وان خفتم الا تقسطوا" اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم بچیوں کے معاملہ میں انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ان سے نکاح نہ کرو۔ "واتوا النساء صدقاتهن نحلة" اور اپنی عورتوں کے حق مہر خوشی خوشی ادا کرو۔ وغیرہ وغیرہ اور بعض اصلاحات کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔

گویا یہ آیات ان سابقہ آیتوں کا تتمہ ہیں۔ انہی حقوق واصلاحات کے بارے میں لوگ مختلف سوالات کرتے تھے مگر یہاں سوال کی تصریح نہیں کی گئی۔ کہ لوگوں نے کیا سوال کیا؟ ہاں البتہ جواب سے فی الجملہ سوال کی نوعیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ بہرحال نئے سوال وجواب سے پہلے ایک بار پھر پروردگار عالم مسلمانوں کو ان احکام خداوندی کی پابندی کرنے کی تاکید کر رہا ہے جو اس نے یتیم لڑکیوں اور لڑکوں کے بارے میں اس سورہ کی ابتداء میں بیان کئے ہیں۔ اور ان حقوق کی ادائیگی میں سہل انگیزی سے کام نہ لینے کا حکم دے رہا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ خالق کون ومکاں کی نگاہ اقدس میں یتیموں کے حقوق کا مسئلہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے اور ان کے حقوق پائمال کرنے کے نتائج کس قدر سنگین ہو سکتے ہیں؟ خلاصہ کلام یہ کہ خدائے علیم وحکیم ان حقوق کے

پائمال کرنے والوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم جوان یتیم بچیوں کا وہ حق مہر جو مقرر کیا گیا ہے وہ تو دیتے نہیں ہو؟ اور چاہتے یہ ہو کہ ان سے نکاح کرلو۔ اور زر مہر اور نان ونفقہ ادا کئے بغیر ان کے مال و جمال سے فائدہ اٹھاؤ۔ خبردار کمزور اور بے بس بچوں کے بارے میں عدل وانصاف پر قائم رہو۔ اور یاد رکھو کہ تم جو بھی بھلائی کرتے ہو۔ اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ لہٰذا وہ ضرور تمہیں اس کا پورا پورا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ ''فان الله لا يضيع اجر المحسنين'' مخفی نہ رہے کہ آیت نمبر ۱۲۷ میں جو'' ترغبون ان تنكحوهن '' آیا ہے اس کے معنی میں مفسرین نے فی الجملہ اختلاف کیا ہے کہ آیا اس کے معنی یہ ہیں کہ تم چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرو یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ان سے نکاح نہیں کرنا چاہتے؟ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''رغب'' عربی میں اضداد میں سے ہے۔ اگر اس کا صلہ ''في '' کیساتھ ہو جیسے ''رغب فيه'' تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز میں رغبت کرنا اور اگر اس کا صلہ ''عن '' کے ساتھ ہو جیسے ''رغب عنه'' تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز سے روگردانی کرنا۔ یہاں نہ فی ہے اور نہ عن اسلئے اختلاف رونما ہوا ہے والاول اوفق۔ اسی لئے ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ والله الموفق۔

آیات القرآن

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ
اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ
الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾
وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا
كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا

حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ
قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر کوئی عورت اپنی شوہر سے حق تلفی یا بے توجہی محسوس کرے تو ان دونوں کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ (کچھ لو کچھ دو کی بنیاد پر) آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہر حال بہتر ہے اور نفوس میں بخل موجود رہتا ہے (تنگ دلی پر آمادہ رہتے ہیں) اور اگر تم بھلائی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک اللہ تمہارے اس طرز عمل سے باخبر ہے (۱۲۸) یہ ٹھیک ہے کہ تم جس قدر چاہو مگر بیویوں میں پورا پورا عدل نہیں کر سکتے۔ مگر بالکل تو ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ (دوسری کو) بیچوں بیچ لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ اور اگر تم اپنی اصلاح کر لو اور تقویٰ اختیار کرو تو خدا بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان ہے (۱۲۹) اور اگر دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے فضل و کرم کی وسعت سے بے نیاز کر دے گا۔ اور اللہ بڑی وسعت والا بڑا حکمت والا ہے (۱۳۰) اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور ہم نے ان لوگوں کو بھی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور تمہیں بھی ہدایت کی ہے کہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے اللہ بڑا بے نیاز ہے حمد و ثناء کا حقدار ہے (۱۳۱) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کا ہے اور اللہ کارسازی کے لئے کافی ہے (۱۳۲) اے لوگو! اگر وہ چاہے، تو تم سب کو لے جائے (ختم کر دے) اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے (۱۳۳) جو شخص صرف دنیاوی صلہ وثواب کا طلبگار ہو (تو اس کی مرضی ورنہ) اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت دونوں کا صلہ وثواب ہے اور اللہ بڑا سننے والا بڑا دیکھنے والا ہے (۱۳۴)۔

تفسیر الآیات

وَاِنِ امْرَاَةٌ...الآیۃ ۱۲۷

ناشزہ کا لفظ عموماً اس عورت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے شوہر کے واجبی حقوق ادا نہ کرے۔اس سے وہ ناشزہ (نافرمان) قرار پاتی ہے اور پھر شوہر سے نان ونفقہ حاصل کرنے کی حقدار نہیں رہتی مگر قرآن نے شوہر کے لئے ''نشوز'' کا لفظ استعمال کرکے یہ بات واضح کی ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کے واجبی حقوق از قسم نان ونفقہ اور ازدواجی تعلقات وغیرہ ادا نہ کرے تو وہ بھی ''ناشز'' قرار پاتا ہے۔

''فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما'' ان کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ آپس میں صلح کرلیں اس حکم میں ''فلا جناح'' کی وہی حیثیت ہے جو ''فلا جناح ان یطوف بھما'' ''لا جناح علیکم ان تقصروا من الصلوۃ'' میں ہے کہ جو حج بیت اللہ کرے، اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ صفا ومروہ کے درمیان سات چکر لگائے'' جبکہ یہ طواف (سعی) واجب ہے اور مسافر کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ نماز قصر کرے۔ حالانکہ قصر کرنا واجب ہے۔تو بالکل اسی طرح اگر میاں بیوی میں نزاع ہوجائے اور شوہر سے حق تلفی وبے اتفاقی کا اندیشہ دامن گیر ہوجائے ،تو ان کے لئے صلح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اسکا مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے کچھ لو اور کچھ دو کے اصول کی بنا پر باہمی صلح وصفائی کرنا واجب ہے کیونکہ بموجب ارشاد قدرت ''الصلح خیر ''۔صلح بہرحال بہتر ہے۔کیونکہ۔　　　ع

در عفو لذتے است کہ در انتقام نیست

اس آیت کی تفسیر حضرت امام رضاؑ سے یوں مروی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے اور جب عورت کو اس کا علم ہوتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تو مجھے طلاق نہ دے اور مجھے شریکوں کی شماتت سے بچا اور اس کے عوض میں تجھے اپنے حقوق معاف کرتی ہوں اگر اس قسم کے شرائط پر میاں بیوی صلح کرلیں تو یہ جائز ہے (تفسیر عیاشی، برہان وغیرہ)

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ...الآیۃ ۱۲۷

شح کا مفہوم

حرص وآز تمام نفوس کے سامنے ہمیشہ حاضر رہتا ہے۔وہ حرص ولالچ جس میں بخل کی بھی آمیزش ہو

اسے عربی زبان میں ''شح'' کہا جاتا ہے۔لہٰذا یہ وہ صفت رذیلہ ہے جس میں بخل اور حرص ہر دو کی رذالتیں یکجا جمع ہیں۔بخل درحقیقت ان قلبی بیماریوں میں سے ہے جو اعمال کی جزا و سزا پر یقین نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں اسلئے بخیل اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔بخل کا انجام جہنم ہے بنابریں ظاہر ہے کہ جو شح کی پیروی کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔''ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون'' اور جو شخص اپنے نفس کے حرص و بخل سے بچایا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں۔یہاں متعلقہ مسئلہ میں ''شح'' سے مراد یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی بھی خودغرض اور مفاد پرستی سے خالی نہیں ہے اور کوئی فریق بھی اپنے فائدہ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ اپنا فائدہ تلاش کرتا ہے وہ اپنا نہ بیوی اپنا حق معاف کرنے پر آمادہ ہے اور نہ شوہر اسے رکھنے اور اس کے حقوق ادا کرنے پر تیار۔مگر مصالحت جہاں کچھ لینا پڑتا ہے۔وہاں کچھ دینا بھی پڑتا ہے۔چنانچہ صلح ہمیشہ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر ہوتی ہے۔لہٰذا جب کچھ حقوق بیوی چھوڑ دے گی اور کچھ حقوق شوہر ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے گا تو مصالحت کی کوئی سبیل پیدا ہو جائیگی۔اور جب خاوند حسن سلوک کا مظاہرہ کرے گا اور پرہیزگاری اختیار کرے گا، تو یقیناً اصلاح احوال ہو جائیگی۔ان شاء الله تعالی۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا...الآية۱۲۹

عدل کی دو قسمیں ہیں ایک ممکن ہے اور دوسری ناممکن

قدیم الایام سے مخالفین اسلام یہاں یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس سورہ کے آغاز میں خدا فرماتا ہے کہ تم بے شک دو دو تین تین اور چار چار پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرو۔بشرطیکہ ان میں عدل کرو۔اور اگر اندیشہ ہو کہ عدل نہیں کرو گے تو پھر ایک بیوی پر اکتفا کرو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر عدل کر سکتے ہیں مگر یہاں اللہ کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ خاوند جس قدر حرص کریں وہ عدل کر سکتے ہی نہیں ہیں۔اس طرح قرآن میں اختلاف ہو جائے گا حالانکہ خداوند نے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی ایک دلیل ہی یہ پیش کی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے ''ولوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا'' تو اس ایراد کا جواب یہ ہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں۔ایک ممکن اور دوسری ناممکن اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو اس کے لئے ایک عدل تو ممکن ہے اور وہ ہے ازدواجی حقوق کی مساوی طور پر ادائیگی جیسے راتوں کی تقسیم، نان ونفقہ کی ادائیگی اور اس میں بھی مساوات و یکسانیت کہ روٹی ایک ہی قسم کی ہو اور کپڑا بھی ایک ہی قسم کا۔یہی وہ عدل ہے جو ایک سے زائد عقد وازدواج کے جواز کے لئے ضروری ہے اور یہ ممکن ہے اور وہ عدل جو ناممکن ہے وہ

ہے قلبی محبت اور دلی لگاؤ میں یکسانی۔ جو بیویوں کی عقل وشکل، سیرت وصورت، صحت ومرض، عمل وکردار اور روش ورفتار کے اختلاف وتفاوت کی وجہ سے قلبی میلان اور طبعی رجحان کا اختلاف تو ایک فطری چیز ہے۔ کہ ایک طرف رغبت زیادہ ہوگی اور دوسری طرف کم۔ جس پر کسی طرح بھی قابو نہیں پایا جاسکتا۔ خالق فطرت نے یہاں اسی فطری تفاوت کا تذکرہ کیا ہے کہ اگرچہ تم بڑی خواہش بھی کرو۔ مگر تم اس قسم کا عدل نہیں کر سکتے پس یہ عدل ممکن نہیں ہے تو پھر یہ شرعاً واجب بھی نہیں ہے بنا بریں بعض تجدد پسند لوگوں کا پہلی آیت کے حکم کے ڈانڈے اس آیت سے ملانا اور یہ کہنا کہ تعدد ازدواج کا جواز عدل سے مشروط ہے اور عدل ناممکن ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ پس اسلام میں تعدد ازواج جائز نہیں ہے۔ یہ استنتاج واستنباط بالکل غلط ہے بلکہ یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ جو عدل تعدد ازواج کے لئے لازمی ہے وہ اور ہے اور وہ ممکن ہے اور جو عدل ناممکن ہے وہ اور ہے اور یہ تعدد ازواج کی شرط نہیں ہے۔ بہرحال خداوند حکیم یہاں یہ حکم دے رہا ہے کہ قلبی محبت اور دلی لگاؤ میں یکسانی تو تمہارے لئے ممکن نہیں ہے تو پھر ایسا تو نہ کرو۔ کہ بالکل ایک طرف یعنی پسندیدہ بیوی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری یعنی ناپسندیدہ کو درمیان میں لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ اور اس کے ظاہری حقوق زوجیت اس طرح پائمال کردو کہ وہ یوں معلق ہوکر رہ جائے کہ اپنے کو شوہر دار محسوس کرے اور نہ غیر شوہر دار؟ یہی وہ تفسیر ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابوجعفر احول (مومن طاق) کے سوال پر بیان فرمائی ہے۔ جب کہ ابوجعفر کے سامنے ایک دھریہ نے ان دو آیتوں کو پیش کر کے تضاد کا الزام لگایا تھا۔ اور امام نے اس طرح اس کا ازالہ فرمایا تھا۔ (تفسیر قمی ومجمع البیان)

مروی ہے کہ حضرت امیرؑ کی دو بیویاں تھیں جس دن ایک بیوی کی باری ہوتی تھی تو آپ دوسری کے گھر میں وضو بھی نہیں کرتے تھے (مجمع البیان)

وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا...الآية

اس آیت میں خدائے رحیم وکریم باہمی نزاع کرنے والے میاں بیوی کو تسلی دے رہا ہے کہ اگر صلح وصفائی کی ہر کوشش وکاوش ناکام ہوجائے اور اب طلاق وجدائی کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آئے۔ تو پھر وہ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ وہ قادر مطلق ایسے حالات واسباب پیدا فرما دے گا کہ دونوں مطمئن ہوجائیں گے۔ خاوند کو اپنی پسند کی بیوی مل جائیگی اور بیوی کو اپنی پسند کا خاوند مل جائے گا۔ جس سے دونوں کی زندگی خوشگوار ہوجائیگی۔ اور سابقہ زحمت وکلفت دور وکافور ہوجائیگی۔ وما ذالك على الله بعزيز۔ کیونکہ وہ بڑی وسعت والا اور حکمت والا ہے اور آسمان وزمین کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ ذلک اللہ رب العالمین۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ...الآية ١٣٠

تمام انبیاء ومرسلین کی تعلیمات کا حاصل تقویٰ ہے۔

اس آیت مبارکہ میں خدائے علیم وحکیم اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ اس نے مختلف ادوار واعصار میں مختلف انبیاء ومرسلین پر جو کتابیں نازل فرمائیں ان میں بھی تمام امتوں کو تقویٰ وخداترسی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنابریں یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اگر ہم تمام انبیاء ومرسلین کی تعلیمات کا بالعموم اور سرکار خاتم النبین کی تمام تعلیمات کا بالخصوص خلاصہ صرف ایک لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو ہم اس کو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں۔ اسلام کی ہر تعلیم اور اس کی ہر عبادت اور اس کے ہر امر ونہی کا مقصد اقصیٰ لوگوں میں تقویٰ کی روح کو بیدار کرنا ہے پورے دین کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ اگر آدمی کے اندر خوف وخشیت الٰہی پیدا ہوجائے تو اس سے ظاہر وباطن کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ کیونکہ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو ہمیشہ خدا کے حاضر وناظر اور قادر ہونے پر یقین پیدا کر کے دل میں خیر وشر کی تمیز اور پھر خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے اور اس کی ظاہری پہچان یہ ہے کہ واجبات کو ادا کیا جائے اور محرمات سے اجتناب کیا جائے الغرض تقویٰ آدمی کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کی محرک ہے اور سارے عبادات کی جان ہے اور دینداری کی روح رواں ہے۔

وَإِنْ تَكْفُرُوْا...الآية ١٣٠

مطلب یہ ہے کہ اس تقویٰ وخداترسی اختیار کرنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ خدا کا کوئی مفاد نہیں ہے اور اگر تم تقویٰ وبندگی کی بجائے کفر اختیار کرو تو خدا کا کیا بگاڑ لوگے؟ وہ تو مطلق بے نیاز ہے وہ تمہارے ایمان وعمل کا محتاج نہیں ہے۔

إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ...الآية ١٣٣

آئین قدرت ہے کہ وہ نافرمان قوموں کو ہٹا کر فرماں بردار قوموں کو لاتا ہے

خداوند عالم جہاں قادر وقدیر ہے وہاں عالم وخبیر بھی ہے۔ وہ جو کام بھی اپنی قدرت کاملہ سے کرتا ہے وہ حکمت ومصلحت کے تحت کرتا ہے وہ نہ بلا وجہ کچھ بناتا ہے اور نہ بلا سبب کچھ بگاڑتا ہے اس نے اپنی حکمت بالغہ

سے اس عالم کی ہر ہر چیز کو علل واسباب کی مختلف کڑیوں کے ساتھ جکڑ رکھا ہے۔ انہی علل واسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو قوم خدا کی اطاعت کرتی ہے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی ہے اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارتی ہے وہ اسے عزت وعظمت اور بقائے دوام کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے اور جو قوم اس کی اطاعت سے سرتابی کرتی ہے کفران نعمت کرتی ہے اور شیطانی احکام کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے آخر کار خدا اسے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ اور اس کی جگہ کسی اچھی قوم کو لا کھڑا کرتا ہے جیسا کہ وہ پہلے کئی امتوں کے ساتھ ایسا سلوک کر چکا ہے جنہوں نے بغاوت وسرکشی کا راستہ اختیار کیا تھا۔ بنابریں خداوند جبار اس آیت میں عام لوگوں کو دھمکی دے رہا ہے کہ اگر تم نے دین چھوڑ دیا تو کیا دین ختم ہوجائے گا؟ تم نے اس کی اطاعت نہ کی تو کیا اس کی شان گھٹ جائیگی؟ یا اگر تم نہ رہے تو دنیا کی چمک ودمک اور اس کی رونق ختم ہوجائیگی؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اگر تم نے دین کا دامن تھاما خدا ورسول کی اطاعت کی تو اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے خدا کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر اس اصول کی خلاف ورزی کی تو پھر کیا ہوگا؟ خدائے جبار وقہار تمہیں ہٹا کر اور تمہیں مٹا کر کسی دوسری قوم کو لائے گا اور اسے سربلندی اور کرامت کی نعمت سے سرفراز کریگا۔ وکان اللہ علی ذلک قدیرا۔

مَن كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا ...الآية

دعا واستدعا کرنے والوں کے مختلف اقسام؟

قبل ازیں ربنا آتنا کی تفسیر میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ دعا واستدعا کرنے والے لوگ مختلف ہوتے ہیں اور اپنے ظرف کی وسعت اور نگاہ کی بلندی یا اپنی کم ظرفی وکوتاہ نظری کے مطابق سوال کرتے ہیں لہٰذا جو بڑے بالغ النظر ہوتے ہیں وہ دنیا وآخرت کی فوز وفلاح اور ان کی بے پایاں نعمتیں طلب کرتے ہیں اور جوان سے کم ہمت ہوتے ہیں وہ صرف آخرت کی نعمتیں مانگتے ہیں اور جو بالکل ہی کوتاہ اندیش اور بے حوصلہ ہوتے ہیں وہ خدا سے صرف دنیا کی دولت، دنیا کی شہرت اور دنیا کے چندروزہ جاہ وجلال اور اس کے عارضی مال ومنال کا سوال کرتے ہیں۔ بہر حال خداوند جلیل ان کوتاہ ہمت اور پست حوصلہ لوگوں سے فرمارہا ہے کہ جو شخص (اپنی کوتاہ نظری سے) صرف دنیا کا صلہ وثواب چاہتا ہے تو خدا اسے وہی دے گا ورنہ اس قادر وقیوم اور رحیم وکریم خدا کے پاس تو دنیا وآخرت کا صلہ وثواب موجود ہے۔

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی تھا

سچ ہے کہ

بقدر الکد تنقسم المعالی
یغوص البحر من طلب اللئالی

اس سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ آخر بہت سے کافروں اور اللہ کے نافرمان بندوں کو اس دنیا کی نعمتیں کیوں بہت زیادہ ملی ہوئی ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ آخرت کا تصور ہی نہیں رکھتے لہٰذا ان کو جو کچھ ملنا تھا وہ اسی دنیا میں مل گیا ہے۔ اب آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ لیکن اہل ایمان کا نصب العین ہی دنیا سے زیادہ اخرت ہے لہٰذا دنیاوی زندگی ان کی اکثر تکالیف میں بسر ہو تو انہیں اس کا غم نہیں ہونا چاہیے جبکہ آخرت کی منزل میں جو ان کا اصل نصب العین ہے انہیں کامیابی نصیب ہو۔ (فصل الخطاب)

آیات القرآن

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى
اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ
اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ
مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ
اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا
لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! مضبوطی کے ساتھ انصاف کے علمبردار ہو جاؤ۔ اور محض اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو خواہ تمہیں اپنے یا اپنے والدین کے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی گواہی دینا پڑے۔ وہ (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) چاہے امیر ہو چاہے فقیر ہو بہر حال اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے پس اس طرح خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم نے ہیر پھیر کیا یا (حق سے) منہ موڑا تو بے شک جو کہ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے (۱۳۵) اے ایمان والو! اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری ہے اور جو کوئی اللہ کا اس کے فرشتوں کا اس کی کتابوں کا اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے وہ گمراہ ہوا اور اس میں بہت دور نکل گیا (۱۳۶) جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے گئے اللہ ہرگز نہ ان کی مغفرت فرمائے گا اور نہ انہیں سیدھی راہ تک پہنچائے گا (۱۳۷)

تفسیر الآیات

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآیۃ ۱۳۵

عدل و انصاف کرنا اور سچی گواہی دینا واجب ہے

قوام مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ بڑی مضبوطی کے ساتھ عدل و انصاف کے علمبردار بنو اور محض خدا کے واسطے اس طرح گواہ بنو کہ اپنے اور بیگانے میں تفریق نہ کرو۔ اور امیر و فقیر میں تمیز نہ کرو۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا مومن کے مومن پر سات حق ہیں اور سب سے زیادہ لازمی حق یہ ہے کہ وہ حق بات کہے خواہ خود اس کے یا اس کے والدین کے خلاف ہو الغرض کسی کی خاطر حق سے عدول نہ کرے (تفسیر قمی وعیاشی)

غرضیکہ تمہاری گواہی صرف خدا کے لئے ہونی چاہیے اور اس میں کسی کی غلط رو رعایت نہیں کرنی چاہیے

اورنہ ہی اس میں اپنے ذاتی مفادکا کوئی دخل رل ہونا چاہیے۔فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یاغریب ونادار،کوئی اجنبی ہو یا قریبی رشتہ دار عموماً یہی وہ امور ہیں جوایک انسان کو سچی گواہی دینے سے مانع ہوتے ہیں۔خالق اکبرایک مسلمان گواہ کو یہ تاکید فرمارہا ہے کہ عدالت میں کھڑے ہوکران تمام جذبات اوراحساسات کودل ودماغ سے نکال دے اورمحض خداواسطےاوراس کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کی خاطر،مظلوم کی دادرسی اوراسے اس کا حق دلوانے کی خاطرسچی گواہی دے۔کیونکہ تم اہل ایمان ہو۔عدل اسلامی کےعلمبردار ہواورتم شہداللہ(اللہ کے لئے گواہ) ہو۔اسی بناء پرفقہاء کااتفاق ہے کہ سچی گواہی دیناواجب ہےاورگواہی کا چھپانا حرام ہےاورگناہ کبیرہ ہے۔ارشادقدرت ہے''وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ''(معارج...... ۳۳) مومن اپنی شہادتوں پرقائم رہتے ہیں۔دنیا کا کوئی خوف وڈر یاطمع ولالچ انہیں ادائے شہادت سے روک نہیں سکتا۔کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ''ومن یکتمها فانه اثم قلبه''جوشہادت کو چھپائے گااس کا دل گنہگار سمجھا جائے گا۔ایسا ہی خدائے حکیم نے سورہ انعام میں حکم دیا ہے''وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا''(انعام...... ۱۵۲)جب بولوتوانصاف کرو۔اگرچہ فریق معاملہ قریبی رشتہ دار ہواوراللہ کےعہدو پیمان کا پاس کرو۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دین ودیانت ہرچیز پرمقدم ہے۔لہٰذا جب کبھی شخصی اوردینی مفاد میں تصادم ہوتو ہماراقومی وملی فریضہ ہے کہ ہم دین کوترجیح دیں اگرچہ اس میں نہ صرف ہمارے مال کا بلکہ جان کا بھی نقصان کیوں نہ ہوجیسا کہ سرکار سیدالشہداءاورخامس آل عباعلیہ افضل التحیہ والثناء نے میدان کربلا میں اس کی عملی مثال پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ۔

جان دی ،دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى...الآية ۱۳۴

سورہ مائدہ اورحدید کی بعض آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خدا کے انبیاء ومرسلین پرکتابیں نازل کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ دنیا میں عدل وانصاف قائم کیا جائے۔ارشادرب العزت ہے''لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ''(حدید آیت۔۲۵)ہم نے اپنے رسولوں کوآیات بینات دے کربھیجا اوران پرکتاب ومیزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پرقائم رہیں۔خداوندعالم سورہ مائدہ میں سورۃ النساء جیسا حکم دینے کے بعد کہ(کونوا قوامین شھداء بالقسط)فرماتا ہے۔ولا یجر منکم شنان قوم علی الاتعدلوا اعدلو هواقرب

للتقوی ''(تمہیں کسی قوم سے ذاتی عداوت اس سے انصاف نہ کرنے پر آمادہ نہ کرے۔انصاف کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام بالاتفاق لکھتے ہیں کہ نظام عدل قائم کرنا ہر حکومت کا فرض اولین ہے کیونکہ ''یبقی الملك مع الكفر ولا يبقى مع الظلم ''ملک کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا۔ بلکہ ہر مکلف کا فرض ہے کہ وہ انصاف کرے اور دوسروں کو اس کی رغبت دلائے اسی لئے خداوند عالم نے اس آیت میں مسلمانوں کو عدل وانصاف کرنے اور سچی گواہی دینے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور اس سلسلہ میں جو چیزیں مانع ہوسکتی تھیں ان موانع کو دور کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اگر خواہش نفس کی پیروی کی یا ہیر پھیر کیا یا حق سے منہ موڑا تو یاد رکھو اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔وہ ضرور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزاوسزا دے گا۔اس کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے فرمایا کہ ہیر پھیر سے گواہی کا تبدیل کرنا اور منہ موڑنے سے گواہی کا چھپانا مراد ہے۔بہر حال یہ حقیقت طے شدہ ہے کہ عدل وانصاف جب ہی قائم ہوسکتا ہے اور عدالت میں سچی گواہی جب ہی دی جاسکتی ہے کہ جب آدمی کے دل میں خوف خدا ہو اور جزاوسزا پر کامل ایمان ہو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآية

اس آیت میں خدائے بزرگ وبرتر نے ایمان لانے والوں کو ایمان لانے کا حکم دیا؟ یعنی چہ؟ جب کہ تحصیل حاصل محال ہے! تو پھر اہل ایمان کو ایمان لانے کا حکم دینے کا کیا مطلب ہے؟ اس سوال کا جواب مفسرین اسلام نے یہ دیا ہے کہ خدائے حکیم ایمان کے ان دعویداروں کو حکم دے رہا ہے جو زبان وکلام سے ایمان لانے کا دعوی کرتے ہیں مگر قلبی تصدیق اور اپنے عمل وکردار سے اس کا ثبوت فراہم نہیں کرتے۔فرماتا ہے اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو، اپنے دل ودماغ اور عمل وکردار سے بھی ایمان لاؤ (تفسیر صافی)

اور اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ بعض لوگ شرک والحاد کو ترک کرتے ہیں اور خدا پر ایمان لاتے ہیں مگر نبیوں پر اور آسمانی کتابوں پر ایمان نہیں لاتے اور کچھ لوگ بعض انبیاء اور بعض کتابوں پر تو ایمان لاتے ہیں مگر دوسرے بعض پر نہیں لاتے یا باقی سب چیزوں پر ایمان لاتے ہیں مگر فرشتوں پر اور قیامت پر نہیں لاتے، اس آیت مبارکہ میں خداوند علیم وحکیم نے ان تمام ارکان ایمان کا تذکرہ فرمادیا ہے جن پر ایک مومن کو ایمان لانا چاہیے تو اس طرح اس ارشاد خداوندی، کا مطلب یہ ہوگا کہ اے وہ لوگو جو شرک والحاد کو ترک کر کے خدا پر ایمان لائے ہو حقیقی معنوں میں ایمان لاؤ۔یعنی خدا پر اس کے (آخری) رسول پر اس کی کتاب (قرآن مجید) پر ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ اور جس شخص نے ان ارکان کا انکار

کیا وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا (تفسیر کاشف)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآیۃ

اس آیت میں خدائے علیم نے کچھ ایسے لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو کبھی اسلام لاتے ہیں اور کبھی کفر اختیار کرتے ہیں یعنی اسلام کی کامیابی کے آثار دیکھتے ہیں تو اسلام لاتے ہیں اور پھر تلبیس ابلیس کا شکار ہو کر کافر بن جاتے ہیں اور اسی کشمکش اور ادھیڑ پن میں رہتے ہیں اور بالآخر کفر میں راسخ ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کی اللہ ہرگز مغفرت نہیں فرمائیگا۔ کیونکہ ان کا یہ جرم شنیع نا قابل معافی ہے۔ بظاہر ان لوگوں سے مراد منافقین کی وہ جماعت ہے جو ہمیشہ ایمان وکفر کی دوعملی میں رہی اور انجام کار بالکل مرتد ہو گئی جس کا ذکر پہلے ہوا اور بعد میں بھی جاری ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلے زبان سے ایمان کا اظہار کیا پھر دل سے کفر اختیار کیا پھر کبھی رسولؐ کے اخلاق عالیہ اور معجزات دیکھ کر مائل بایمان ہوئے۔ پھر شیطان یا شیطان صفت انسانوں نے ورغلایا اور کافر ہو گئے اور کفر میں سخت ہو گئے تو ایسے لوگ جنہوں نے دین کو ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی بنایا ہوا ہے یا ایسا کھلونا بنایا ہوا ہے جس سے کھیلتے رہتے ہیں اس پر خدا فرماتا ہے اللہ کبھی ایسے لوگوں کو نہیں بخشے گا اور نہ ہی انہیں سیدھی راہ تک پہنچائے گا (تفسیر تبیان)

بروایت ابوبصیر امامینؑ میں سے ایک امام سے اس آیت کی یوں تفسیر مروی ہے فرمایا۔ "من زعم ان الخمر حرام ثم شربها ومن زعم ان الزنا حرام ثم زنی ومن زعم ان الزكوة حق ولم يودها" جو یہ اعتقاد رکھے کہ شراب حرام ہے اور پھر خود پئے، جو عقیدہ رکھے کہ زنا حرام ہے پھر خود زنا کرے اور جو یہ ایمان رکھے زکوۃ واجب ہے پھر خود ادا نہ کرے یعنی جس کے قول وفعل میں تضاد ہو۔

آیات القرآن

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۟ۙ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ

جَهَنَّمَ جَمِيۡعَا ۱۴۰ الَّذِيۡنَ يَتَرَبَّصُوۡنَ بِكُمۡ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَـكُمۡ فَتۡحٌ مِّنَ
اللّٰهِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ نَكُنۡ مَّعَكُمۡ ۖ وَاِنۡ كَانَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ نَصِيۡبٌ ۙ قَالُوۡۤا
اَلَمۡ نَسۡتَحۡوِذۡ عَلَيۡكُمۡ وَنَمۡنَعۡكُمۡ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحۡكُمُ
بَيۡنَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلَنۡ يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ
سَبِيۡلًا ۱۴۱ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمۡ ۚ وَاِذَا قَامُوۡۤا
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوۡا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ اِلَّا
قَلِيۡلًا ۱۴۲ مُّذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ ؕ وَمَنۡ
يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ۱۴۳

ترجمۃ الآیات

منافقوں کو سنا دیجئے! کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے (۱۳۸) وہ (منافق) جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے (اسکے اختیار میں ہے) (۱۳۹) اور اس نے کتاب (قرآن) میں تم پر یہ حکم نازل کر دیا ہے کہ جب سنو کہ (کسی جگہ) آیات الٰہیہ کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں (ورنہ) اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ بے شک خدا سب منافقوں اور سب کافروں کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے (۱۴۰) یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے (انجام) کے منتظر رہتے ہیں۔ پھر اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح وفیروزی حاصل ہوگئی تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو (فتح کا) کچھ حصہ مل گیا تو (کافروں سے) کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے؟ اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟ اب اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کریگا۔ اور اللہ کبھی کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا کوئی راستہ نہیں رکھے

گا(۱۴۱) منافق (بزعم خود) خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے (انہیں ان کی دھوکہ بازی کی سزا دینے والا ہے) اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بے دلی اور کاہلی کے ساتھ وہ بھی خلوص نیت سے نہیں بلکہ محض لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا (۱۴۲) وہ (کفر و اسلام کے) درمیان ڈانواں ڈول ہیں نہ پورے اس طرف نہ پورے اس کی طرف جسے اللہ بھٹکنے دے (اس کی کج رفتاری کی وجہ سے توفیق ہدایت سلب کرلے) تو اس کے لئے ہدایت کا کوئی راستہ نہیں پائے گا (۱۴۳)

تفسیر الآیات

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ...الآیۃ۱۳۸

بشارت کے معنی کی تحقیق

بشارت کا لفظ عام طور پر خوشخبری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔تو اس بنا پر دردناک عذاب کی خبر کو بشارت کہنا بطور طنز و تشنیع ہوسکتا ہے اور بشارت کے دوسرے معنی ہر ایسی اچھی یا بری خبر کے بھی ہیں جس کا اثر لینے والے کے چہرہ سے ظاہر ہو۔چنانچہ مفسر قرطبی نے لکھا ہے "التبشير الاخبار بما يظهر اثره على البشرة" (قرطبی)۔

بہر حال خداوند قہار ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر سنا رہا ہے جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست بناتے ہیں۔چونکہ منافقوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے پاس فقر و فلاکت، غربت و مسکنت اور مجبوری و مقہوری کے سوا اور کیا رکھا ہے؟ مال و دولت ہے تو کفار کے پاس، شوکت و تمکنت ہے تو مشرکین کے پاس، اور عزت و عظمت ہے تو ان کے پاس اسی لئے خداوند عالم ان سے پوچھ رہا ہے کہ آیا وہ یہ سب کچھ عزت کی تلاش میں کر رہے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر عزت تو ساری کی ساری خدا کے لئے ہے یا اس کے رسولؐ کے لئے ہے یا پھر کامل الایمان مومنین کے لئے ہے۔قل لله العزة ولرسوله وللمومنين ولكن المنافقين لايعلمون" (المنافقون) عزت تو بس خدا کے لئے ہے یا اس کے رسول کے لئے یا پھر اہل ایمان کے لئے ہے مگر منافق اس حقیقت کو جانتے نہیں ہیں۔ان حقائق سے واضح ہوجاتا ہے کہ عزت کا حقیقی مالک و متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت کا کچھ حصہ عطا کر دیتا ہے اور وہ انبیاء و مرسلین اور مومنین کاملین ہیں

لہٰذا عزت خدا سے طلب کرنی چاہیے اور اسی کے پاس تلاش کرنی چاہیے نہ کہ کسی اور کے پاس۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ ...الآیۃ

اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مکہ میں کچھ مسلمان یہود کے پاس جا کر بیٹھتے تھے اور وہ اسلام، قرآن اور پیغمبرؐ اسلام کی مذمت کرتے تھے۔ تو خداوند عالم نے ان لوگوں کو یہود کے پاس بیٹھنے سے یوں منع فرمادیا'' وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ''(انعام آیت۔۶۸) جب دیکھو کہ کچھ لوگ ہماری آیات کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں تو ان سے روگردانی کرو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ یہ حکم تو سورہ انعام میں ہے جو سورہ نساء سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ یہ اس بات کا ایک شاہد ہے کہ موجودہ ترتیب قرآن تنزیل کے مطابق نہیں ہے اور جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں بھی یہود و منافقین موجود تھے۔ تو بعض مسلمان حسب سابق ان لوگوں کے پاس آتے جاتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے اس لئے خداوند عالم نے سابقہ حکم کی تجدید کرتے ہوئے فرمایا'' اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ''(نساء آیت۔۱۴۰) جب سنو کہ کسی جگہ آیات الٰہیہ کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے(مجمع البیان، تفسیر کاشف)

غلط محافل میں شرکت کرنا حرام ہے

بموجب المورد لا یخصص الوارد۔ یہ بات صرف مکہ و مدینہ کے مسلمانوں اور مکہ و مدینہ کے منافقین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جب اور جہاں بھی یہ صورت حال پیش آجائے کہ دین اور اس کے مقدسات، دین اور اس کے احکام، دین اور اس کے مسائل حلال و حرام دین اور اس کے عقائد حقہ دین اور حقیقی علماء دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اور بدعات کو پھیلایا جا رہا ہو۔ غلط عقائد کی نشر و اشاعت کی جا رہی ہو۔ باطل و بدعملی کی ترویج کی جا رہی ہو تفسیر بالرائے کی جا رہی ہو۔ غنا و موسیقی کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور خدا و معصومین علیہم السلام پر افتراء پردازی کی جا رہی ہو۔ تو اہل ایمان پر ایسی مجالس و محافل میں شرکت کرنا اور ان میں بیٹھنا حرام ہے اور اگر بالفرض شرکت کریں تو ان پر بطور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسے لوگوں کو اس روش و رفتار پر روکنا ٹوکنا واجب ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے، یعنی اگر وہ ایسی محفل میں شریک ہوں گے اور فریضہ امر و نہی ادا نہیں کریں گے تو پھر بنص

قرآن یہ لوگ بھی ان لوگوں جیسے سمجھے جائیں گے کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ ''من رضی بفعل قوم فھو منھم'' (حدیث نبوی)

جو شخص کسی قوم کے کسی فعل پر راضی ہو وہ اسی قوم میں سے شمار ہوتا ہے جو کفر پر راضی ہوگا وہ کافر متصور ہوگا اور جو گناہ وعصیان پر راضی ہوگا وہ گنہگار سمجھا جائے گا۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ الراضی بفعل قوم کالداخل فیہ وعلی کل داخل اثمان اثم العمل بہ و اثم الرضا بہ'' جو شخص کسی قوم کے کسی فعل پر راضی ہوتا ہے وہ ایسا ہے جیسا اس میں داخل ہونے والا اور داخل ہونے والے پر دو گناہ ہوتے ہیں۔ ایک اس کے کرنے کا اور دوسرا اس پر راضی ہونے کا (نہج البلاغہ)

اس بات پر تمام فقہاء وعلماء کا اتفاق ہے کہ ظلم کرنیوالا، اس کی مدد کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا سب برابر کے شریک ظلم ہوتے ہیں۔ حضرت امام رضاؑ سے مروی ہے فرمایا ''اذا سمعت الرجل یجحد الحق ویکذبہ ویقع فی اھلہ فقم من عندہ ولا تقاعدہ'' (عیاشی وصافی)۔

جب سنو کہ کوئی آدمی حق کا انکار کر رہا ہے اور اس کی تکذیب کر رہا ہے اور اہل حق کے بارے میں بکواس کر رہا ہو تو وہاں سے اٹھ جاؤ اور اس کے پاس نہ بیٹھو۔

جب بیہودہ گو غلط گفتگو ختم کر دیں تو پھر ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے یا ناجائز؟

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ (اس صورت میں وہاں بیٹھنا ممنوع نہیں ہے) مگر بعض محتاط علماء یہ فرماتے ہیں کہ بموجب ارشاد قدرت ''فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' کہ یاد آ جانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو (انعام آیت ۶۸) اس آیت مبارکہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ظالموں کی مجالست سے بہرحال اجتناب لازم ہے۔ ''ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار'' ظالموں کی طرف میلان بھی نہ کرو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھو جائے گی۔ اس سے بھی ظالموں اور ایسے لوگوں کی مجالست وہم نشینی کی ممانعت ہی ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ بلاضرورت ایسے لوگوں کی صحبت سے احتراز کیا جائے ویسے بھی اچھی یا بری صحبت کا اثر نا قابل انکار ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

اِنَّ اللّٰہَ جَامِعٌ...الآیۃ ۱۴۰

جس طرح دار دنیا میں منافقین اور کافرین ایمان اور اہل ایمان کی عداوت و دشمنی پر متفق تھے اسی طرح قیامت کے دن خدا ان کو دوزخ میں بھی اکٹھا ڈالے گا۔ ''وھم فیھا خالدون'' اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اَلَّذِیۡنَ یَتَرَبَّصُوۡنَ...الآیۃ

اس آیت میں خدائے علیم و حکیم نے منافقوں کی دوغلی پالیسی اور دورنگی چال ڈھال کر بڑے دلکش انداز میں تصویر کشی کی ہے کہ جب مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تھی، تو منافقوں کی حالت زار دیدنی ہوتی تھی وہ بظاہر تو اہل اسلام کی نصرت کی خاطر ان کے ساتھ نکلتے تھے۔ مگر بباطن ان کا مطمع نظر دھوکہ دہی اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا ہوتا تھا۔ بایں ہمہ وہ اس انتظار میں رہتے کہ میدان کارزار میں کس فریق کا پلہ بھاری ہے؟ پس اگر مسلمانوں کو فتح ہوجاتی تو یہ ان سے یہ کہ کر کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مال غنیمت میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتے اور اگر کافروں کو کامیابی میں سے کچھ حصہ مل جاتا تو یہ ان سے کہتے کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے؟ اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟ لہٰذا تمہاری اس کامیابی میں ہمارا بھی حصہ ہے۔

ہر دور کے منافقون کی روش

ہر دور کے منافقوں ابن الوقتوں اور مفاد پرستوں کا یہی شیوہ و شعار رہا ہے اور ہمیشہ یہی رہے گا کہ

چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کی
چڑھتے سورج کی پرستش کرنا ان کا شیوہ ہوتا ہے

۔اور ہر ڈوبنے والے آفتاب سے منہ موڑنا ان کا شعار ہوتا ہے۔ ملک میں جو سیاسی جماعت کامیاب ہوکر اقتدار پر قابض ہوجائے تو اسے سلام کرنے اور مبارک دینے میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں اور وزارتوں کی خاطر پروانے کی طرح ان کی کوٹھیوں کا طواف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جب اس کے اقتدار کا سورج غروب ہوجائے تو وہ اس طرح وہاں سے غائب غلہ ہوجاتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اس سلسلہ میں ان کی نگاہ میں کفر و اسلام اور نیکی اور عصیان میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا، بقول حضرت امیر علیہ السلام ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ''اعدو الکل حق باطلا ولکل قائم زائلاً ولکل باب مفتاحا ولکل

لیل مصباحا''ان کے پاس ہر حق کے بالمقابل باطل ہر ثابت کے بالمقابل زائل اور ان کے پاس ہر دروازے کے لئے کنجی اور ہر رات کے لئے چراغ ہوتا ہے (نہج البلاغہ) دعا ہے کہ خداوند عالم ہم سب کو آستین کے ایسے سانپوں سے بچائے۔قیامت کے دن اللہ ان کے اور تمہارے درمیان فیصلہ کریگا۔وھواحکم الحاکمین۔

وَلَنۡ يَّجۡعَلَ الله...الآية

اہل ایمان کی سربلندی کا خدائی وعدہ

اللہ کا اہل ایمان سے پختہ وعدہ ہے کہ''انتم الاعلون ان کنتم مومنین''اگر تم نے ایمان سے منہ نہ موڑا تو تم ضرور سربلند ہو کر رہو گے۔(اور دنیا پست) تم حاکم بن کے رہو گے (اور دنیا محکوم)''وان اللہ لا یخلف المیعاد''اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ اگر مسلمان خود قانون اسلام اور ایمان سے منہ موڑیں اور فتح و شکست

کے قانون قدرت کو نہ توڑیں اور ذلت و رسوائی اور شکست و پسپائی کے اسباب خود اکھٹے نہ کریں تو دنیائے کفر و شرک کی کوئی طاقت مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتی۔

انہیں جب بھی اور جہاں بھی کفار کے مقابلہ میں شکست ہوئی ہے تو ان کے اتحاد کا دامن چھوڑنے ،انتشار کا شکار ہونے اور وسائل حزب و ضرب مہیا نہ کرنے کی وجہ سے اور جنگ کیلئے پوری طرح مستعد نہ ہونے کی وجہ سے۔سچ ہے۔

ان اللہ لا یغیرو مابقوم حتی یغیروا ما بأنفسھم''

یعنی

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

از ما است کہ برما است
وما ربک یرید ظلما للعباد

اس آیت سے استنباط کردہ چند احکام

فقہاء اسلام نے اس آیت مبارکہ''اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا کوئی راستہ نہیں رکھے گا''سے کئی احکام استنباط کیئے ہیں مثلا۔ا۔یہ کہ جب کسی بچہ کا باپ مسلمان ہو اور ماں غیر مسلمان (زن

کتابیہ) تو ماں کو بچہ کی تعلیم و تربیت کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ بچے اسلام میں اپنے باپ کے تابع ہوگا۔ ۲۔ کوئی مسلمان اپنی اولاد کا وصی و ولی کسی غیر مسلمان کو نہیں بنا سکتا۔ ۳۔ جب اولاد مسلمان ہو اور باپ کافر تو اس سے باپ کی ولدیت ختم ہو جاتی ہے۔ ۴۔ غیر مسلمان حاکم کا حکم مسلمان کے حق میں نافذ نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ (تفسیر کاشف)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ...الآية

سورہ بقرہ کی ابتداء میں منافقوں کے خدا اور سول کو دھوکہ دینے کا مفہوم اور خدا کے ان کے دھوکے کی جزا و سزا دینے کا مطلب تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ کس طرح اپنے دل و دماغ میں کفر چھپا کے اور زبان سے اسلام کا اظہار کر کے خدا اور رسولؐ کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور جواب میں خدا دنیا میں ان پر اسلام کے احکام لاگو کر کے اور آخرت میں ان کے ساتھ کفار والا سلوک کر کے کسطرح ان کو ان کی اس روش ورفتار کی سزا دے گا؟ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ...الآية

نماز جمعہ و جماعت میں شرکت کی اہمیت

پیغمبر اسلام کے عہد معدلت انگیز میں کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک وہ نماز کی پابندی نہیں کرتا تھا اور جمعہ و جماعت میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ جس طرح دنیوی جماعتیں کسی رکن کو بلا عذر اپنے اجتماعات میں مسلسل شریک نہ ہونے والے کو رکنیت سے خارج کر دیتی ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں کسی شخص کے بلا عذر مسلسل جمعہ و جماعت کے اجتماعات میں شامل نہ ہونے والے کو غیر مسلمان تصور کیا جاتا تھا۔

اس زمانے میں منافقوں کی کیفیت ان حالات میں بڑی عجیب تھی۔ ان کو جماعت میں حاضری تو پانچ وقت دینی پڑتی تھی مگر ان کو دل پر جبر کرنا پڑتا اور جسم پر زور ڈالنا پڑتا اور اپنے کو کشاں کشاں مسجد میں لاتے اور نماز کے ختم ہوتے ہی اس طرح بھاگ جاتے جیسے کسی قیدی کو رہائی مل جائے۔ مگر مخلص اہل ایمان بڑے شوق و ذوق سے مساجد میں جاتے سب سے پہلے پہنچ جاتے اور سب کے آخر میں جاتے۔ بہر حال منافقوں کی اس چال ڈھال سے پتہ چلتا تھا کہ یہ لوگ دلی رغبت اور قلبی لگاؤ سے خدا کی عبادت نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی ان کی عبادت میں للّٰہیت کی کوئی خوبو ہوتی تھی۔ اور نہ ان میں کیف و سرور اور شوق و ذوق ہوتا تھا۔ اور نہ ہی وہ سکون و اطمینان جو ایک مخلص مسلمان کو ذکر خدا میں محسوس ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

مومن اور منافق کی پہچان

آج بھی مساجد میں حاضری اور نماز ہائے پنجگانہ اور جمعہ میں شرکت اور عدم شرکت سے مومنوں اور منافقوں کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔''المومن فی المسجد کالسمکة فی الماء والمنافق فی المسجد کالسمکة فی البر''۔مومن مسجد میں یوں لذت محسوس کرتا ہے جیسے مچھلی پانی میں تیر رہی ہو۔اور منافق مسجد میں یوں کوفت محسوس کرتا ہے جیسے مچھلی خشکی پر آ گئی ہو۔(سابع عشر بحار الانوار) خدا فرماتا ہے کہ منافق لوگ لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔دراصل ذکر خدا بہت کم ہی کرتے ہیں۔

ریا کار کی علامات

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے۔فرمایا۔''للمرائی ثلاث علامات یکسل اذا کان وحدہ وینشط اذا کان الناس عندہ یحب ان یحمد بمالم یفعل''۔ریا کار کی تین علامتیں ہیں۔۱۔جب تنہا ہو تو سستی کرتا ہے۔۲۔جب لوگ موجود ہوں تو خوشی محسوس کرتا ہے۔۳۔اور چاہتا ہے نہ کردہ کام پر اس کی تعریف کی جائے(کتاب الخصال،شیخ صدوق)

ریا کاری کا انجام

حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سند سے حضرت رسولؐ سے روایت کرتے ہیں فرمایا قیامت کے دن ریا کار کو چار ناموں سے پکارا جائے گا۔اے کافر!اے فاجر!اے غادر اور اے خاسر تیرا عمل حبط اور تیرا اجر ضبط ہے آج ان لوگوں سے اپنا اجر طلب کر جن کو دکھانے کے لئے تو عمل کیا کرتا تھا(مجمع البیان)۔

مُّذَبْذَبِيْنَ...الآیۃ

نہ وہ جماعت مومنین میں داخل ہیں اور نہ زمرہ کافرین میں وہ درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں اور ہمیشہ دوغلی پالیسی رکھنے والوں اور دورنگی اختیار کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے کہ۔ع۔

نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے

بقول شاعر۔

تیری وہ مثل ہے اے رب رضی
نہ الی الذی ہیں نہ الا الذی
خدا سب کو ایسے انجام بد سے بچائے اور قول وفعل کی ہم آہنگی عطا فرمائے۔

آیات القرآن

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا
عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ کو کھلی ہوئی دلیل مہیا کر دو (۱۴۴) بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے والے طبقہ میں ہوں گے۔ اور تم ان کے کوئی یار و مددگار نہیں پاؤ گے۔ (۱۴۵) سوا ان کے جنہوں نے توبہ کی، اپنی اصلاح کر لی۔ اور اللہ سے وابستہ ہو گئے اور اللہ کے لئے اپنا دین خالص کر دیا (خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کرنے لگے) تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور اللہ اہل ایمان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا (۱۴۶) اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب کر کے کیا کرے گا؟ اور اللہ تو بڑا قدردان ہے (اور) بڑا جاننے والا ہے (۱۴۷)

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...الآیة

اے ایمان والو! اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ولی نہ بناو لہٰذا اگر تم نے کافروں اور منافقوں سے مراسم ولایت استوار کئے رکھے اور ان سے دنیاوی روابط قطع نہ کئے تو یہ تمہاری منافقت کا بین ثبوت ہوگا۔ اور اسی طرح خداوند عالم کو تمہارے ساتھ کافروں اور منافقوں والا سلوک کرنے کے جواز کی واضح دلیل مل جائیگی۔ اور پھر تمہارا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا بے شک مومن و متقی جنت میں جائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا مومن ہیں۔ اور کافر جہنم میں جائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا کافر ہیں مگر منافقین کا انجام سب سے بدتر ہوگا کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں رکھ کر جلائے جائیں گے۔ کیونکہ ان آستین کے سانپوں کا کردار اور ان کی روش و رفتار سب سے زیادہ ابتر و بدتر تھی۔ کیونکہ وہ ظاہر تو اسلام کرتے تھے مگر چھپاتے کفر تھے اور دونوں سے اپنا مفاد اٹھاتے تھے اور سب کو دھوکہ دیتے تھے۔ نہ کھلے ہوئے مومن تھے اور نہ کھلے ہوئے کافر۔ اسلئے تم ان کا کوئی یار و مددگار نہیں پاؤ گے۔

وذلك هو الخسران المبين

اِلَّا الَّذِیْنَ...الآیة

مگر وہ منافقین جنہوں نے ۱۔توبہ کرلی۔ ۲۔اپنی اصلاح احوال کرلی۔ ۳۔خدا کے دامن توحید کو مضبوطی سے تھام لیا۔ ۴۔اور اپنا دین خدا کے لئے خالص کرلیا اور ریا کاری سے پاک کرلیا تو بے شک خدائے تواب ان کی توبۃ النصوح قبول فرمائے گا اور ان کا حشر و نشر ایمان والوں کے ساتھ فرمائیگا۔ اور اہل ایمان کو اجر عظیم عطا فرمائیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفاق کا وہ برا انجام جو اوپر بیان ہوا ہے وہ اس وقت ہوگا جب کوئی منافق اپنے آخری لمحات حیات تک اپنے نفاق پر قائم رہے گا لیکن جس طرح کافر کے مسلمان ہوجانے سے پہلے والا کفر اور اس کے آثار ختم ہوجاتے ہیں اسی طرح اگر کوئی منافق نفاق سے توبہ کرکے مخلص مومن بن جائے تو اس سے وہ جماعت مومنین کا فرد بن جائے گا اور سابقہ برے نفاق کے برے آثار و نتائج کا خاتمہ ہوجائے گا۔ کما لایخفی۔

مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ...الآیة ۱۴۷

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت تو لوگوں کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے بہانے تلاش کرتی ہے۔ کوئی قیمت طلب نہیں کرتی۔ رحمت حق بہانہ می جوید لہٰذا اگر تم کفر اور گمراہی چھوڑ کر ایمان لے آؤ اور نافرمانی

وناشکری چھوڑ کر نیکوکار وشکر گزار بندے بن جاؤ تو اللہ تمہیں عذاب کرکے کیا کریگا؟ اللہ تو بڑا قدرداں اور بڑا جاننے والا ہے وہ بڑا بے نیاز ہے وہ کسی کو سزا دینے یا اس سے انتقام لینے کا محتاج نہیں ہے۔ وہ شاکر اور علیم بھی اور رحیم وکریم بھی ہے

ایضاح

اس آیت میں ایک اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ثواب وعذاب اس لئے نہیں ہے کہ خدا بادشاہوں یا بت پرستوں کے دیوتاؤں کی طرح جب خوش ہوجائے تو انعام دینے لگتا ہے اور جب ناراض ہوجائے تو جوش انتقام میں عذاب میں ڈال دیتا ہے بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ جزا وسزا انسانی عمل وکردار اور اس کی روش ورفتار کا قدرتی خاصہ ونتیجہ ہے یا اس کا وہ اثر وضعی ہے جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا خدائے علیم نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک خاصہ اور اثر قرار دیا ہے اسی طرح انسان کے ہر عمل کا جو وہ دنیا میں کرتا ہے ایک خاصہ اور اثر قرار دیا ہے جو جزا یا سزا کی صورت میں اس سے الگ نہیں ہوتا جو حضرات اس موضوع کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ کتاب ''علم الکلام'' کا مطالعہ کریں

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار بجاه النبی واٰله الاطهار

آیات القرآن

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ
يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ
وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ
وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ

أُجُوۡرَهُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۵۲﴾ يَسۡـَٔلُكَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ
عَلَيۡهِمۡ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰٓى اَكۡبَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَقَالُوۡۤا
اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ‌ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ
مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ‌ ۚ وَاٰتَيۡنَا مُوۡسٰى
سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَقُلۡنَا لَهُمُ
ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِى السَّبۡتِ وَاَخَذۡنَا
مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۱۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ اعلانیہ بدگوئی کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو (کہ اس کے لئے ظالم کی بدگوئی جائز ہے) اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (۱۴۸) اگر تم کوئی نیکی ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ۔ یا کسی برائی سے درگذر کرو تو بے شک اللہ (بھی) بڑا معاف کرنے والا، بڑا قدرت والا ہے (۱۴۹) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ (ایمان وکفر کے) درمیان کوئی راستہ نکالیں (۱۵۰) یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے (۱۵۱) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں وہ (اللہ) ان کا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ اور اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا (۱۵۲) آپ سے اہل کتاب مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی (لکھی لکھائی) کتاب اتروا دیں سو یہ تو جناب موسیٰ سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں یعنی کہا تھا کہ ہمیں کھلم کھلا اللہ دکھا دو پس اُن کے اسی ظلم کے سبب ان پر بجلی گری تھی پھر بعد اس کے کہ ان پر کھلی نشانیاں آ چکی تھیں بچھڑا پوجنے

لگے پھر ہم نے اس سے درگزر کیا اور موسیٰ کو کھلا غلبہ عطا کیا (۱۵۳)۔اور ہم نے ان سے (فرمانبرداری کا) پختہ عہد لینے کے لئے ان کے اوپر کوہ طور کو بلند کیا اور ہم نے ان سے کہا کہ سجدہ ریز ہو کر دروازہ • شہر) میں داخل ہو جاؤ اور ان سے کہا کہ قانون سبت کے بارے میں زیادتی نہ کرو (حد سے نہ بڑھو) اور ہم نے ان سے پختہ عہد و پیمان لیا تھا (۱۵۴)

تفسیر الآیات

اِنۡ تُبۡدُوۡا ...الآیۃ ۱۴۹

عفو و درگذر کی ترغیب

تم نیکی کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ۔ یا کسی برائی سے درگزر کرو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔نیکی میں ہر قسم کی نیکی داخل ہے خواہ وہ نیکی ہو جو تم نے کسی سے کی ہو یا وہ جو کسی دوسرے نے تم سے کی ہو اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ یا کسی کی برائی سے درگزر کرو۔ اللہ تو بہر حال اسے جانتا ہی ہے۔گویا اس انداز میں جس مظلوم کو ظالم کی شکایت اور لوگوں سے اس کے ظلم کی حکایت کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔اسے عفو و درگزر کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد قدرت ہے ''وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ وَ لَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَہُوَ خَیۡرٌ لِّلصّٰبِرِیۡنَ'' (نحل آیت۔۱۲۶) اگر تم (ظالم سے) بدلہ لینا چاہو تو اتنا لو جتنا اس نے ظلم کیا ہے اور اگر صبر کرو (معاف کردو) تو یہ چیز صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھی ہے وہاں صبر وضبط سے کام لینے کی اور یہاں عفو و درگزر کرنے کی بہتری و برتری بیان کی جا رہی ہے بے شک قانون مکافات کے تحت اور ظلم و جور کا خاتمہ کرنے کی خاطر مظلوم کو شکایت کرنے اور عدالت میں ظالم کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق حاصل ہے۔اور اس طرح ظلم رک جاتا ہے اور اس کا انسداد ہو جاتا ہے مگر ظالم و مظلوم کے دلوں میں اس ظلم اور اس کے نتیجہ میں قانونی کاروائی، کا اثر باقی رہ جاتا ہے جو آئندہ کسی وقت بھی لڑائی جھگڑے کا سبب بن سکتا ہے مگر عفو و درگذر کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم وتلقین کا یہ دیرپا اور فطری نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دو سخت دشمن دو مخلص دوست بن جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوۃ کانه ولی حمیم '' تم احسن طریقہ پر دشمن کا دفاع کرو اس طرح تم اور تمہارا دشمن مخلص دوست بن جاؤ گے۔ سچ ہے۔ع۔ درعفو لذتے است کہ درانتقام نیست

جس طرح خدا باوجود انتقام کی قدرت رکھنے کے عفو ودرگذر کرتا ہے اسی طرح اگر تم بھی ظالم کی شکایت وحکایت کا حق رکھتے ہوئے بھی اسے معاف کردو تو یہ بہت بہتر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ...الآیۃ ۱۵۰

کفار ومشرکین کی مختلف اقسام کا بیان

اس آیت مبارکہ میں کفار ومشرکین کی مختلف قسموں کا تذکرہ کیا جارہا ہے

ا۔ایک قسم ان کفار کی ہے جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ اس کے رسولوں کو۔ ۲۔دوسری قسم ان کافروں کی ہے جو بظاہر خدا کو تو مانتے ہیں مگر اس کے کسی نبی ورسول کو نہیں مانتے۔ ۳۔اور تیری قسم ان کافروں کی ہے جو بظاہر خدا کو بھی مانتے ہیں اور بعض انبیاء کو بھی مگر دوسرے بعض کو نہیں مانتے جس طرح یہود ونصاری کہ اول الذکر جو خدا کو ماننے کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے سابقہ انبیاء کو مانتے ہیں مگر جناب عیسی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہیں مانتے اور ثانی الذکر خدا کے علاوہ جناب عیسیؑ اور ان سے پہلے انبیاء کو مانتے ہیں مگر حضرت محمد رسول اللہؐ کو نہیں مانتے اور اس طرح وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرنا چاہتے ہیں۔جیسا کہ ہر دور میں کفر واسلام کو باہم ملانے والے اور ان کی معجون مرکب بنانے والے لوگ رہے ہیں۔اور اب بھی ہیں مگر خالق ومالک نے دوٹوک لفظوں میں واضح کردیا ہے کہ یہاں یہ دورنگی اور دوعملی نہیں چل سکتی۔اللہ کے رسولوں کا انکار کرکے توحید کا اقرار کرنا یا بعض انبیاء کا انکار کرکے دوسرے بعض کا اقرار کرنا ایسے لوگوں کو کفر کے دائرہ سے نکال کر حلقہ بگوش اسلام نہیں بنا سکتا یہ سب حقیقی اور پکے کافر ہیں۔لہٰذا ماننا ہے تو سب کو مانو اور انکار کرنا ہے تو سب کا انکار کرو۔ع۔دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہوجا۔کیونکہ وحی ونبوت کا انکار کرکے خدا کی ذات وصفات کی صحیح معرفت اور اس کی عبادت کے صحیح طریقہ کار کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔لہٰذا ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ ایمان بالرسل بھی ضروری ہے اور پھر خدا کے مقرر کردہ ایک نبی ورسول کا انکار کرنا سب کے انکار کے مترادف ہے لہٰذا ایسے سب لوگ پکے کافر ہیں اور کافروں کے لئے خدا نے ذلت آمیز عذاب مہیا کررکھا ہے کیونکہ بے شک اسلام غیروں کے ساتھ بھی عدل وانصاف اور احسان ورواداری کرنے کا علمبردار ہے مگر وہ اصولوں پر سودا بازی کرنے کا قائل نہیں ہے۔وہ برملا کفر اور اس کے غلط رسم ورواج سے جہاں اپنی برات وبیزاری کا اعلان عام کرتا ہے وہاں مسلمانوں کو اپنے قومی تشخص کے برقرار رکھنے اور اسلامی شعائر کی حفاظت کرنے اور قرآنی عبادات ومعاملات پر قائم رہنے کا سختی سے حکم بھی دیتا ہے۔کیونکہ دنیا وآخرت کی فوز وفلاح اور

نجات ونجاح کا دارومدار اسلام پر ہے۔''ان الدین عند اللہ الاسلام''۔ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین''۔جوبھی اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا دین ہرگز قبول نہیں کرے گا اور آخرت کے دن اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ...الآیۃ ۱۵۲

ان اہل ایمان سے مراد وہ مسلمان ہیں جو پیغمبر اسلام کے فرمان کے مطابق جہاں خالق دو جہاں اور مالک کون مکان پر ایمان رکھتے ہیں وہاں اس کے تمام انبیاء ومرسلین پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ان کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اوران کے درمیان تفریق کے قائل نہیں ہیں۔وہ''یومنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك'' کے قائل ہیں اور اسی پر عامل ہیں وہ جانتے ہیں کہ نجات کا دارومدار اسلام پر ہے اور اعمال کی قبولیت کا انحصار عقائد وایمان کی صحت پر ہے۔انہی کو خداوند عالم ان کے ایمان وعمل کے مطابق اجر وثواب عطا فرمائیگا۔کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔لہٰذا وہ ایسے لوگوں کے حساب کتاب میں عفو وصفح سے کام لے گا اور سخت گیری نہیں کریگا۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ یہاں خدا نے کفار کی جو اس بات پر مذمت فرمائی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ پر تو ایمان لاتے ہیں مگر اس کے پیغمبروں پر ایمان نہیں لاتے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان حضرات کے مقام ومرتبہ میں فرق نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ سب کا الگ الگ ہے۔خدا اور رسول تو کیا برابر ہوں گے وہ خالق ہے اور یہ اس کی مخلوق،ہم تیسرے پارہ کی ابتداء میں تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت بیان کر چکے ہیں کہ خالق حکیم نے کائنات میں کوئی بھی دو چیزیں برابر پیدا نہیں کی ہیں لہٰذا سب رسول ونبی بھی برابر نہیں ہیں۔'' تلك الرسل فضلنا بعضھم علی بعض''۔خدا نے رسولوں کے درجے بھی مختلف بنائے ہیں اور بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''وھذا اوضح من ان یخفی''۔

یَسْئَلُكَ اَھْلُ الْكِتٰبِ...الآیۃ ۱۵۳

اس آیت کی شان نزول میں مروی ہے کہ کعب بن اشرف اور چند دوسرے یہود بارگاہ خاتم الانبیاء میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اگر آپؐ نبی ہیں تو پھر ایک لکھی لکھائی کتاب آسمان سے ان پر اتاریں۔چونکہ تورات مکتوبی صورت میں یکبارگی نازل ہوئی تھی۔جبکہ قرآن تدریجا یعنی رفتہ رفتہ نازل ہوا۔لہٰذا یہود نے کٹ حجتی سے کام

لیتے ہوئے انکار کا ایک بہانہ بنایا کہ اگر قرآن اللہ کی کتاب ہے تو پھر لکھی لکھائی صورت میں کیوں نہیں اتری؟(مجمع البیان)۔

یہ محض ان کی حجت بازی تھی ورنہ انجیل تو مکتوبی صورت میں اتری تھی۔ یہ لوگ اس پر کب ایمان لائے تھے؟ خداوند عالم ان کے اس غیر معقول مطالبہ کے جواب میں پیغمبر اسلامؐ کے تعجب کو دور کرنے کے لئے فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کی اس فرمائش پر حیران نہ ہوں یہ تو اس سے پہلے اس سے بھی زیادہ غیر معقول فرمائشیں کر چکے ہیں۔ انہوں نے تو جناب موسیٰؑ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں کھلم کھلا خدا دکھائیں۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ...الآیة

یہودیوں کے جرائم اوران کی سزاؤں کی مختصر فہرست

ان آیات میں خدائے علیم وحکیم نے یہودیوں کے بعض جرائم اور ان کی پاداش میں اپنی بعض سزاؤں کی فہرست پیش کی ہے

۱۔ان کی اس زیادتی کی وجہ سے انہیں آسمانی بجلی نے پکڑ لیا اس واقعہ کی تفصیل جلد اول میں سورہ بقرہ کی آیت ۵۵ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔خدا کی وحدانیت اور جناب موسیٰؑ کی نبوت کی صداقت کی کھلی کھلی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد ایک گوسالے کو معبود بنالیا۔اس واقعہ کی تفصیل اس تفسیر کی جلد اول سورہ بقرہ کی آیت ۵۱ میں گذر چکی ہے۔وہاں رجوع کیا جائے واضح رہے کہ اس آیت کے آخر میں خدا تعالیٰ نے جناب موسیٰؑ کو جس غلبہ کے عطا کرنے کا تذکرہ کیا ہے اس سے دنیوی اقتدار والا غلبہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے باطل کے بالمقابل دلائل و براہین حقہ سے غلبہ عطا کرنا مراد ہے۔

۳۔کوہ طور کو ان پر اٹھا کر ان سے پختہ عہد و پیمان لیا مگر وہ اس سے منحرف ہو گئے اس کی تفصیل بھی تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۳ کی تشریح میں گذر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

۴۔ان کو حکم دیا گیا کہ حطۃ حطۃ کہتے ہوئے اور سجدہ ریز ہوتے ہوئے،دروازہ میں داخل ہوں مگر انہوں نے اس حکم کو تبدیل کر دیا اس واقعہ کی تفصیل بھی جلد اول میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۵۸ تا ۵۹ کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے۔اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے

۵۔اس سے پختہ عہد لیا کہ سبت والا قانون نہ توڑنا مگر انہوں نے اسے توڑ ڈالا جس کی پاداش میں ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا۔اس واقعہ کی تفصیل بھی تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۵ کی توضیح کے ضمن

میں بیان ہوچکی ہے مذکورہ بالا مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۶۔ان کی عہد شکنی کرنے

۷۔آیات الٰہیہ کو جھٹلانے

۸۔انبیاءؑ کو ناحق قتل کرنے

۹۔ان کے اس قول کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔

۱۰۔جناب مریم پر بہتان عظیم باندھنے۔

۱۱۔اور جناب عیسیٰؑ کو قتل کرنے کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں پر مہر کر دی اس لئے وہ بہت کم ہی ایمان لائیں گے۔نمبر ۹ کی وضاحت بھی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت ۸۸ کی ذیل میں کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اور دلوں پر مہر لگانے کا صحیح مفہوم ومطلب سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۷ کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے۔مقام مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ
بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا
يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۪﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا
عَظِيْمًا ۙ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ
اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ
الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۙ﴿۱۶۰﴾
وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ‌ ؕ
وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۶۱﴾

ترجمۃ الآیات

سو (ان کو جو سزا ملی وہ) ان کے عہد شکنی کرنے، آیات الٰہیہ کا انکار کرنے، نبیوں کو ناحق قتل کرنے اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے (دلوں) پر مہر لگا دی ہے۔ اس لئے وہ بہت کم ایمان لائیں گے۔ (۱۵۵) نیز ان کے ساتھ یہ جو کچھ ہوا یہ ان کے کفر کی وجہ سے ہوا۔ اور جناب مریم پر بہتان عظیم لگانے کی وجہ سے (۱۵۶) اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے خدا کے رسول مسیح عیسے بن مریمؑ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ انہوں نے نہ انہیں قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان پر اصل معاملہ مشتبہ کر دیا گیا، اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے (۱۵۷) وہ یقیناً اس کے متعلق شک میں ہیں اور انہیں گمان کی پیروی کرنے کے سوا کوئی علم نہیں ہے۔ اور انہوں نے یقیناً ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے (۱۵۸) اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں، جو اپنی موت (یا ان کی موت) سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے اور وہ قیامت کے دن ان کے خلاف گواہ ہوں گے (۱۵۹) یہودیوں کے ایسے ہی مظالم اور زیادتیوں کی وجہ سے ہم نے وہ بہت سی پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کر دیں، جو پہلے ان کیلئے حلال تھیں نیز ان کے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے بکثرت روکنے کی وجہ سے (۱۶۰) اور ان کے سود لینے کے سبب سے، حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کا ناحق مال کھانے کے باعث (یہ سب کچھ ہوا)۔ اور ان میں سے جو لوگ کافر ہیں ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے (۱۶۱)

تفسیر الآیات

قَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ ...الآية

یہود کے جن جرائم کی اوپر اجمالی فہرست پیش کی گئی ہے یہ تو وہ ہے جس کا تذکرہ قبل ازیں سورہ بقرہ میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں اس فہرست میں اضافہ کرتے ہوئے خداوند عالم ان لوگوں کے چند اور انتہائی گھناونے جرائم کا تذکرہ کررہا ہے جن میں پہلا جرم جناب مریم بتول پر بہتان عظیم باندھنا ہے۔ اگرچہ کسی بھی پاکدامن مرد یا عورت پر بہتان باندھنا گناہ کبیرہ ہے مگر خدائے تعالیٰ نے جناب مریم پر بہتان سازی کو کفر قرار دیا ہے کیونکہ وہ خود بھی معصومہ ہیں اور ایک نبی معصوم کی مادر گرامی بھی ہیں۔ جس سے دنوں کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ جناب عیسٰیؑ کی معجزانہ ولادت اور اس سے متعلقہ غیر معمولی واقعات کی تفصیل سورہ مریم رکوع ۲ میں مذکور ہے۔ کہ جب بن بیاہی جناب مریم کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو بی بی گھبرائیں کہ لوگوں کی طعن وتشنیع کا کیا جواب دیں گی؟ ارشاد قدرت ہوا کہ جب کوئی زبان اعتراض دراز کرے تو آپ چپ رہنا اور نومولود کی طرف اشارہ کردینا۔ چنانچہ آپ جب یروشلم پہنچیں تو لوگوں کا جم غفیر جمع ہوگیا اور مختلف سوالات کی بھرمار کردی۔ مگر جناب مریم حسب الحکم خاموش رہیں اور نومولود بچے کی طرف اشارہ کردیا، مطلب یہ تھا کہ مجھ سے نہ پوچھو کہ میں یہ بچہ کس طرح اور کہاں سے لائی ہوں۔ بلکہ اس بچے سے پوچھو کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟ بپھرے ہوئے لوگوں کے غصہ کا پارہ اور چڑھ گیا۔ بولے۔ کیف نکلم من کان فی المھد صبیا۔ بھلا ہم گہوارہ میں لیٹے ہوئے بچہ سے کس طرح پوچھیں؟ اس وقت چند گھنٹوں کے مولود مسعود نے بزبان فصیح جواب دیا۔ انی عبداللہ اتانی الکتب وجعلنی نبیا۔ میں اللہ کا بندہ (خاص) ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے (مریم۔ رکوع ۲) اسکے بعد معترضین کی زبانوں پر تالے لگ گئے اور جوزبانیں چند منٹ پہلے قینچی کی طرح چل رہی تھیں وہ بستہ ہوگئیں اور اس طرح خدائے قدیر نے یہود کے اتہام کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینک دیا اور مخالفین کو ماننا پڑ گیا کہ جس ماں کا بچہ نبی ہو وہ بدکار نہیں ہوسکتی۔

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا ...الآية ۱۵۷

ان کا تازہ اور دوسرا جرم خدا نے یہاں یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے مسیح عیسٰیؑ بن مریم رسول اللہ کو قتل کردیا ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ غلط کہتے ہیں نہ انہوں نے آپ کو قتل کیا ہے اور نہ صلیب پر چڑھایا ہے بلکہ حقیقت حال ان کے لئے مشتبہ کردی گئی ہے اور جو لوگ اس سلسلہ میں اختلاف کررہے ہیں وہ درحقیقت

شک میں مبتلا ہیں اور گمان کی پیروی کرنے کے سوا ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔

وَمَا قَتَلُوْہ...الآیۃ

ہم اسی جلد دوم میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ ''یاعیسیٰ انی متوفیك'' کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ جناب عیسیٰؑ کی وفات پر گفتگو کر چکے ہیں اور وہیں اس متعلقہ آیت پر بھی مختصر سا تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ یہود جو کہ حضرت عیسیٰؑ کے ازلی دشمن ہیں یہی کہتے تھے کہ ہم نے عیسی کو قتل کر دیا اور صلیب پر چڑھا دیا۔ قرآن اعلان کر رہا ہے کہ نہ انہوں نے جناب عیسیٰؑ کو قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھایا بلکہ حقیقت حال ان لوگوں پر مشتبہ کر دی گئی اور خدا نے حضرت عیسی کو آسمان پر اٹھالیا۔ اب صورت حال کسطرح مشتبہ ہوئی؟ اس میں قدرے اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ جب یہود حضرتکو قتل کرنے کے لئے اکھٹے ہوئے تھے اور مکان کے اندر موجود تھے تو جناب عیسی کے حوارین میں خدا نے کسی کو جناب عیسیٰؑ کا مشابہ بنا دیا اور ظالموں نے اسے سولی پر چڑھا دیا اور خدا نے جناب عیسیٰؑ کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا، مگر وہ سمجھے کہ انہوں نے جناب عیسیٰؑ کو مصلوب کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہود میں سے کسی یہودی کو جناب عیسیٰؑ کا ہم شکل بنایا گیا اور انہوں نے اسے سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا اب رہی یہ بات کہ اس یہودی کا نام کیا تھا؟ طیطانوس یا یہودا؟ فریقین کی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جب قرآن صرف یہ کہ ''ان لوگوں نے جناب عیسی کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر لٹکایا۔ بلکہ اصل حقیقت ان پر مشتبہ ہوگئی، خاموش نظر آتا ہے اور روایات صحیحہ ومتواترہ موجود نہیں ہیں تو پھر ہمیں زیادہ باریکی میں جانے کی ضرورت کیا ہے؟ بس قرآنی ارشاد کے مطابق قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے جناب عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور کسی اور شخص کو ان کا ہم شکل بنا دیا، جسے ظالموں نے سولی پر چڑھا دیا۔ اور بعدازاں شک میں پڑ گئے کہ اگر ہم نے عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھایا تو وہ ہمارا آدمی کہاں ہے؟ اور اگر ہمارا آدمی سولی پر لٹکا ہے تو پھر عیسیٰؑ کہاں ہے؟ اس سلسلہ میں نصاریٰ کے بڑے فرقے تین ہیں

۱۔نسطوریہ۔ ۲۔ ملکانیہ۔ ۳۔اور یعقوبیہ۔ سب کے نظریات جدا جدا ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ جناب عیسی کا ناسوت مصلوب ہوا اور لاہوت آسمان پر پہنچ گیا اور کوئی کہتا ہے کہ ناسوت کے ساتھ لاہوت بھی مصلوب ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر خدا فرماتا ہے کہ ان کے پاس اس دعوی کی کوئی دلیل اور اس معاملہ میں کوئی علم موجود نہیں ہے۔ وہ صرف ظن وگمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ ''وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً''۔ ہم سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ کی تفسیر میں واضح کر آئے ہیں کہ اس رفع سے جناب عیسیٰؑ کے درجہ اور ان کی روحانی بلندی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے ان کی حیات جسمانی کے ساتھ جسمانی بلندی مراد ہے۔ اگر یہ لفظ ''رفع'' تنہا ہوتی تو شاید

اس احتمال کی کوئی گنجائش ہوتی مگر جب یہ صلب اور قتل کی نفی کے مقابلہ میں استعمال ہوئی ہے تو پھر اس سے زندگی کی حالت میں رفع جسمانی ہی مراد ہوسکتی ہے۔ کما ہو اوضح من ان یخفی

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ...الآیۃ ۱۵۹

قبل موتہ کی ضمیر کے مرجع میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا مرجع اہل کتاب کو قرار دیا ہے کہ ہر اہل کتاب مرنے سے پہلے جناب عیسیٰؑ پر ایمان لاکر مرتا ہے اور اکثر نے جناب عیسیٰؑ کو اس کا مرجع قرار دیا ہے کہ آپ کے آسمان سے نزول کے بعد اور موت کی آغوش میں جانے سے پہلے جو اہل کتاب زندہ ہوں گے۔ وہ آپ پر ایمان لاکر مریں گے۔ اس طرح یہ آیت بھی منجملہ دیگر شواہد ودلائل کے جناب عیسیٰؑ کی حیات پر ایک اور شاہد ودلیل ہے۔ کہ کچھ لوگ ان کے بارے میں افراط کرتے تھے اور بعض تفریط مگر آپ کی وفات سے پہلے ان پر صحیح طور پر مسلمانوں کی طرح ایمان لائیں گے اور جو ایسا نہیں کریں گے وہ قتل کردیے جائیں گے۔

حتی لا تکون فتنۃ۔ ویکون الدین للہ۔ یہ اسی وقت ہوگا جب حقیقی دین اسلام کا غلبہ ہوگا۔ لیظہرہ علی الدین کلہ۔ اور تمام ادیان باطلہ حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ حضرت مہدی کے ظہورؑ اور جناب عیسیٰؑ کے نزول کے بعد ہوگا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت سے بھی اسی آخری قول کی تائید ہوتی ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰؑ کی طرف راجع ہے کہ ان کی موت سے پہلے سب اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور یہ تب ہوگا کہ جب حضرت مہدی ظہورؑ فرمائیں گے اور جناب عیسیٰؑ ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے (تفسیر قمی)

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ...الآیۃ ۱۶۰

حماقت کی انتہاء ہے؟

فرد جرم جو کہ آیت نمبر ۱۵۳ سے شروع ہوئی تھی یہاں تک بہت لمبی ہوگئی تھی اور سلسلہ کلام بہت طویل ہوگیا تھا تو خدا نے ان کے قدیم وجدید جرائم کی فہرست میں مزید چند جرائم کا اضافہ کرکے یہاں حکم سنایا ہے اور وہ مزید جرائم یہ ہیں

۱۔ ان کی ظالمانہ روش ورفتار اختیار کرنے

۲۔ خود تو گمراہ تھے ہی اب دوسرے لوگوں کو بھی خدا کی راہ سے روکنے اور انہیں گمراہ کرنے

۳۔سود جیسی مغلظ حرام چیز کو لینے

۴۔اور ناحق لوگوں کا مال کھانے کی وجہ سے ان پر بہت سی حلال نعمتیں حرام قرار دے دی گئیں اور ان کے لئے دردناک عذاب مہیا کیا گیا ہے وہ نعمتیں کونسی ہیں؟ اس کی وضاحت دوسری آیت میں کردی گئی ہے۔'' حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ''(انعام آیت۔۱۴۶) ہم نے ان پر ناخن والے سب جانور حرام کردیے اور گائے، بیل اور بھیڑ، بکری کی چربی حرام کردی یا پیٹ کے اندر کی چیزیں یا جس میں ہڈی کی آمیزش ہو۔ارشاد ہوتا ہے۔ذلك جزينا هم ببغيهم ۔یہ ہم نے ان کوان کے ظلم وعدوان کی سزا دی ہے۔وما كنا لظلمين۔

آیات القرآن

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾
اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾
وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ
عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا
يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾
لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾

ترجمۃ الآیات

البتہ ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور جو ایمان دار ہیں وہ سب اس پر ایمان لاتے ہیں جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ نماز کو قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم بہت بڑا اجر وثواب عطا کریں گے۔(۱۶۲) بے شک ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح (جناب) نوحؑ اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی تھی (۱۶۳) کچھ پیغمبر وہ ہیں جن کے حالات ہم نے آپ سے پہلے بیان کر دیے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے آپ سے بیان نہیں کئے اور اللہ نے موسیٰؑ سے اس طرح کلام کیا جیسا کہ کلام کرنے کا حق ہے(۱۶۴) اور (ہم نے) رسولوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تاکہ رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت باقی نہ رہ جائے اور اللہ زبردست، بڑا حکمت والا ہے(۱۶۵) اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ آپ پر نازل کیا وہ اپنے علم سے نازل کیا ہے اور فرشتے (بھی) اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اگرچہ گواہی کے لئے اللہ کافی ہے(۱۶۶)

تفسیر الآیات

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ ...الآیۃ ۱۶۲

مگر یہود کے وہ لوگ جو علم میں راسخ اور مضبوط ہیں اور جو کچھ آپ پر اتارا گیا اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل کیا گیا سب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہیں یعنی جو یہودی اسلام قبول کر کے اہل ایمان کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور شریعت محمدی کی پیروی

کرتے ہیں ہم ان کو اجر عظیم عطا کریں گے۔ لان السعادة لیست وقفا علی قوم دون قوم۔ سعات وخوش بختی کسی قوم کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ عام ہے۔ ''ان الذین امنوا وعملو الصلحت اولئك هم اصحب الجنة هم فیها خالدون''۔ جو لوگ بھی ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہی اصحاب الجنت ہیں، جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْن

ایضاح

والمقیمین الصلوۃ۔ اس کا عطف المومنون پر ہے اور نحوی قانون کے مطابق المقیمون ہونا چاہیے تھا۔ تو پھر المقیمین کیوں لایا گیا؟ اس کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں بظاہر سیبویہ کا جواب بہتر ہے یعنی منصوب علی المدح ہے اور وہ فعل محذوف ہے۔ ای امدح المقیمن الصلوۃ۔ یعنی میں نماز قائم کرنے والوں کی مدح وثنا کرتا ہوں اور نماز قائم کرنے والوں کو اس لئے مدح کے لئے منتخب کیا گیا ہے تا کہ نماز کی قدر و قیمت اور اس کی عظمت وجلالت اجاگر ہوجائے جس پر دوسرے تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہے۔ اور المؤتون الزکوہ مبتداء محذوف کی خبر ہے جو کہ ''ہم'' کی ضمیر ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَا...الآیۃ ۱۶۳

وحی کے لغوی اور شرعی مفہوم کی وضاحت

لغت عرب میں ''وحی'' کا لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے

۱۔ اشارہ جیسے ''اوحی الیهم ان سبحوا بکرۃ وعشیا'' جناب زکریاؑ نے ان کو اشارہ کیا کہ صبح وشام خدا کی تسبیح کرو۔ ۲۔ قلبی الہام جیسے ''اوحینا الی ام موسی'' ہم نے مادر موسیٰؑ کو وحی کی یعنی ان کے دل میں یہ چیز ڈالی۔ ۳۔ فطری ہدایت۔ جیسے ''اوحی ربك الی النحل'' تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی۔ یعنی اسے فطری فرائض انجام دینے کی ہدایت کی۔ ۴۔ کلام خفی جیسے 'شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض'' کہ انسی وجنی شیطان ایک دوسرے کو وحی کرتے ہیں یعنی مخفی طریقے پر ایک دوسرے کو تعلیم دیتے ہیں۔ ۵۔ وہ وحی جو انبیاء ومرسلین کے ساتھ مخصوص ہے اس سے مراد شرعی علوم واحکام کی وحی ہے جو خداوند عالم کبھی بواسطہ فرشتہ اور کبھی بلاواسطہ اپنے انبیاء مرسلین کی طرف کرتا ہے۔ اس معنی میں کسی ولی، وصی اور امام کو وحی نہیں ہوتی، یہ صرف اور صرف نبیوں اور رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہود اس زعم باطل میں گرفتار تھے کہ خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ کے بعد کسی کو اس وحی نبوت سے مشرف نہیں فرمایا تو خداوند عالم ان کی رد میں فرمارہا ہے کہ جس طرح ہم نے جناب نوحؑ اور ان کے بعد والے

نبیوں کی طرف وحی کی ہے جیسے جناب ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ ویعقوبؑ وامثالہم۔ بالکل اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی وحی کی ہے تو جب یہ لوگ ان حضرات کو نبی تسلیم کرتے ہیں تو آپ کی نبوت کے انکار کرنے کا ان کے پاس جواز کیا ہے؟

ایضاح

اسباط سبط کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں اولاد کی اولاد۔ یہاں جناب یعقوبؑ کے بارہ (۱۲) بیٹوں کی نسل سے ہونے والے انبیاء مراد ہیں۔ بعض اہل علم کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح جناب اسماعیلؑ کی اولاد کی اولاد کو قبائل کہا جاتا ہے اسی طرح جناب اسحاقؑ کی اولاد کی اولاد کو اسباط کہا جاتا ہے۔ جن میں سے بہت سے نبی ہوئے ہیں۔ جیسے جناب یوسفؑ، جناب داؤدؑ، جناب سلیمانؑ، جناب موسیٰؑ اور جناب عیسیٰؑ الغرض جب معیار نبوت وحی ربانی کا نزول اور معجزات کا ظہور ہے تو اس معیار پر پورا اترنے کے باوجود بعض انبیاء کا اقرار کرنا اور بعض کا انکار کرنا سب کے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ بنابریں دوسرے انبیاء کی نبوت کا اقرار کرنے والوں کے لئے حضرت ختمی مرتبت کی نبوت کا اقرار کرنا ناگزیر ہے کیونکہ اللہ نے ان کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح دوسرے نبیوں کی طرف کی ہے اور ان کے مقدس ہاتھوں پر اسی طرح معجزات ظاہر کئے ہیں جس طرح دوسروں کے ہاتھوں پر کئے ہیں۔

وَرُسُلًا قَد...الآیة

خدا نے بعض انبیاء کے حالات بیان کئے ہیں اور بعض کے نہیں کئے

قرآن مجید میں نام بنام تو چھبیس، ستائیس انبیاء کا ذکر خیر کیا گیا ہے جب کہ ان کی مجموعی تعداد کے بارے میں اسلامی روایات اور اقوال وآراء میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے؟ تین سو تیرہ، آٹھ ہزار، ایک لاکھ چوبیس ہزار، مگر جو قول فریقین میں زیادہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء ومرسلین کی مجموعی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ جن میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں اور باقی نبی ہیں اور پھر ان تین سو تیرہ میں سے پانچ اولی العزم ہیں۔ ا جناب نوحؑ۔ ۲ جناب ابراہیمؑ ۳۔ جناب موسیٰ ۴۔ جناب عیسیٰؑ ۵۔ اور حضرت محمد مصطفٰے واحمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ''واللہ اعلم بعدتھم وحقیقتھم ''اس لئے فرمایا کہ ہم نے بعض کے واقعات بیان کئے ہیں اور بعض کے حالات بیان نہیں کئے۔ اس سے غلط فہمی کا ازالہ کر دیا گیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ انبیاء بس صرف اتنے ہی تھے جن کا صراحۃً قرآن میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

کیا سارے انبیاء شرق اوسط سے ہی تعلق رکھتے تھے؟

بے شک مشہور انبیاء و مرسلین کا تعلق تو اسی خطہ ارضی سے معلوم ہوتا ہے مگر کیا سارے انبیاء اسی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے اور مغربی ممالک یا چین و جاپان اور سندھ و ہند سے کبھی کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا؟ جبکہ قرآن کہتا ہے۔ ''وان من قریة الا وقد خلا فیھا نذیر '' (فاطر۔) ہر قریہ میں کوئی نہ کوئی نذیر گزرا ہے۔

''ولقد بعثنا فی کل امة رسولا'' (نحل۔۳۶) ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے۔ رسلا مبشرین ومنذرین'' ہمیشہ بشارت ونذارت کا فریضہ انجام دینے والے رسول آتے جاتے رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ بلا بیان اور اتمام حجت کے بغیر لوگوں کو سزا دینا خدا کی عدالت کے خلاف ہے اسلئے بعض مفسرین نے دوسرے بعض اقوام میں بعض مذہبی پیشواؤں جیسے ایران کے زرتشت اور ہند کے مہاتما بدھ وغیرہ کے متعلق یہ احتمال پیدا کیا ہے کہ شاید وہ منصب نبوت ورسالت پر فائز ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان پر آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہوں۔ جن کی مقدس تعلیمات کو بعد میں اسی طرح مسخ کر دیا گیا ہو جس طرح یہود ونصاری نے تورات وانجیل کی تعلیمات کو بھلا دیا اور ان کو خدا کا اوتار وغیرہ مان کر اسی طرح ان کے منصب کو فراموش کر دیا گیا ہو جس طرح نصرانیوں نے جناب عیسیٰؑ کے ساتھ کیا کہ انہیں نبی اللہ کے بجائے ابن اللہ تسلیم کر لیا (فصل الخطاب وتفسیر کاشف وغیرہ) علاوہ بریں یہ بشارت ہو یا نذارت، حجت کا اتمام ہو یا حق وحقیقت کا بیان۔ یہ کام نبی ورسول کے ذاتی وجود میں منحصر نہیں ہے کہ وہ ہر قریہ، ہر ملک اور ہر علاقہ میں بنفس نفیس موجود ہوں بلکہ یہ کام ان کے قائم مقام علماء، اعلام، ان کی کتب ان کی شریعت مقدسہ کے ذریعے سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ ''کما لا یخفی علی اولی الافھام ''۔ جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ۔ لم یخل سبحانه خلقه من نبی مرسل او کتاب او حجة لازمة او حجةٍ قائمة۔ (نہج البلاغہ) کہ خدائے علیم وحکیم نے اپنی مخلوق کو کبھی نبی مرسل، یا کتاب منزل یا حجت (نبی کے قائم مقام) یا واضح راستہ یعنی شریعت مقدسہ کے بغیر نہیں چھوڑتا۔ ''بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (سورہ سبا آیت۔۲۶،۲۸)۔ ''وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ'' (سورہ انبیاء آیت۔۱۰۷) صدق اللہ العلی العظیم

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى ...الآية

خدا کے جناب موسیٰؑ سے ہمکلام ہونے کا مفہوم

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ خداوند عالم کے متکلم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ زبان ودہان سے کلام کرتا ہے تاکہ اس کے بارے میں جسم وجسمانیات کا وہم وگمان ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موجد کلام ہے۔ یعنی وہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر کے مطلب برآری کرے وہ آسمان میں پیدا کرے یا زمین میں حجر میں پیدا کرے یا شجر میں، ہوا میں پیدا کرے یا فضاء میں وہ قادر وقدیر بھی ہے اور علیم وخبیر بھی۔ ارشاد قدرت ہے ''وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ '' (شوری آیت۔۵۱) کسی بندہ کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے، سوائے اس کے کہ وحی کے ذریعے سے ہو یا پس پردہ سے یا کسی پیغمبر کو بھیج کر پھر جو چاہے اپنے حکم سے وحی فرمائے کیونکہ وہ بلند مرتبہ اور بڑا حکمت والا ہے کوہ طور پر خدا نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا وہ بھی پس پردہ سے تھا کیونکہ یہ کلام ایک درخت میں پیدا کیا تھا۔ بہرحال جناب موسیٰؑ سے خدا کے ہمکلام ہونے سے نہ دوسرے انبیاء کی تنقیص مقصود ہے اور نہ جناب موسیٰؑ کی برتری کا اظہار مطلوب ہے بلکہ صرف ایک امر واقعی کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس کا خاتم النبیین پر روح الامین کو بھیج کر خدا کا ان سے کلام کرنا یا شب معراج بلاواسطہ آنحضرت سے ہمکلام ہونا اس کلام سے بدرجہا بہتر وبرتر ہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ...الآية

انبیاء ومرسلین کی بعثت کا مقصد؟

اس آیت مبارکہ میں خدائے علیم وحکیم نے انبیاء ومرسلین کی بعثت کا فلسفہ اور اصلی مقصد بیان کیا ہے کہ خدائے حکیم نے ان کو مبشر (اچھے کام کرنے والوں کو جنت کے اجر وثواب بے حساب کی خوشخبری دینے والا) اور منذر (برے کام کرنے والوں کو جہنم کے عذاب وعقاب سے ڈرانے والا) بنا کر بھیجا۔ تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہو جائے اور کوئی شخص فردائے قیامت خدا کی بارگاہ میں یہ نہ کہہ سکے کہ ''ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع اٰیاتك'' (طہٰ آیت۔۱۳۴) اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے! بہرحال اس آیت اور اس جیسی بیسیوں آیات اور سینکڑوں روایات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہے کہ انبیاء ومرسلین لوگوں تک اللہ کا دین پہنچانے کے لئے اور ان کو صراط مستقیم بتانے کے لئے۔ ثواب وعقاب بیان فرمانے کے لئے اور حق وحقیقت واضح کرنے کیلئے اور اس طرح لوگوں پر

حجت تمام کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اور خدا نے بھیجے ہیں۔ وہ نظام ربوبیت چلانے میں خدا کی مدد کرنے، یا لوگوں کو اولاد و جائیداد دینے کے لئے یا خلق و رزق اور موت و حیات جیسے امور تکوینیہ کی انجام دہی کے لئے نہیں آئے۔ لہذا ان سے وہی فیض حاصل کرنا چاہیے جس کے لئے وہ تشریف لائے ہیں۔ اور ان سے ان چیزوں کا سوال نہیں کرنا چاہیے جو ان کے منصب سے وابستہ ہی نہیں ہیں۔ اسی قرآنی بیان سے ان کے اوصیا کی حیثیت کا تعین بھی ہو جاتا ہے کہ وہ بعثت انبیاء کی تکمیل میں ان کے قائم مقام ہوتے ہیں اور نظام ربوبیت چلانے میں خدا کے قائم مقام اور اس کے شریک نہیں ہوتے

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ...الآیۃ ۱۶۳

اس آیت کی شان نزول میں وارد ہے کہ کچھ یہودی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا تم تو جانتے ہو کہ میں رسول ہوں مگر انہوں نے انکار کیا تو خداوند عالم نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ آپ کے رسول برحق ہونے کی گواہی نہیں دیتے تو نہ دیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اللہ گواہی دیتا ہوں اور میرے فرشتے گواہ ہیں کہ تو میرا رسول ہے (مجمع البیان)۔

بے شک خدا نے مختلف اعصار و ادوار میں مختلف نبیوں اور رسولوں پر مختلف آسمانی و الہامی کتابیں نازل کی ہیں مگر ان کی حیثیت دلائل نبوت اور معجزہ نبوت کی نہ تھی۔ مگر قرآن تو اپنی غیر معمولی فصاحت و بلاغت اور دیگر وجوہ اعجاز کی وجہ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت خاتمیہ کا معجزہ خالدہ ہے۔ جو اپنے نزول سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر آفتاب قیامت کے طلوع ہونے تک معجزہ تھا، معجزہ ہے اور معجزہ رہے گا۔ لہذا اللہ سبحانہ نے اپنے قول و فعل سے اور جبرئیل امین وغیرہ فرشتے جو اس معجز نظام کو لے کر اترے ہیں سب گواہ ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام حق ترجمان ہے اور آپ اس کے نبی مرسل ہیں۔ وکفی باللہ شہیدا۔ اور گواہی کے لئے تو بس اللہ ہی کافی ہے۔ ع

سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں اسے۔

آیات القرآن

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

يَسِيْرًا ﴿۱٦۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ
فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ
دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ
مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا گمراہی میں بہت دور نکل گئے (١٦٧) بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ظلم وستم کیا، اللہ انہیں بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں کوئی راستہ دکھائے گا (١٦٨) سوا جہنم کے کوئی راستہ کہ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے (١٦٩) اے لوگو! تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے رسول حق لے کر آ گیا ہے پس ان پر ایمان لاؤ۔ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر انکار کروگے تو (اللہ کا کیا نقصان کروگے) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ہے (١٧٠) اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں نہ کہو مگر سچی بات جناب عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اس نے مریم کی طرف بھیجا۔ اور اللہ کی طرف سے ایک خاص روح ہیں۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور تثلیث (یعنی تین خداؤں) کے قائل نہ ہو۔ اس سے باز آ جاؤ (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ تو صرف ایک ہے۔ اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے

سب اسی کا ہے اور اللہ کارسازی کے لئے کافی ہے (۱۷۱)

تفسیر الآیات

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...الآیۃ

مفسرین اسلام نے لکھا ہے کہ یہ علامات کہ "خود دین اسلام کا انکار کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کی سیدھی راہ سے روکا" اسلئے بہت سخت گمراہ ہیں اور اپنی گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ چونکہ یہود میں بدرجہء اتم پائے جاتے ہیں لہٰذا اس کے مصداق وہی ہیں (تفسیر کبیر رازی وغیرہ) مگر بموجب المورد لا یخصص الوارد۔ یہ بات صرف یہود میں منحصر نہیں ہے بلکہ جو بھی قوم وقبیلہ حق کا انکار کرے اور مختلف شکوک وشبہات پیدا کر کے اللہ کے بندوں کو قبول حق سے روکے وہ یہود ہوں یا ہنود نصرانی ہوں یا مجوسی یا کوئی اور قوم وہی اس وعید وتہدید کے مصداق ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...الآیۃ

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور خود کفر کر کے اور لوگوں کو راہ راست سے روک کر اپنے او پر اور دوسروں پر بھی ظلم کیا۔ یقینا خدا ان کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں جہنم کے راستہ کے سوا اور کوئی راستہ دکھانے والا ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں سے تمام کفار ومشرکین اور دشمنان اسلام مراد ہیں مگر بعض مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ سابقہ آیت یہود سے متعلق ہے جو شکوک وشبہات پیدا کر کے لوگوں کو قبول حق سے منع کرتے تھے مگر یہ آیت ان مشرکین سے متعلق ہے جنہوں نے پیغمبر اسلام اور دوسرے اہل ایمان کے خلاف اعلان جنگ کر کے اور پھر مسلسل جنگیں لڑ کے لوگوں پر ظلم کیا اور بزور شمشیر ان کو حلقہ بگوش اسلام ہونے سے روکا اور "قد ضلوا واضلوا کثیرا" کے مصداق قرار پائے۔ یعنی خود گمراہ ہوئے اور بہت سوں کو گمراہ کیا۔ "اعاذنا اللہ من ھذہ لسبحیۃ الغیر المرضیۃ"۔ اور ظاہر ہے کہ جو ضال ہونے کے ساتھ ساتھ مضل بھی ہو خدا ہرگز اسے نہیں بخشتا اور نہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاس ...الآیۃ

پیغمبر اسلام کی آمد کا اعلان

اس آیت مبارکہ میں خالق کون ومکان ہر زمان اور ہر مکان کے انسان کو خطاب کر کے اعلان عام کر رہا

ہے کہ آخری پیغمبرؐ برحق آچکا ہے ان پر ایمان لاؤ۔ان کی اطاعت کرو۔ان کے امر و نہی کے سامنے گردنیں خم کرو۔اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ''۔اور اگر ان پر ایمان نہیں لاؤ گے اور ان کی اطاعت نہیں کروگے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔خدا کا اس میں کوئی ضرر وزیاں نہیں ہے۔کیونکہ وہ مالک الملک اور خالق الخلق ہے۔اور تمام کائنات سے بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔اور وہ علیم ہے اسلئے لوگوں کی اطاعت گذاری و معصیت کاری اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور پھر چونکہ حکیم بھی ہے۔لہٰذا اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہر شخص کے ساتھ اس کی روش و رفتار کے مطابق سلوک کرے گا۔یعنی نیکوکاروں کو جزا دے گا اور بدکاروں کو سزا دے گا۔

یَآَهۡلَ الۡکِتٰبِ...الآیۃ۱۷۱

غلو کے لغوی اور شرعی مفہوم کی وضاحت

غلو کے لغوی معنی ہیں کسی کے جوش محبت وعقیدت میں اسے اس کے مقررہ مقام سے بڑھانا اور حد اعتدال سے تجاوز کرکے بہت دور تک چلا جانا اور اسے خدا کے درجہ تک پہنچانا۔جبکہ اس کے بالمقابل تقصیر کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی عداوت و دشمنی کی وجہ سے اسے اس کے اصلی مقام سے نیچے گرانا۔

ہمیشہ لوگ بزرگوں کے بارے میں افراط وتفریط میں گرفتار رہے ہیں

اقوام عالم کی ''تاریخ'' گواہ ہے کہ ہمیشہ لوگ بزرگان دین کے بارے میں افراط وتفریط میں مبتلا رہے ہیں۔ہمیشہ عقیدت مند جوش عقیدت کی بنا پر ان کو ان کے حقیقی منصب ومقام سے بڑھاتے رہے ہیں۔اور دشمن جوش عداوت کی بنا پر انہیں ان کے اصلی مقام سے گراتے رہے ہیں۔یہی جذبہ عقیدت تھا۔جس نے یہود کو آمادہ کیا کہ وہ جناب عزیز۔کو ابن اللہ کہیں اور اسی جذبہ نے عیسائیوں کو آمادہ کیا کہ وہ جناب عیسیٰؑ کو ابن اللہ قرار دیں اور یہی جذبہ عداوت تھا جس نے یہود کو آمادہ کیا کہ وہ جناب عیسیٰؑ اور ان کی والدہ ماجدہ مریم بتول پر غلیظ ترین اتہام لگائیں اور انہیں ایک عام شریف آدمی تسلیم کرنے سے بھی انکار کردیں اور یہی سلوک حضرت پیغمبر اسلامؐ اور ان کے حقیقی جانشین حضرت علیؑ کے ساتھ کیا گیا۔چنانچہ نادان چاہنے والوں نے جوش عقیدت میں انہیں خدا، اور خدا کا اوتار مان لیا اور مخالفین نے نبیؐ کی نبوت اور علیؑ کی ولایت کا بھی انکار کردیا جوش عقیدت والوں نے حضرت علیؑ کو خدا سے بھی بڑھا دیا اور جوش عدوات والوں نے ان کو امیر شام سے بھی گھٹا دیا۔اسی لئے حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''سیھلك فی اثنان ولا ذنب لی محب غال مبغض قال۔دو

قسم کے آدمی میرے بارے میں ہلاک وبرباد ہوجائیں گے مگر میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے ایک (نادان) دوست جو جوش عقیدت میں مجھے میرے مقام سے بڑھائے گا اور دوسرا (نادان) دشمن جو جوش عداوت میں مجھے میری منزل سے گرائے گا۔ (نہج البلاغہ) چونکہ ہر چیز میں اعتدال اچھا ہوتا ہے اور یہی صراط مستقیم ہے اس لئے خدا نے عیسائیوں سے فرمایا کہ اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو۔ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ اس کے عبد ہوکر اس کے رسول ہیں وہ فرزند مریم ہیں، ابن اللہ نہیں ہیں۔ وہ کلمۃ اللہ ہیں، یعنی باپ کے بغیر صرف خالق اکبر کے کلمہ کن سے ان کی تخلیق ہوئی ہے۔ وہ روح اللہ ہیں، یعنی ان کی روح اللہ کی خاص مقدس روح ہے۔ بہرحال تثلیث کے قائل نہ بنو اور تین خداؤں، باپ، بیٹا اور روح القدس کا اعتقاد نہ رکھو اس سے باز آجاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ خدا ایک ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اسی کا ہے اور وہ کارسازی کے لئے کافی ہے مگر اس کے باوجود بموجب۔ ع۔

جنہیں ہوڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

خدا نے لوگوں کو غلو سے منع فرمایا۔ رسولؐ نے روکا اور حضرت علیؑ نے ایسا کرنے والوں کو ٹوکا مگر احمق ہیں جو برابر آج تک غلو کررہے ہیں اور اپنی عاقبت کو تباہ وبرباد کررہے ہیں۔ اور کچھ عقل وخرد سے عاری لوگ تو جوش محبت میں یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ان ذوات مقدسہ کے حق میں غلو ہو ہی نہیں سکتا۔

گویند غالیم بثنائے تو یا علیؑ
حق اینکہ من زحق ثنائے تو قاصرم

غلو کے بعض اقسام کا بیان

لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ غلو کے بعض انواع واقسام کا یہاں اجمالاً تذکرہ کردیا جائے تاکہ لوگوں کو چاہ ضلالت میں گرنے سے بچایا جاسکے۔ سرکار علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ نے سابع بحارالانوار میں ان اقسام کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا ہے۔ بنظر اختصار ان کے کلام وبیان کے ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے فرماتے ہیں جاننا چاہیے کہ نبی وامام کے بارے میں کئی طرح غلو متصور ہوسکتا ہے۔

۱۔ ان کو خدا قرار دیا جائے

۲۔ معبود اور خالق ہونے میں انہیں شریک خدا سمجھا جائے

۳۔ یا ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ خدا نے ان کے اندر حلول کیا ہوا ہے۔

۴۔ خدا ان کے ساتھ متحد ہے

۵۔ یہ بزرگوار وحی والہام ربانی کے بغیر علم غیب پر اطلاع رکھتے ہیں
۶۔ آئمہ اہلبیت علیہم السلام کو نبی ورسول تسلیم کیا جائے۔
۷۔ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ان کی روحیں ایک دوسرے میں منتقل ہوتی رہتی ہیں
۸۔ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان ذوات مقدسہ کی معرفت آدمی کو خدا کی عبادت سے بے نیاز کردیتی ہے۔
۹۔ ان کی محبت ہو تو گناہ سے بچنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی
۱۰۔ ان ذوات مقدسہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ خدائے قدیر وخبیر نے حضرت نبیؐ وعلیؑ کو پیدا کرکے باقی تمام کائنات کے خلق کرنے، اسے روزی دینے اور مارنے وجلانے اور کائنات کا نظام چلانے کا محکمہ ان کے سپرد کردیا ہے۔ یہ آخری عقیدہ تفویض کہلاتا ہے اور مسلم ہے کہ **المفوضه صنف من الغلاة** یعنی مفوضہ فرقہ بھی غالیوں کی ایک قسم ہے (شرح عقائد شیخ صدوق از شیخ مفید۔ص ۲۱۱)

غالیوں کی مذمت

قرآن وسنت غلو اور غالیوں کی مذمت سے چھلکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بنظر اختصار ان ارشادات کے یہاں پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ تفصیل کے شائقین ہماری کتاب "**احسن الفوائد** اور **اصول الشریعه**" کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں صرف حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ کے رسالہ اعتقادیہ سے غلات اور مفوضہ کے بارے میں صحیح شیعی نظریہ پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں "**در اعتقاد نافی الغلاة ولمفوضه انهم کفار بالله جل اسمه وانهم شر من الیهود والنصاری والمجوس والقدریه والحروریة ومن جمیع اهل البدع ولابواء المضلة**" یعنی غالیوں اور مفوضہ کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ لوگ (فی الحقیقت) خداوند عالم کی ذات کے منکر ہیں اور یہ لوگ یہود، نصاری، مجوس اور خوارج وغیرہ تمام اہل بدعت اور تمام گمراہ نظریات رکھنے والے لوگوں سے بدتر ہیں۔ (رسالہ اعتقادیہ، شیخ صدوق علیہ الرحمۃ) مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ غلو سے قرآن وسنت کی اس قدر ممانعت ومناہی کے باوجود لوگوں کی اکثریت آج بھی دینی معاملات کے بارے میں اعتدال کے بارے میں راہبروں اور رہنماؤں کے بارے میں انبیاء وائمہ کے بارے میں اعتدال کا دامن چھوڑ کر غلو وافراط میں مبتلا نظر آتی ہے۔ کوئی ان کو مظہر نور خدا (خدا کا اوتار) کہتا ہے، کوئی انہیں خدائی صفات وکمالات کا حامل قرار دے رہا ہے کوئی ان کو خدا سے متحد کہہ رہا ہے اور کوئی انہیں خدا سے بھی بڑھا رہا ہے۔ الغرض بجائے اس کے کہ لوگ اپنے پیروں، فقیروں (جس کا

اسلام میں کوئی تصور ہی نہیں ہے) اور اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کی سیرت وکردار اور ان کی روش ورفتار کو قرآن وسنت پر پیش کر کے انہیں پرکھتے اور پھر فیصلہ کرتے کہ آیا ان کی سیرت وروش قرآن وسنت کے مطابق ہے یا مخالف؟ سو اگر موافق ہوتی تو ان کو پیشوا مانتے ورنہ ان کو چھوڑ دیتے مگر لوگوں نے قرآن وسنت کو اپنے پیشواؤں کی پشت سے باندھ دیا ہے لہٰذا وہ قرآن وسنت کو تو چھوڑ سکتے ہیں مگر اپنی اندھی تقلید کے ماتحت اپنے نام نہاد پیروں اور پیشواؤں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

آیات القرآن

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓىٕكَةُ
الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ
اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ
اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا
وَاسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۷۳﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا
بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا
مُّسْتَقِیْمًا ﴿۱۷۵﴾ؕ یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا
هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ
لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ
وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ یُبَیِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾

ترجمۃ الآیات

عیسیٰ مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں اپنے لئے عار نہیں سمجھتے اور نہ ہی مقرب فرشتے اس میں اپنے لئے کوئی عار محسوس کرتے ہیں اور جو اس کی بندگی میں ننگ و عار محسوس کرے گا اور تکبر کرے گا اللہ سب کو جلد اپنی طرف محشور فرمائیگا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کئے ہوں گے انہیں ان کا پورا پورا صلہ و ثواب دے گا اور اپنے فضل و کرم سے انہیں مزید بھی عطا فرمائے گا۔ اور جنہوں نے (اس کی بندگی سے) ننگ و عار محسوس کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا ان کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ اور وہ اللہ کے سوا نہ کوئی سرپرست پائیں گے اور نہ کوئی یار و مددگار (۱۷۳) اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (روشن) دلیل آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف نمایاں نور اتارا ہے (۱۷۴) سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور مضبوطی سے اس کا دامن پکڑا تو ضرور اللہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریگا۔ اور ان کو اپنے سیدھے راستہ پر لگا دے گا (۱۷۵) اے رسول یہ لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کا آدھا ترکہ اس کا ہوگا۔ اور اگر وہ (بہن) مرجائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو (اور ایک بھائی) ہو تو وہ اس کے پورے ترکہ کا وارث ہوگا۔ اور اگر کسی مرنے والے کی دو بہنیں ہوں تو ان کا اس کے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہوگا۔ اور اگر کئی بھائی بہن ہوں یعنی مرد عورت دونوں ہوں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے (۱۷٦)

تفسیر الآیات

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ ... الآیۃ ۱۷۲

جناب عیسیٰؑ بندہ خدا ہونے میں کوئی عار نہیں بلکہ فخر سمجھتے ہیں

اس کی شان نزول میں مروی ہے کہ نصاریٰ نجران کے نمائندہ وفد نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے صاحب (ساتھی یعنی عیسیٰؑ) پر عیب کیوں لگاتے ہیں؟ آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا صاحب

کون ہے؟ عرض کیا جناب عیسیٰؑ! فرمایا کیا میں ان پر عیب لگا تا ہوں؟ کہا آپ ان کو عبد خدا کہہ کر اس کا رسول مانتے ہیں۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی (مجمع البیان) مطلب یہ ہے کہ عیسائی خواہ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہیں یا جزو خدا بنائیں خود عیسیٰ تو اپنے کو بندہء خدا کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے اپنے لئے سرمایہ ہزار عز وافتخار جانتے ہیں۔ جیسا کہ اپنی ولادت کے چند گھنٹے بعد آپ نے بحکم خدا اعلان فرمایا تھا کہ ''انی عبداللہ'' (میں بندہ خدا ہوں) حضرت امیر علیہ السلام جنہیں خدا نے قرآن میں نفس نبی کہا ہے اور پیغمبر اسلام نے انہیں دین ودنیا میں اپنا بھائی قرار دیا ہے اور امت کے جاہلوں اور گمراہوں نے آپ کو خدا ٹھہرایا ہے۔ خود بارگاہ رب العزت میں یوں اپنی عبودیت وبندگی پر فخر وناز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ''الھی کفی بی عزا ان اکون لك عبدا او کفی لی فخرا ان تکون لی ربا الھی وجدتك کما احب فاجعلنی کما تحب'' (نہج البلاغہ) ''اے میرے معبود میری عزت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر وناز کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے بار الہا میں جیسا چاہتا تھا تجھے ایسا پالیا اب تو بھی مجھے ایسا بنائے رکھ جس طرح تو مجھے دیکھنا چاہتا ہے۔

ازالہء اشتباہ

تمام امامیہ اور دیگر محققین اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں مگر اس آیت سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ نہ جناب عیسیٰؑ عبد خدا ہونے میں عار محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی ملائکہ مقربین۔ ظاہر ہے کہ ایسے مقام پر ادنی سے اعلی کی طرف ترقی کی جاتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ اس بات میں نہ وزیر عار سمجھتا ہے اور نہ بادشاہ۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ مقربین مل کر تنہا جناب عیسیٰؑ سے افضل ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ امامیہ اور دیگر محققین کا نظریہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر انبیاء مجموعی طور پر ملائکہ سے افضل ہیں یا ہر نبی ہر ملک سے افضل ہے۔ وبس لہٰذا اگر تمام ملائکہ کسی ایک نبی سے افضل ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بہر حال آخر میں خدائے قہار نے دھمکی دی ہے کہ جو لوگ خدا کی بندگی میں ننگ وعار محسوس کریں گے اور غرور وپندار کا اظہار کریں گے تو وہ بہت جلد ان کو اپنی بارگاہ میں محشور فرمائے گا اور انہیں عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآیۃ ۱۷۳

ہاں البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو بے شک اللہ رب العزت ان کو پورا پورا صلہ وثواب

دے گا اور اپنے فضل وکرم سے (صلہ سے بھی) زیادہ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ اس نے کہیں ایک کے بدلے دس کہیں ایک کے عوض ستر کہیں ایک کے بدلے سات سو اور کہیں اضعاف کثیرہ کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک کے بدلے ایک سے زیادہ عطا کرنا خدا کا فضل وکرم ہی ہے۔ **واللہ ذو الفضل العظیم۔**

يَآأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآئَكُم ...الاية

مفسرین اسلام کا قریبا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت مبارکہ میں برہان سے مراد حضرت رسولؐ ہیں اور نور مبین سے قرآن کریم مراد ہے جیسا کہ سورہ مائدہ کی اس آیت سے بھی روشن ہے۔ **قدجاء کم من الله نور و کتاب مبین**'' خدائے علیم وحکیم نے آنحضرتؐ کی ذات جامع الکمالات، آپ کے اخلاق عالیہ اور آپ کے صفات جلال و جمال کو آپ کی نبوت ورسالت اور آپ کی صداقت کی وہ ناقابل رد دلیل و برہان قرار دیا ہے کہ جس کے بعد کسی اور دلیل و برہان کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اور قرآن مجید وہ نور مبین ہے جس سے حق کی تجلیاں پھوٹ رہی ہیں اور وہ آپ کی صداقت کا وہ معجزہ خالدہ ہے اور اس سے آپ کی حقانیت اسقدر آشکار ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزہ کی ضروت ہی نہیں رہتی تفصیل معلوم کرنے کے لئے اس تفسیر کے مقدمات میں سے دوسرا مقدمہ دیکھا جائے۔

فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآیة ۱۷۵

جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ انہیں اپنی رحمت اور فضل وکرم میں داخل کرے گا۔ (جنت الفردوس میں داخل فرمائیگا) اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والی سیدھی راہ پر لگا دے گا۔ یہ آیت ایسی واضح اور محکم آیات میں سے ہے جو اپنے مطلب ومفہوم کے واضح و آشکار ہونے کی وجہ سے مزید کسی تفسیر وتشریح کی محتاج نہیں ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ...الآیة ۱۷۶

کلالہ کا مفہوم اور اس کی وراثت کا بیان

اس آیت میں کلالہ کی وراثت بیان کی گئی ہے۔ کلالہ یعنی، بھائی، بہن کی میراث کیونکہ کلالہ اسے کہا جاتا ہے جس کی اولاد لڑکا یا لڑکی موجود نہ ہو۔ اور نہ ہی والدین زندہ ہوں۔ ہاں صرف ایک بھائی یا ایک بہن یا چند بھائی بہن موجود ہوں۔ پھر یہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ پدری و مادری یعنی سگے بھائی۔ ۲۔ صرف پدری بھائی (اس طرح سوتیلے ہوں کہ باپ ایک ہو مگر مائیں

جداجدا)۔ ۳۔صرف مادری بھائی (اس طرح سوتیلے ہوں کہ ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ) اسی سورہ نساء کی ابتداء میں پارہ نمبر ۴ کے اندر جہاں والدین، اولاد اور زن وشوہر کی میراث کے حصص واحکام بیان ہوئے ہیں وہاں کلالۃ کی میراث کا بیان بھی ہوا ہے کہ ''وان کان رجل یورث کلالۃ او امراءۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر من ذلك فھم شرکاء فی الثلث'' جس کا لب لباب یہ ہے کہ کلالہ ایک ہے۔ تو اس کا چھٹا حصہ ہے اور اگر ایک سے زائد ہو تو اسے ایک تہائی حصہ ملے گا۔ مگر یہاں کلالہ کی جو میراث بیان کی گئی ہے اس کی مقدار اور ہے؟ تو کیا قرآن میں اور اس کی بھی ایک ہی سورہ کی ابتداء اور انتہا میں اختلاف ہے؟ معاذ اللہ۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ صحیح وارثان قرآن یعنی سرکار محمد وال محمد علیہم السلام نے جو منجانب اللہ ترجمان قرآن ہیں۔ انہوں نے وضاحت فرمائی ہے کہ سورہ کی ابتداء میں جس کلالہ کی میراث بیان ہوئی ہے اس سے کلالۃ الام مراد ہے یعنی وہ اخیافی بہن بھائی جن کی ماں ایک ہو اور باپ مختلف ہوں۔ اور یہاں جس کلالہ کی میراث بیان کی جارہی ہے اس سے کلالۃ الابوین (وہ سگے بہن بھائی جن کے ماں باپ ایک ہوں) اور کلالۃ الاب مراد ہے یعنی وہ سوتیلے بہن بھائی جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک معلمان ربانی کی تشریح وتوضیح نہ ہو تب تک قرآنی حقائق کی سمجھ نہیں آتی اس لئے تنہا قرآن کافی نہیں ہے۔ اس لئے پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا تھا ''انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی'' بہرحال جس کلالہ کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے اس کی چند شقیں ہیں۔ ۱۔ ایک شخص مرجائے مگر اس کی اولاد نہ ہو اور نہ ہی والدین زندہ ہوں۔ ہاں البتہ صرف اس کی ایک پدری مادری یا صرف پدری بہن موجود ہو تو اسے نصف ترکہ ملے گا۔ ۲۔ بہن کا انتقال ہوا مگر اس کی اولاد نہ ہو اور نہ ہی والدین موجود ہوں جبکہ صرف ایک پدری ومادری یا صرف پدری بھائی زندہ ہو تو وہ پورے ترکہ کا وارث ہوگا۔ ۳۔ ایک شخص کا انتقال ہوا نہ اس کی اولاد ہے اور نہ ہی والدین زندہ ہیں مگر اس کی دو پدری ومادری یا صرف پدری دو بہنیں موجود ہیں تو انہیں دو ثلث یعنی دو تہائی ترکہ ملے گا۔ ۴۔ اور اگر مذکورہ بالا صورت میں وارثوں میں پدری ومادری یا صرف پدری بھائی بہن موجود ہوں تو وراثت میں بھائی کو دہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا۔

یُبَیِّنُ اللہ...الآیۃ ۱۷۶

خداوند علیم وحکیم نے وراثت وغیرہ کے احکام پوری وضاحت اور تفصیل سے بیان کرنے کی غرض وغایت یہ بیان فرمائی ہے کہ تم اجمال کا بہانہ بنا کر اور اپنی مخصوص مصلحتوں کا شکار ہو کر گمراہ نہ ہو جاؤ۔ یہ اسلامی احکام وتعلیمات اس قدر جامع اور مکمل بلکہ اکمل ہیں کہ جن میں کسی قسم کا نقص وعیب اور کسی قسم کا کوئی خلل وریب نہیں ہے کیونکہ یہ اس خدا کے وضع کردہ ہیں جو قادر ہے اور قیوم بھی۔ عادل بھی ہے اور باذل بھی اور سب سے بڑھ کر وہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ ذلک تقدیر العزیز الحکیم۔

سُوۡرَۃُ الۡمَآئِدَۃ

سورہ مائدہ مدینہ میں نازل ہوا

آیاتہا ۱۲۰ رکوعاتہا ۱۶۔ کلماتہا ۲۸۸۲ حروفہا ۱۲۴۶۴

سورہ مائدہ کے مضامین وعناوین کی مختصر مگر جامع فہرست

اس سورہ مبارکہ میں چونکہ حضرت عیسیٰؑ پر آسمان سے اترنے والے مائدہ (دسترخوان) کا تذکرہ موجود ہے۔ جو کسی دوسرے سورہ میں نہیں اس کی بنا پر اس کا نام مائدہ ہوا ہے۔ حالات وواقعات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس سورہ کا مدینہ منورہ میں نزول صلح حدیبیہ ۶ ھ سے شروع ہوا۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے اختتام کو پہنچا۔ چنانچہ اس کی آیت ''الیوم اکملت لکم'' کے متعلق تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بمقام غدیر خم ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ھ کو نازل ہوئی۔

یہ سورہ درج ذیل اہم مضامین وعناوین پر مشتمل ہے۔

۱۔ چونکہ اس خوان کے علاوہ جو جناب عیسیٰؑ پر اتارا گیا تھا خدا کا خوان نعمت دار دنیا میں بچھا ہوا ہے۔ جس سے ساری کائنات اپنے حصہ کا رزق کھا رہی ہے۔ اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اداء شکر کے طور پر خدا وخلق سے کئے ہوئے عہد وپیمان کو پورا کیا جائے۔ خاص طور پر بین الاقوامی معاہدات کی پابندی اخلاقا لازمی ہے۔ وعدہ حلیف سے ہو یا حریف سے، دوست سے ہو یا دشمن سے، مسلمان سے ہو یا کافر سے بہرحال اس کو پورا کرنا چاہیے۔

۲۔ شکار کرنے کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ خاص طور پر احرام کی حالت میں شکار کرنے کا شرعی حکم بیان کیا گیا ہے نیز اس میں شکاری کتے سے شکار کرنے کا حکم بھی بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ لوگوں سے تعلقات کی اساس اس بات پر ہونی چاہیے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں باہمی تعاون کیا جائے۔

۴۔ مردار، خون اور لحم خنزیر وغیرہ کے کھانے کی حرمت کا بیان

۵۔ بمقام غدیر خم حضرت علیؑ کی ولایت اور ولیعہدی اور دین اسلام کی تکمیل واتمام نعمت کا اعلان کیا گیا ہے۔

۶۔وضواور تیمم کی ترتیب اوران کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

۷۔اب چونکہ مسلمان ایک حکمران گروہ کے روپ میں نمودار ہورہے تھے اور طاقت کا نشہ اکثر و بیشتر آدمی کو گمراہ کردیتا ہے اس لئے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ دوست ودشمن سب کے ساتھ عدل وانصاف کریں اوراپنے فیصلے کتاب الٰہی کے مطابق کریں۔مصلحتوں کا شکار نہ ہوں اور خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کریں اور جاہلیت کے احکام کی اتباع نہ کریں۔

۸۔نکاح دائمی ومنقطع کے شرائط واحکام اورزن کتابیہ سے عقد منقطع کرنے کی اجازت

۹۔شراب اور جوئے کی حرمت کا بیان۔اور بغاوت وفساد پھیلانے اور چور کی سزا کہ تعیین اور قانون شہادت میں مزید اضافہ

۱۰۔قسم توڑنے کا کفارہ

۱۱۔بارہ سرداروں کا تذکرہ

۱۲۔یہود ونصاری جن کا اب زور ٹوٹ رہا تھا انہیں ان کے غلط نظریات پر ٹو کا گیا ہے اور انہیں گمراہی پھیلانے سے روکا گیا ہے اوران کو پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

۱۳۔قتل ناحق کی حرمت اوراس کا بدانجام بیان کیا گیا

۱۴۔ہابیل وقابیل کے واقعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۵۔شریعت اسلامیہ کی بعض جزئیات ، مذہبی ،تمدنی زندگی کے بارے میں مزید ہدایات اورحج کے آداب،شعائراللہ کی تعظیم وتکریم اورحجاج بیت اللہ سے عدم تعرض کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

۱۶۔وسیلہ اختیار کرنے کا حکم

۱۷۔امت کے مرتد ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے۔

۱۸۔نصاری کی رد اور عقیدۂ تثلیث کا ابطال کیا گیا ہے۔

۱۹۔یہود کے نظریے ید اللہ مغلولۃ کا ذکر اور اس کی رد اور خدا کے فاعل مختار اور قادر مطلق ہونے کا اثبات

۲۰۔عام شہادت میں دو عادل گواہوں کی ضرورت

۲۱۔تورات وانجیل اور قرآن کی تعلیمات علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ تمام آسمانی صحف وکتب ایک ہی آسمانی وربانی چشمہ صافی سے سیراب ہوتی ہیں اور جو کچھ آسمانی صحف وکتب میں نور ہدایت موجود ہے۔وہ

سب کچھ قرآن میں جمع کر دیا گیا ہے اور مزید برآں اس میں عبادات، معاملات، اخلاقیات، وتمدنیات اور معاشریات وسیاسیات کا وہ جامع نظام اور مکمل ضابطہ حیات موجود ہے۔ جو ان کتابوں میں نہیں تھا۔ مسلمانوں کو اس میں جا بجا یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یہود ونصاری نے تو آسمانی انوار وہدایات سے استفادہ نہیں کیا تھا۔ کہیں تم بھی ان لوگوں کے نقش قدم پر نہ چلنا بلکہ ان ربانی احکام وہدایات سے کما حقہ فائدہ اٹھانا۔ اور دنیا وآخرت میں کامیابی حاصل کرنا۔

۲۲۔ حضرت عیسیٰؑ کا عیسائیوں کے غلط عقائد اور غلط نظریات سے اپنی برات ظاہر کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ

اظہار تشکر

اور ان سب باتوں سے بڑھ کر اس سورہ کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ اس میں سرکار ختمی مرتبتؐ کے مقدس ہاتھوں پر دین اسلام کی تکمیل اور خدا کی نعمتوں کے اتمام کا اعلان ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب خدائے علیم وحکیم نے جناب آدم صفی اللہؑ کو اس خاکدان عالم میں انعام نبوت سے سرفراز فرما کر بھیجا تھا تو انہوں نے پروردگار کے حکم کے تحت دو عمارتوں کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ ایک دین کی عمارت، دوسری اخلاق کی عمارت جوں جوں نبی ورسول آتے رہے وہ برابر ان عمارتوں میں چند اینٹیں لگاتے رہے حتیٰ کہ جناب عیسیٰؑ تشریف لائے اور ادائیگی فرائض کے بعد زندہ آسمان پر اٹھائے گئے مگر کوئی عمارت بھی مکمل نہ ہو سکی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتبان قضا وقدر نے ان دونوں عمارتوں کی تکمیل کی سعادت عبداللہ وآمنہ کے لعل اور حسنؑ وحسینؑ کے جد بزرگوار یعنی اقلیم ختم رسالت کے تاجدار حضرت محمد مصطفٰے واحمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حصہ میں لکھ دی تھی۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور اس وقت تک اس عالم آب وگل سے عالم بالا کی طرف تشریف نہیں لے گئے جب تک خداوند عالم نے ان کے مقدس ہاتھوں پر ان دونوں عمارتوں کی تکمیل نہیں کرا دی۔ ادھر آنحضرت کے اس اعلان کہ ''انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ''۔ اخلاق والی عمارت مکمل ہوئی اور ادھر خدا کے اعلان'' الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا '' سے دین والی عمارت مکمل ہوئی۔ الحمدللہ علی اکمال الدین واتمام النعمۃ

مخفی نہ رہے کہ اس عمارت کی تکمیل کی آخری اینٹ کا نام ''ولایت علیؑ'' ہے۔ والحمد للہ الذی رزقنا ھذہ السعادہ ''حجۃ الوادع سے واپسی پر بمقام غدیر خم بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ وہ ساعت کس قدر سعید ہوگی اور وہ وقت کتنا مبارک ہوگا جب تکمیل دین کا اور اتمام نعمت کا ایمان افزا اعلان ہوا ہوگا۔ اس وقت

صحابہ کرام کے روحانی کیف وسرور کا کیا عالم ہوگا؟ اہلبیت نبوتؑ کی روحانی مسرت وشادمانی کی کیا کیفیت ہوگی؟ تمام کائنات سماوی وارضی اور تمام مخلوقات علوی وسفلی کی خوشی وخرمی کی کیا نوعیت ہوگی؟ اور پھر ساری کائنات نے اس کیف وسرور کا اظہار کس طرح کیا ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے قلم دو (۲) زبان عاجز وحیران ہے۔

ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے؟

الحمد لله على هذه النعمة الكبرى والمنحة العظمى۔ "ذلك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم"۔

اس سورہ کی فضیلت

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورہ مائدہ آخری سورہ ہے جو آنحضرتؐ پر مدینہ میں نازل ہوئی، لہٰذا یہ ناسخ تو ہے مگر منسوخ نہیں ہے۔ (مجمع البیان)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مری ہے فرمایا جو شخص ہر خمیس (جمعرات) کے دن سورہ مائدہ پڑھے گا اس کا ایمان کبھی ظلم سے آلودہ نہ ہوگا اور وہ کبھی مشرک نہ بنے گا۔ (مجمع البیان)

جناب ابوحمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے کہ سورہ مائدہ یکبارگی نازل ہوئی تھی ۰ اور اس کے ساتھ مشایعت کے لیے) ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے تھے (ایضا)

آیات القرآن

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ
اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللهَ يَحْكُمُ
مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللهِ وَلَا الشَّهْرَ
الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْىَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ
تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٢ حُرِّمَتْ
عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا
مَا ذَكَّيْتُمْ ۗ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۗ
ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا
تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۗ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۗ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ
مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٣

ترجمۃ الآیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو تمہارے لئے چوپائے۔ مویشی حلال کردیئے گئے ہیں۔ سوائے ان کے جن کا ذکر تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا۔ ہاں جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ سمجھو۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے (۱) اے ایمان والو! خدا کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ قربانی والے جانور کی اور نہ گلے میں پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کی اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو اپنے پروردگار کا فضل و کرم اور اس کی رضا مندی کے طلبگار بن کر بیت الحرام (مقدس گھر) کی طرف جارہے ہیں اور جب احرام ختم ہوجائے (یا حرم سے باہر نکل جاؤ) تو شکار کرسکتے ہو۔ اور خبردار تمہیں کسی قوم سے عداوت کہ اس نے تمہیں مسجد الحرام سے روکدیا تھا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس پر) ظلم

وزیادتی کرو۔ اور نیکی و پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (۲) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھٹا ہوا، یا جو چوٹ لگنے سے یا بلندی سے گر کر، یا سینگ لگنے سے مرجائے یا جسے کسی درندہ نے کھایا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے ذبح کرلیا ہو۔ اور وہ (بھی حرام ہے) جو قربان کیا جائے بتوں پر (یا کسی آستانے پر) نیز (وہ بھی حرام ہے) جو قرعہ کے تیروں سے تقسیم کیا جائے۔ یہ سب کام فسق (گناہ) ہیں آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور تمہارے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کرلیا ہے ہاں جو بھوک کی شدت سے مجبور ہوجائے (اور حرام چیزوں سے کوئی کھالے) جبکہ گناہ کی طرف راغب نہ ہو تو اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے (۳)

تفسیر الآیات

یَآ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡآ ...الآیۃ

عقود عقد کی جمع ہے اور اس کے لغوی معنی اس گرہ لگانے کے ہیں جو بآسانی نہ کھل سکے اور یہ عقد وعہد چونکہ دو آدمیوں کو کسی چیز کا پابند بنا دیتا ہے اس بنا پر اسے عقد کہا جاتا ہے جیسے عقد نکاح، عقد بیع اور عقد العہد وغیرہ، عہد و معاہدہ بھی اسی عقد میں داخل ہے۔ البتہ عقد و عہد میں ایک باریک سا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ عقد ہمیشہ دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے جبکہ عہد صرف ایک شخص بھی کرسکتا ہے نیز عقد زیادہ پختہ ہوتا ہے مگر عہد اس کے مقابلہ میں غیر پختہ ہوتا ہے۔

ایفائے عقد اور وفاء عہد واجب ہے

حقیقت یہ ہے کہ وفاء عہد صدق کی جزئیات میں سے ایک اہم جزئی ہے یا یوں کہہ دیجئے کہ وفاء عہد کا درجہ صدق وعدل کے برابر ہے اور اس کی جانب مخالف کا نام غدر ہے جو کذب وظلم کے مساوی یا ان کے برے آثار میں سے ایک بدترین اثر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وفا عہد زبان و عمل کی یک رنگی اور سچائی کا نام ہے اور غدر ان دونوں کی خلاف ورزی کا نام ہے۔

وفاءعہد

انسانیت کے مخصوص فرائض میں سے ایک بہت بڑا فرض ہے اسلئے جو شخص وفاء سے خالی ہے وہ دراصل شرف انسانیت سے محروم ہے۔اس وجہ سے اللہ نے اس کو ایمان میں سے شمار کیا ہے اور لوگوں کی عملی زندگی کے لئے اس کو قوام ٹھہرایا ہے۔کیونکہ انسان ایک ایسی ہستی کا نام ہے جس کے لئے باہمی تعاون لازمی ہے اور ظاہر ہے کہ باہمی تعاون وعدہ کی رعایت اور عہد کی وفا کے بغیر ناممکن ہے اور اگر اسے درمیان سے نکال دیا جائے تو تعاون کے بجائے دلوں میں نفرت اور وحشت جاگزیں ہوجاتی ہے اور زندگی اور اس کی معیشت تباہی وبربادی سے ہمکنار ہوجاتی ہے۔ارشاد قدرت ہے۔''**اوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولاً**''۔اپنے معاہدوں کو پورا کرو۔کیونکہ (فردائے قیامت) تم سے ایفاء عہد کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔''**اوفوا بعهدی اوف بعهد كم**''۔تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔خداوند عالم اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔''**والذين هم لاماناتهم وعهدهم راعون**''۔کہ وہ اپنی امانتوں کو ادا کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کی وفا کرتے ہیں۔وفاء عہد کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خدائے علیم وحکیم نے بعض جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی جلالت قدر کی خصوصیات میں سے وفاء عہد کو بھی شمار کیا ہے۔''**واذكر فی الكتب اسماعيل انه كان صادق الوعد وكان رسولا نبيا**''۔اور کتاب (قرآن)

کتاب میں اسماعیل علیہ اسلام کا ذکر کرو۔جو کہ وعدہ کا سچا نبی ورسول تھا۔(از اخلاق اور فلسفہء اخلاق)۔آیت میں عقود کا لفظ ہے جو خالق ومخلوق کے باہمی کئے ہوئے معاہدوں پر حاوی ہے یعنی اس میں وہ معاہدہ بھی داخل ہے جو کوئی بندہ بتقاضائے عبودیت وبندگی اپنے معبود سے کرتا ہے کہ وہ اس کے حکام اور اوامر ونواہی کی تعمیل کریگا۔اور وہ معاہدہ بھی داخل ہے جو کوئی انسان اپنے بنی نوع انسان کے ساتھ کرتا ہے اس کا تعلق خواہ دینی احکام سے ہو یا دنیوی معاملات سے اس میں افراد کے معاہدے بھی داخل ہیں اور حکومتوں کے بھی ہاں البتہ وہ وعدہ جو کسی خلاف شرع کام کرنے پر کیا جائے جس کی وفا سے جفا لازم آئے یعنی خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو اس کی ایفاء جائز نہیں ہے۔کیونکہ۔**لاطاعة لمخلوق فی معصية الله**۔جہاں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو وہاں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے (نہج البلاغہ) بانی اسلام نے عہد شکنی اور وعدہ خلافی کرنے کو نفاق کی علامات میں سے ایک علامت شمار کیا ہے (جامع السعادات وکتاب الخصال)

اضطرار کی حالت میں عہد شکنی جائز ہے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص وفاء عہد کا پختہ ارادہ رکھتا ہے مگر کچھ واقعی مجبوریوں اور حقیقی معذوریوں کی وجہ سے وعدہ کی وفاء نہیں کرسکتا تو یہ نہ جھوٹ ہے اور نہ اس پر غدر کا الزام عائد ہوسکتا ہے۔ یہ الزام تو تب عائد ہوتا ہے کہ جب شروع ہی سے ایفاء عہد کا عزم وارادہ نہ ہوتا اور اور محض دھوکہ دہی اور دفع الوقتی کے تحت عہد کرتا۔ بہر حال اگر کوئی شخص کسی حقیقی مجبوری سے وعدہ پورا نہ کر سکے تو وہ معذور ہے اور مواخذہ کے قابل نہیں ہے۔''الضرورات تبیح المحذورات''۔

اُحِلَّتْ لَكُم...الآية

حلال جانوروں کا تذکرہ

یہاں خورد ونوش کے احکام کا تذکرہ بالعموم اور گوشت کا تذکرہ بالخصوص کیا جارہا ہے کہ ہر قسم کے مویشی تمہارے لئے حلال ہیں۔ سوا ان کے جن کا حکم تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا۔ بہیمہ جس کی جمع بہائم ہے کے معنی لغت عرب میں ہر اس جانور کے ہیں جو قوت گویائی نہ رکھتا ہو یعنی خشکی وتری کا ہر چوپایہ علاوہ درندوں اور پرندوں کے اور یہی معنی نعم کے ہیں جس کی جمع انعام ہے چونکہ نزول قرآن کے وقت عربوں میں جو باطل نظریات اور فاسد خیالات پائے جاتے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے بعض جانور اپنے اوپر حرام قرار دے رکھے تھے۔ جیسے بحیرہ وغیرہ اور کچھ جانور خدا نے بطور سزا بنی اسرائیل پر حرام قرار دے دیے تھے۔ تو خدائے مہربان ان سب جانوروں کا گوشت و پوست مسلمانوں کے لئے حلال قرار دے رہا ہے۔ سوا ان کے جس کا تذکرہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۳ میں کیا گیا ہے۔ بعض اخبار وآثار کے مطابق اس بھیمة الانعام سے مراد وہ بچے ہیں جو ذبح شدہ حیوان کے پیٹ سے نکلیں اور ان کی ماں کے ذبح ہونے کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگئی ہو۔ کہ وہ حلال ہیں اور اگر ذبح شدہ ماں کے پیٹ سے زندہ برآمد ہوں تو پھر علیحدہ ذبح کئے جائیں گے (تفسیر عیاشی وصافی)

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ...الآية۱

احرام کی حالت میں شکار کرنا حرام ہے

یہ دوسرا حکم دیا جارہا ہے کہ حج وعمرہ کے احرام کی حالت میں خشکی کے جانور کا شکار کرنا حرام ہے اور

اس کا گوشت کھانا بھی حرام اور اگر کسی اور شخص نے شکار کیا ہو تو اس کا گوشت بھی محرم کے لئے ممنوع ہے۔ ہاں البتہ جب احرام کھل جائے اور آدمی حرم سے باہر نکل جائے تو پھر شکار کر سکتا ہے اور اسی طرح اہلی (پالتو) جانوروں کے ذبح کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے وہ احکام جاری کرتا ہے۔ لہٰذا کسی بندہ کہلانیوالے کو اپنے معبود کے حکم کے سامنے چوں و چرا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یَآیُّھَا الَّذِیْنَ...الآیۃ ۲

شعائر اللہ کے مفہوم کی وضاحت

یہاں شعائر اللہ اور دوسری بعض محترم چیزوں کی ہتک حرمت کرنے کی اہل ایمان کو مناہی کی جا رہی ہے۔ شعائر شعیرہ کی جمع ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ہر وہ علامت جس کی نسبت اللہ کی طرف ہو اور جس سے حق و باطل کی پہچان ہو سکے۔ ارشاد قدرت ہے۔ ''**والبدن جعلنا ھا من شعائر اللہ**''۔ کہ ہم نے قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے یہاں خدائے منان اہل ایمان کو شعائر اللہ، شہر حرام۔ ہدی، قلائد اور بیت اللہ الحرام کا قصد کرنے والے اہل اسلام کی بے حرمتی کرنے سے منع فرما رہا ہے۔

۱۔ شعائر اللہ کی وضاحت ہو چکی۔ ۲۔ اشہر حرام چار ہیں (ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب)۔ ۳۔ الْہدی اور۔ ۴۔ القلائد کا اطلاق قربانی کے جانوروں پر ہوتا ہے اور ان کا باہمی فرق صرف یہ ہے کہ جن جانوروں کی قربانی ہو گئی ہے وہ ''الھدی'' میں داخل ہیں اور جن کی ہنوز قربانی نہیں ہوئی اور ابھی اس کی گردن میں پٹے ڈال کر ہمراہ رکھا گیا ہے اور اپنے وقت پر ان کی قربانی کی جائے گی وہ القلائد ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ''**الھدی** اور **القلائد** دونوں شعائر اللہ کے عموم میں داخل ہیں مگر اس تعمیم کے بعد ان کا بالتخصیص ذکر کرنا ان کی اہمیت وعظمت کی دلیل ہے۔

۵۔ بیت اللہ کا قصد کرنے والا مسلمان کیسا بھی ہو؟ اور جس رنگ و روپ میں نکلے بہر حال اس کی ہتک حرمت حرام ہے اور چونکہ اب اس کی ہر چیز شعائر اللہ میں داخل ہو چکی ہے لہٰذا اس کا احترام لازم ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب**۔ یعنی شعائر اللہ کا احترام کرنا قلبی تقویٰ اور دلی خوف وخشیہ کی علامت و دلیل ہے۔ اس مقام پر علامہ سید علی نقی رقمطراز ہیں ''ان سب کی حرمت ہے اور ان کی حرمت کو برباد کرنے سے ممانعت کی جا رہی ہے اور جب کہ وہ جانور جو بغرض قربانی لے جائے جا رہے ہیں۔ شعائر اللہ ہیں وہ انسان کیونکر قابل حرمت نہ ہوں گے جو رضائے الٰہی کے جادہ پر سالک ہیں۔ چنانچہ صراحت کے ساتھ ان

جانوروں کے تذکرہ کے بعد ان سالکوں کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب اگر ان جانوروں کا احترام مطلوب باری ہے تو ان انسانوں کی تعظیم و تکریم جو اپنی پوری زندگی راہ خدا میں صرف کر دیں اور آخر میں اسی کی راہ میں نثار ہو جائیں داخل شرک کیوں کر ہو سکتی ہے''؟ (فصل الخطاب)۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُم ...الآية

اسلام کی عادلانہ اور شریفانہ تعلیم

اہل مکہ اپنے قدیمی دستور کے مطابق حج و عمرہ کے قصد سے کسی بھی آنے والے پر کوئی پابندی نہیں لگاتے تھے بلکہ اسے مہمان حرم سمجھ کر اس کا احترام کرتے تھے اور اس کی خاطر و مدارات کرتے تھے مگر ۶ ھ میں جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ تشریف لائے تو کفار مکہ نے اپنی قدیمی روایات کے خلاف آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ مسلمانوں کے جذبات کس قدر مجروح ہوئے ہوں گے؟ اور ان کے دل و دماغ کو کس قدر صدمہ پہنچا ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے وہ جوابی کاروائی کر سکتے تھے اور ان مشرکوں کو مکہ آنے سے روک سکتے تھے جن کے راستے مسلمانوں کے علاقے سے گزرتے تھے۔ مگر رحیم و کریم خدا نے مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کرتے ہوئے اور دوست و دشمن کے ساتھ اسلامی عدل و انصاف کرنے کا عادلانہ حکم دیتے ہوئے فہمائش کی کہ دشمن جس قدر گھٹیا حرکت کرے اور جس قدر اخلاق باختگی کا مظاہرہ کرے مگر ایک مسلمان کو عدل و انصاف اور شرافت و شائستگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اور کبھی دشمن پر ظلم و تعدی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ہے اسلام و قرآن کی وہ بلند مرتبہ تعلیم جس کا مقابلہ کرنے سے ادیان عالم قاصر نظر آتے ہیں۔ اسلام دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور ان کے حقوق کی بھی نگہداشت کرتا ہے۔ ع

بخش دو گر خطا کرے کوئی
نہ کہو گر برا کہے کوئی

بہرحال حالات کے مطابق اسلام کبھی علاج بالمثل کا حکم بھی دیتا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ۔ (بقرہ آیت۔ ۱۹۴) اور کبھی عفو و صفح کا حکم دیتا ہے۔ الا فاعفوا واصفحوا۔ سچ ہے کہ

نہ ہر جا بود مرکبے تاختن
کہ جاہا بود سپر انداختن

کیونکہ ع

ہر برسخن جائے وہر نکتہ مقامے دارد!!

تَعَاوَنُوا...الآیۃ

انسان مدنی الطبع ہے

خدائے علیم وحکیم نے انسان کو مدنی الطبع پیدا فرمایا ہے کوئی بھی شخص تن تنہا اپنے تمام امور معاش ومعاد کو انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی اکیلا اپنی ضروریات زندگی مہیا کر سکتا ہے بلکہ وہ ہر ہر قدم اور ہر ہر موڑ پر اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے ابناء نوع کے باہمی تعاون وتعاضد کا محتاج ہے اور مہد سے لیکر لحد تک محتاج ہے۔ اور اسی طریقہ کار پر خوشگوار زندگی گذارنے کا دارومدار ہے اور اس کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ منقول ہے کہ ایک شخص خدا سے یہ دعا مانگ رہا تھا۔ ''اللھم لا تحوجنی الی احد من خلقك''۔ یا اللہ! مجھے اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہ کر۔ جب حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس کی یہ دعا سنی تو فرمایا اس طرح دعا نہ مانگ بلکہ یوں کہہ۔ ''اللھم لا تحوجنی الی شرار خلقك''۔ یا اللہ! مجھے برے لوگوں کا محتاج نہ کر (بحار الانوار)۔ یہی وجہ ہے کہ قادر وقیوم اور علیم وحکیم پروردگار نے مختلف لوگوں کے دل ودماغ میں مختلف کام کرنے کی خواہش اور صلاحیت ودیعت فرمائی ہے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

میل اورا دردیش اند اختند

اسی پر کارگاہ ہستی کا نظام رواں دواں ہے اور ہر شخص زندگی کی دوڑ میں بھرپور حصہ لے رہا ہے

کل حزب بما لدیھم فرحون۔

اچھے کاموں میں باہمی تعاون ممدوح اور برے کاموں میں ممنوع ہے

مگر ظاہر ہے کہ کام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ اچھے کام۔۔ ۲ برے کام

اگر یہ باہمی تعاون اچھے کاموں میں کیا جائے تو اس کے بڑے اچھے اور خوشگوار نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں لیکن اگر یہی تعاون برے کاموں میں کیا جائے اور جرائم پیشہ لوگ باہمی تعاون اور اجتماعی طور پر چوری چکاری، قتل وغارت، زناکاری وشرابخواری وغیرہ۔ جرائم کرنے لگیں تو پھر۔ ع

انجام گلستان کیا ہوگا؟

کیااس طرح ظلم وجور کا بازار گرم نہیں ہوجائے گا؟اورنظام عالم درہم برہم نہیں ہوجائے گا؟اس لئے اسلام اورقرآن اپنے ماننے والوں کو یہ حکیمانہ حکم دے رہا ہے کہ تمہارے باہمی اور بین الاقوامی تعلقات،مراسم اور روابط کی اساس اور بنیاد نیکی کے کاموں میں باہمی تعاون وتناصر پر ہونی چاہیے۔اوراس راہنما اصول میں دوست ودشمن میں تفریق نہیں کرنی چاہیے۔خلاصہ یہ کہ اگرکوئی دشمن کوئی اچھا کام واقدام کرتا ہے تو اس کے ساتھ ضرور تعاون کرنا چاہیےاوراگرکوئی دوست برا کام واقدام کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہرگز تعاون نہیں کرنا چاہیے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ...الآية

حرام جانوروں کا بیان

یہاں ان جانوروں کا ذکر کیا جارہا ہے جوشریعت اسلامیہ میں حرام ہیں اورجن کی حرمت کی طرف اس سورہ کی پہلی آیت میں اشارہ کیا گیا تھا(الا مایتلی علیکم)اوروہ چند ہیں

۱۔میتۃ (مردار)۲۔خون جہندہ جوذبح کے وقت نکلتا ہے۔۳۔خنزیر کا گوشت۔۴۔وہ جانور جوغیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے ان چاروں کی تفسیر وتشریح سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳کے ذیل میں کی جاچکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔بہرحال ’’قبروں اوردرگاہوں پر چڑھاوے چڑھانے والے ذرا اپنے لئے بھی سوچ لیں‘‘(تفسیر ماجدی)

وَالْمُنْخَنِقَةُ...الآية

۵۔وہ جانور جوگلا گھونٹ کر مارا گیا ہو یا کسی جال وغیرہ میں پھنسنے کی وجہ سےاورپھردم گھٹ جانے کے باعث مرگیا ہو

۶۔موقوذہ۔وہ جانور جسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ کی ضرب شدید سے ماردیا گیا ہو

۷۔متردیہ۔وہ جانور جو پہاڑ یا کوٹھے کی چھت وغیرہ کسی بلندی سے نیچے گرکرمرجائے،کنویں میں گرکر مرنے والے کا بھی یہی حکم ہےیعنی وہ بھی حرام ہے۔

۸۔نطیحہ۔وہ جانور جوکسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرجائےاوریہی حکم اس جانور کا ہے جو کسی ریل یابس وغیرہ سےتصادم کی وجہ سے مرجائے۔

۹۔وما اکل السبع۔وہ جانور جسے کسی درندہ نے پھاڑ کھایا ہو

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ...الآية

یعنی یہ مذکورہ بالا پانچ اقسام (۵ سے لیکر ۹ تک) سب حرام ہیں ان کا کھانا جائز نہیں ہے، سوا اس کے کہ وہ زندہ ہوں اور انہیں ذبح کرلیا جائے تو اس صورت میں وہ حلال ہوں گے اور ان کا کھانا جائز ہوگا۔ اس استثناء کا ان پانچ قسموں سے تعلق ہے۔ لیکن یہ پہلی چار قسموں سے متعلق نہیں ہے کیونکہ مردار اور خون میں تو اس بات کا امکان ہی نہیں ہے کہ انہیں ذبح کیا جائے اور جہاں تک ''لحم خنزیر'' اور ''ما اهل لغیرالله'' کا تعلق ہے تو ان کی حرمت ذاتی ہے لہٰذا انہیں ذبح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے ان کو ذبح کرنا یا نہ کرنا برابر ہے وہ بہرحال حرام ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

مذکورہ بالا اقسام میں سے نمبر ۵ سے لیکر ۹ تک سب ''میتة'' (مردار) میں داخل ہیں اور مردار حرام ہے تو پھر ان اقسام کا علیحدہ تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ اقسام میتة میں داخل ہیں اور اسی کی مختلف شکلیں ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ جاہلیت کے دور میں عرب ان پانچ قسم کے مردہ جانوروں کو کھاتے تھے حالانکہ وہ خبائث میں داخل ہیں اسلئے ضرورت تھی کہ ان کی حرمت کی صراحت کی جائے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ... الاية

نصب۔ نصاب کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ خاص پتھر ہیں جو خانہ کعبہ کے اردگرد نصب کئے گئے تھے۔ دور جاہلیت میں مشرکین ان کی پرستش بھی کرتے تھے اور ان کے لئے جانوروں کی قربانی بھی کرتے تھے۔ صاحب ضیاء القرآن لکھتے ہیں ''اور اس سے مراد ہر ایسی جگہ ہوسکتی ہے جو مشرکانہ رسوم کی ادائیگی کے لئے مخصوص ہو'' (ضیاء القرآن ج ۱) ظاہر ہے کسی پتھر پر فی نفسہ جانور ذبح کرنا حرام نہیں ہے اگر حرام ہے تو خبیث نیت کیوجہ سے

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ... الآية

یعنی جوئے میں استعمال ہونے والے تیر۔ ازلام۔ زلم کی جمع ہے۔ جو لکڑی کے اس تیر کو کہتے ہیں جو اسی کام کے لئے مخصوص تھے اور یہ تین تیر ہوتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا ''امرنی ربی'' دوسرے پر لکھا ہوتا ''نہانی ربی'' اور تیسرا خالی ہوتا تھا تو جب کوئی کام واقدام کرنا ہوتا تو ان تینوں قسم کے تیروں کو گڈمڈ کرکے اور آنکھیں بند کرکے ایک کو اٹھاتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اس طرح انہوں نے خداداد عقل وخرد کو معطل کردیا تھا اور اس سے کسی کام کے نفع ونقصان کے بارے میں غور وفکر

نہیں کرتے تھے اور اسی طریقہ کار سے روزی تلاش کرتے تھے جسے خداوند عالم نے حرام قرار دیا ہے۔(مجمع البیان۔تفسیر کاشف)

جوئے کے تیروں کی تفصیل

دوسری روایت کے مطابق جو صادقین سے مروی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دور جاہلیت میں لوگوں نے قسمت آزمائی کے لئے دس تیر مقرر کر رکھے تھے جن میں سے سات تیروں پر مختلف حصے ملتے تھے اور تین پر کچھ نہیں ملتا تھا اس سات تیروں کے نام یہ تھے۔

۱۔فذیر۔۲۔توام۔۲ مسبل۔۴۔نافس۔۵۔حلس۔۶۔رقیب۔۷۔معلیٰ۔پھر حصوں کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ فذیر پر ایک حصہ۔۲۔توام پر دو حصے۔۳۔مسبل پر تین حصے۔۴۔نافس پر چار حصے۔۵۔حلس پر پانچ حصے۔۶۔رقیب پر چھ حصے۔۷ اور معلیٰ پر سات حصے اور جن تیروں پر کچھ نہیں ملتا تھا ان کے نام یہ تھے۔

۱۔سفیح۔۲۔منیح۔۳۔وعد۔پھر اونٹ وغیرہ جانور ذبح کر کے اس کے گوشت کو مختلف حصوں پر تقسیم کر دیتے تھے اور پھر جوئے کے ان تیروں کے ذریعہ سے باہم گوشت تقسیم کرتے تھے۔چنانچہ کسی کو کم حصہ ملتا تھا اور کسی کو زیادہ اور کوئی بالکل محروم رہتا تھا اور پھر ظلم بالائے ظلم یہ تھا کہ اس ذبح شدہ جانور کی قیمت وہ بدقسمت آدمی ادا کرتا تھا جسے گوشت سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا یہ تھا وہ جوا جس کو خدا نے حرام قرار دیا ہے(تفسیر قمی)ارشاد قدرت ہے"ذلك فسق" یہ طریقہ کار فسق و فجور ہے اور اللہ کی اطاعت گذاری سے خروج اور اس کی معصیت کاری میں دخول کا باعث ہے اسلئے گناہ عظیم ہے صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں"علماء نے فرمایا ہے کہ آئندہ کے حالات اور غیب کی چیزیں معلوم کرنے کے جتنے طریقے رائج ہیں خواہ جفر کے ذریعہ یا ہاتھ کے نقوش دیکھ کر یا فال وغیرہ نکال کر یہ سب طریقے استقسام بالازلام کے حکم میں ہیں"(معارف القرآن ج ۳)الغرض جوئے کی تمام قسمیں حرام ہیں وہ خواہ لاٹری ہو میسر ہو ازلام ہوں یا فارس و روم میں شطرنج اور چوسر کے مہرے ہوں۔

جوئے کی حرمت کیوجہ؟

یہ سب اقسام حرام ہیں اور ان کے ذریعہ سے روزی کمانا ناجائز ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ایک شخص ذہنی کاوش اور بدنی مشقت کے بغیر آنا فانا امیر کبیر بن جاتا ہے اور دوسرا چشم زدن میں قلاش و کنگال بن جاتا ہے جو اپنے گھر کا نہ صرف تمام اثاثہ بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات اپنی عرض و ناموس کا سودا کرنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے اسلئے اسلام نے اسے حرام قرار دے کر اس عظیم خرابی و بربادی کے سامنے بند باندھ دیا ہے۔

آیات القرآن

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ
مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ
اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ
الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ
اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝۵

ترجمۃ الآیات

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کونسی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے سب پاک وپاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو جن کو خدا کے سکھائے ہوئے طریقہ کے مطابق (شکار پر چھوڑتے وقت خدا کا نام لے لو۔ اور اللہ سے (اس کی معصیت کاری سے) ڈرو۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (۴)
آج تمہارے لئے سب پاک وپاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور اہل کتاب کا طعام (اناج) تمہارے لئے حالا ہے اور تمہارا طعام (اناج) ان کے لئے حلال ہے اور پاکدامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں (اہل کتاب) کی پاکدامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے (وہ تمہارے لئے حلال ہیں) بشرطیکہ تم ان کی اجرتیں (حق مہر) دے دو۔ اور وہ بھی

اپنی پاکدامنی کے تحفظ کی خاطر نہ کہ آزاد شہوت رانی کی خاطر اور نہ ہی چوری چھپے ناجائز تعلقات قائم کرنے کے لئے اور جو ایمان کا انکار کرے (اور کفر اختیار کرے) تو اس کے سب عمل اکارت ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔(۵)

تفسیر الآیات

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ ...۳الآیة

آج کے دن کافر مایوس ہو گئے اس سے آگے ہے۔**الیوم اکملت لکم**۔آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اس سے پہلے گیارہ قسم کے ان جانوروں کا ذکر ہے جن کا گوشت حرام ہے۔آخر میں ہے۔**فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم**۔جو شخص بھوک کی وجہ سے حرام کھانے پر مجبور ہو جائے جبکہ گناہ کا مرتکب نہ ہو (عمداً نہ کھائے) تو خدا غفور و رحیم ہے۔یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ پارہ نمبر ۲ میں خدا نے مردار، خون اور لحم خنزیر وغیرہ کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا۔**فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه**۔جو شدت بھوک سے لاچار ہو جائے جبکہ نہ باغی ہو اور نہ عادی ہو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔اول اور آخر ایک ہی مضمون ہے اور بالکل باہم مربوط بھی ہے اور یہ درمیان میں بالکل الگ تھلگ اور اجنبی مضمون آجاتا ہے۔**الیوم یئس الذین کفروا۔ الیوم اکملت لکم دینکم**۔اس کا اول اور آخر سے کوئی ربط و تعلق معلوم نہیں ہوتا اس آیت کے موقع محل کو دیکھا جائے تو اسی مقام کی آیت محسوس ہوتی ہے اور اگر اس کے مضمون ومفاد پر غور کیا جائے تو کسی اور مقام کی مستقل آیت معلوم ہوتی ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ آیت کسی اور جگہ کی ہے اور جمع کرتے وقت کسی وجہ سے اور جگہ رکھ دی گئی ہے۔اس میں کوئی جائے تعجب نہیں ہے۔ایسا ہوا ہے مدنی سورے پہلے اور مکی سورے بعد میں رکھے گئے ہیں اور پھر مکی سوروں میں مدنی سوروں کی آیتیں اور مدنی سوروں میں مکی سوروں کی آیتیں رکھ دی گئی ہیں۔چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی تفسیر ماجدی میں سورہ فاتحہ کے حاشیہ نمبر ۳ میں رقمطراز ہیں "قرآنی سورتوں کی ایک اہم تقسیم بہ لحاظ زمانہ نزول کی گئی ہے جو سورتیں قبل ہجرت نبوی مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہے اور جو سورتیں بعد ہجرت نبوی نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہؐ نے مدنی سورہ کے اندر مکی آیتیں رکھا دی ہیں اور یا اس کے برعکس اسلئے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے" (تفسیر ماجدی ص ۲ حاشیہ نمبر ۳)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ...۳الآیہ

شاہ عبدالقادر دہلوی لکھتے ہیں

فائدہ:

یہ جو فرمایا کہ آج پورا دین تمہارا مکمل ہو چکا۔ یہ آیت آخر کو اتری ہے کہ سب احکام اللہ کے نازل ہو چکے تھے اس کے بعد تین مہینے حضرت زندہ رہے (موضح القرآن) اور صاحب تفسیر جلالین نے اعتراف کیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں مقام عرفہ اتری ہے (جلالین)

اس آیت کی تاریخ نزول

مگر جو حقیقت فریقین کی کتب تفسیر وحدیث کا مطالعہ کرنے کے بعد سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ سورہ مائدہ وہ آخری سورہ ہے جو سب کے آخر میں نازل ہوا اور یہ آیت اس آخری سورہ کی آخری آیت ہے اور اس کے بعد نہ کوئی نیا حکم نازل ہوا اور نہ کوئی آیت نازل ہوئی اور یہ ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ نہیں بلکہ بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ بمقام غدیر خم نازل ہوئی ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ بھی مکمل ہو گئی کہ سب احکام نازل ہو چکے اور دین بھی مکمل ہو گیا کہ اس کی حفاظت کا انتظام ہو گیا۔ جو آنحضرتؐ کے بعد صبح قیامت کے طلوع ہونے تک قائم رہے گا۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے فرمایا۔ **المائدۃ آخر القران تنزیلا فاحلو احلالھا وحرموا حرامھا**۔ یعنی سورہ مائدہ آخری سورہ ہے جو نازل ہوا لہٰذا اس کے حلال کو ہمیشہ حلال اور اس کے حرام کو ہمیشہ حرام سمجھو (تفسیر روح المعانی)

آیت تکمیل دین کی شان نزول اور حضرت علیؑ کی خلافت الٰہیہ کا اعلان

فتح مکہ کے بعد ماہ ذی القعدۃ ۱۰ھ میں حضرت رسول خداؐ نے اعلان کرایا کہ جو شخص آنحضرتؐ کے ساتھ آخری حج کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے وہ تیار ہو جائے اس طرح لوگ جوق در جوق جمع ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ جب آپ ۲۵ ذی القعدہ کو حج کے ارادے سے روانہ ہوئے تو آپ کے ہمراہ کم از کم نوے ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار کا مجمع تھا (سیر آف اسلام وتاریخ کامل وغیرہ) پھر راستہ میں برابر اس تعداد میں اضافہ ہوتا گیا بالآخر اختتام حج کے وقت یہ سارا مجمع عام آپ کے ہمراہ تھا اور جب واپسی پر آپ بمقام غدیر خم پہنچے تو اس وقت رب جلیل کے حکم سے جناب جبرئیلؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ **یا ایھا الرسول بلغ**

ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمك من الناس ان الله لا یهدی القوم الکافرین۔ وہاں نہ کوئی منزل تھی اور نہ کوئی مکان نہ کوئی سایہ دار درخت تھا اور نہ کوئی سائبان تمازت آفتاب سے ریگستان عرب قیامت کا منظر پیش کررہا تھا۔ آنحضرتؐ نے وہیں رحل اقامت ڈالدیا۔ اور جولوگ آگے نکل گئے تھا ان کو واپس بلوایا اور جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار فرمایا! الغرض جب سب لوگ جمع ہوگئے اور میدان غدیر لوگوں کے جم غفیر سے چھلکنے لگا تو آپ پالانوں یا بروایتے پتھروں سے بنائے گئے انوکھے منبر پر تشریف لے گئے اور ایک فصیح وبلیغ اور طویل خطبہ دیا جس میں اسلام کا خلاصہ بیان فرمایا اور اب تک نازل شدہ دین کے بلاکم وکاست لوگوں تک پہنچانے کا لوگوں سے اقرار کرایا۔ بعدازاں فرمایا! ''یا معشر المسلمین الست اولی بکم من انفسکم''۔ کیا میں تمہارے مال وجان میں تم سے زیادتصرف کرنے کا حقدار نہیں ہوں؟ سب حاضرین نے بیک زبان ہوکر کہا بلی بلی یا رسول اللہ۔ ہاں ہاں آپ یقیناً ایسے ہیں تب حیدر کرار کا بازو پکڑ کر فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔ بعدازاں یوں دعا فرمائی۔ ''اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ''۔ (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۸ اسباب النزول واحدی ۱۵۰ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۳۲ عمدۃ القاری شرح بخاری، مستدرک حاکم، حلیۃ الاولیاء اصفہانی، تاریخ ابن عساکر، مطالب السوال، فصول مہمہ، مناقب ابن مردویہ، ینابیع المودت، ارجح المطالب وغیرہ)

حضرت علیؑ کی ولی عہدی کی رسم دستار بندی

مختلف اخبار وآثار سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ جب میدان خم غدیر کے مجمع عام میں حضرت علیؑ کی ولیعہدی کا اعلان ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرؑ کو دستار بندھا کر اس تقریب سعید کو من کل الوجوہ مکمل کردیا۔ چنانچہ خود جناب امیر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ۔ عممنی رسول الله صلی الله علیه (واله) وسلم فسدلها خلفی وفی لفظ فسدل طرفیها علی منکبی وقال ان الله امدنی فی یوم بدر وحنین بملائکة یعتمون هذه العمامة۔ یعنی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم والے دن میرے سر پر عمامہ باندھا اور اس کا ایک شملہ میرے پیچھے ڈال دیا۔

اور دوسری روایت کے مطابق فرمایا اس کے دونوں سرے میرے کندھے پر ڈال دیے اور فرمایا کہ خدا نے جنگ بدر وحنین میں جن فرشتوں کے ذریعہ سے میری مدد کی تھی انہوں نے اسی طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو (عمدہ القاری ج ۱۰ ص ۲۳۳ کنز العمال ج ۸ ص ۶۰، الریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۱۷ وغیرہ)

تقریب سلام ومبارک بادی

متعدآثار سے آشکار ہوتا ہے کہ دستار بندی کے بعد آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ۔سلموا علی علی بامرة المومنین۔کہ حضرت علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو۔ چنانچہ صحابہ کرام نے حکم نبوی کی تعمیل کرتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام کو سلام کیا اور ہدیہ مبارک باد پیش کیا(ملاحظہ ہو حبیب السیر ج۱ ص۷۷، ج ۳ ص۷۶، و۷۷، معارج النبوۃ رکن ۴ ص ۱۱۳، کنزالعمال ج۸ ص۶۰، شرح مواقف ص۷۳۹، تفسیر کبیر ج۳ ص۲۳۶)وغیرہ

آیت تکمیل کا نزول

بہر حال جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کے فعلی تقریب کا یہ آخری مظاہرہ بھی ہو چکا جس فعلیت کا خدا خواہاں تھا ورنہ قولی تقرر کا اعلان تو اعلان نبوت والے دن سے لیکر آج تک برابر ہوتا رہتا تھا یہ اعلان آج کوئی نئی بات نہ تھی صرف رسم ولیعہدی پوری کی گئی تھی اور یہی۔وان لم تفعل فما بلغت رسالته۔کا مفاد وما حصل تھا۔

الغرض جب یہ سب کچھ ہو چکا تو خدائے علیم وحکیم نے آنحضرت کو تکمیل دین کی سند دیتے ہوئے یہ آیت مبارکہ نازل کی۔الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی رضیت لکم الاسلام دینا۔ملاحظہ ہو(تفسیر درمنثور ج۲ ص۲۵۹ ،طبع مصر،تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۱۲،تذکرہ سبط ابن جوزی ص۱۲وغیرہ)

بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ یہ بشارت سن کر بہت خوش وخرم ہوئے اور یوں اظہار تشکر فرمایا۔الله اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمة ورضی الرب برسالتی وولاية علی ابن ابيطالب۔(مفتاح النجافی مناقب آل العبا فاضل بدخشی)

يَسْئَلُوْنَكَ...الآية

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب خداوندعالم نے گیارہ قسموں کے جانوروں کی حرمت کا تذکرہ فرمایا تو لوگوں نے فطری طور پر حضرت رسول خدا سے سوال کیا کہ حلال چیزیں کیا کیا ہیں؟ اس کے جواب میں خداوند علیم وحکیم نے فرمایا کہ دیجئے کہ سب پاک و پاکیزہ چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں اس اجمالی جواب سے اشیاء میں اصل حلیت کی صحت پر استدلال کیا گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حرمت کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے بہر حال یہ

مسئلہ اختلافی ہے۔بعض فقہا اصل حلیت اور بعض اصل حرمت اور بعض توقف کے قائل ہیں اور اس موضوع پر آیت مبارکہ۔خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔کی تفسیر میں جلدا کے اندر اجمالاً گفتگو کی جا چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

طیبات اور خبائث سے کیا مراد ہے؟

قرآن مجید میں قریباً پندرہ مقامات پر طیبات کے حلال ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور متعدد مقامات پر خبائث کی حرمت بیان کی گئی ہے اب قابل غور بات یہ ہے کہ طیبات سے مراد کیا ہے؟اس کا پہلا اور مختصر جواب تو یہ ہے کہ طیب وہ ہے جو خبیث نہ ہو۔خبیث جیسے مردار،خون،لحم خنزیر، وغیرہ جو کسی بھی وجہ سے انسان کے لئے ضرروزیاں کا باعث ہوتی ہے جس کی وجہ سے خدائے حکیم نے اسے حرام قرار دیا ہے۔وحرم الخبائث۔دوسرا جواب یہ ہے کہ طیب وہ ہے جسے عقل سلیم اور طبع قویم پسند کرے اور اس میں رغبت کرے۔بنابریں خبیث وہ چیز ہوگی جسے ذوق سلیم وعقل قویم اور طبع مستقیم ناپسند کرے اور اس سے نفرت کرے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ طیب وہ ہے جسے خدا حلال قرار دے اور خبیث وہ ہے جسے خدا حرام قرار دے۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ...الآیۃ

حلال جانوروں کے گوشت کے حلال ہونے کا ایک طریقہ کار تو وہ ہے۔جو عموماً ہر کس وناکس کو معلوم ہے کہ حیوان کو شرعی طریقہ کار کے مطابق ذبح یا نحر کیا جائے۔اس آیت شریفہ میں ان کی حلیت کا ایک اور طریقہ بتایا جا رہا ہے اور وہ ہے شکاری کتے کے ذریعہ سے شکار کرنا (جسے کلب معلم کہا جاتا ہے) اور اس میں چیتا، باز اور شکرا وغیرہ شکاری درندے اور پرندے داخل ہیں کہ چند شرطوں کے ساتھ ان کے شکار کردہ حلال جانوروں کا کھانا حلال ہے۔

کلب معلم وغیرہ کے شکار کے حلال ہونے کے شرائط کا تذکرہ

۱۔شکاری جانور اس طرح سدھایا ہوا ہو کہ مالک کے ہر امر ونہی کی تعمیل کرے اس کے کہنے پر حملہ کردے اور اس کے روکنے سے رک جائے۔

۲۔شکار کرنے کے ارادہ سے چھوڑا جائے۔

۳۔شکار کرنے والا مسلمان ہو

۴۔شکاری جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو یعنی اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

۵۔شکاری شکار کے پاس اس وقت پہنچے کہ وہ مر چکا ہو اور اگر اس وقت پہنچے جبکہ ہنوز زندہ ہو تو پھر ذبح کرنا واجب ہوگا۔

٦۔شکار کی موت اسی زخم کی وجہ سے واقع ہو جو شکاری کتے وغیرہ نے اسے لگایا ہے۔

۷۔شکاری جانور مسلمان کا ہو۔

۸۔شکار کے مارنے میں کسی کافر کا کتا یا مسلمان کا وہ کتا شریک نہ ہو جس کے چھوڑتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔ورنہ شکار حلال نہ ہوگا (کتب فقہیہ)

وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا ...۵الآیۃ

اہل کتاب کی طہارت ونجاست کا مسئلہ

اہل کتاب (مجوس، یہود اور نصاری وغیرہ) کی طہارت ونجاست کے بارے میں فقہاء امامیہ میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔اگرچہ مشہور ومنصور قول یہی ہے کہ وہ نجس ہیں اور اس قول کی صحت پر کئی دلائل وشواہد موجود ہیں منجملہ ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ ارشاد قدرت ہے''انما المشرکون نجس ''جو مشرک ہیں وہ نجس ہیں۔ظاہر ہے کہ اہل کتاب مشرک ہیں۔لہٰذا نجس ہوں گے یہ آیت ان کی نجاست پر نص صریح ہے علاوہ بریں وہ تو اب دین اسلام ترک کرنے اور پیغمبر خاتم کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر بھی ہیں اور کافر بالاتفاق نجس ہے۔

دوسری دلیل سرکار محمد وال محمدؐ کی بکثرت احادیث صحیحہ وصریحہ موجود ہیں۔جو وافی ،وسائل اور حدائق وغیرہ کتب معتبرہ میں مذکور ہیں جو بعبارۃ النص اہل کتاب کی نجاست پر دلالت کرتی ہیں مگر جو فقہا ان کی طہارت کے قائل ہیں وہ علاوہ ان بعض روایات کے کہ جن سے ان کی طہارت مترشح ہوتی ہے اور اان کی مناسب تاویل کی گئی ہے اس آیت مبارکہ سے بھی استدلال کیا کرتے ہیں جس میں اہل کتاب کے طعام کو اہل اسلام کے لئے حلال قرار دیا گیا ہے

اہل کتاب کے طعام سے کیا مراد ہے؟

مگر یہ استدلال اس وقت نا قابل اعتبار ہو جاتا ہے جب تفسیر اہل بیتؑ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں طعام سے ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا مراد نہیں لیا گیا بلکہ اس سے ''حبوب''یعنی اناج اور ''بقول'' یعنی سبزیاں مراد لی گئی ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر قمی،عیاشی اور صافی وغیرہ)

چونکہ اس وقت اناج وغیرہ کی تجارت یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔لہٰذا مسلمانوں کو انہی سے غلہ خریدنا پڑتا تھا۔اور بعض اوقات ان کے ہاتھ فروخت بھی کرنا پڑتا تھا۔تو کچھ مسلمانوں کو فکر دامن گیر ہوئی کہ یہ ادھر کفار سے ترک موالات کا حکم ادھر ہم ان سے خرید وفروخت بھی کرتے ہیں۔تو اس معاملہ کا کیا بنے گا؟ تو اس تردد کا یوں ازالہ کیا گیا کہ ان لوگوں کا اناج تمہارے لئے اور تمہارا اناج ان کے لئے حلال ہے۔اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ اس حکم کا اہل کتاب کی نجاست وطہارت کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔اور اس جملہ سے یہ بتانا ہرگز مقصود نہیں ہے کہ اہل کتاب کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا تمہارے لئے حلال ہے ورنہ اگر اس فقرہ کا یہ مطلب ہو تو پھر دوسرے جملہ کو کہ تمہار طعام ان کے لئے حلال ہے کا کیا مطلب ہوگا؟ اور اس کا کیا محل ہوگا،مخفی نہ رہے کہ جب یہاں طعام سے اہل کتاب کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا مراد نہیں ہے بلکہ حبوب وبقول (اناج وسبزیاں) مراد ہیں تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا بھی اہل اسلام کے لے جائز نہیں ہے کیونکہ ذبیحہ کے حلال ہونے میں ذابح کا مسلمان ہونا لازم ہے کما لا یخفی

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا...الآیۃ

ماکولات ومشروبات کی حلیت بیان کرتے ہوئے معاملہ آگے بڑھ گیا اور عقد وازدواج کا تذکرہ بھی کر دیا گیا۔اور بتایا گیا کہ اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز ہے۔

مسلمان عورت کا نکاح کافر سے حرام ہے

اس بات پر تو سب فقہاء اسلام کا اتفاق ہے کہ ایک مسلمان عورت کا عقد نکاح کافر بجمیع الاقسام سے جائز نہیں ہے۔اسی طرح ایک مسلمان کے کافرہ عورت سے نکاح کے ناجائز ہونے پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے ہاں البتہ اس بات میں قدرے اختلاف ہے کہ ایک مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ عورت سے جائز ہے یا ناجائز؟ اس سلسلہ میں چھ قول ملتے ہیں۔

۱۔حرمت مطلقہ۔عقد دائمی ہو یا منقطع

۲۔حلیت مطلقہ

۳۔دائمی حرام ہے اور منقطع حلال

۴۔عقد نکاح بہر حال حرام ہے مگر ملک یمیں کے طور پر جائز ہے

۵۔عقد منقطع۔اور ملک یمین جائز ہے اور دائمی ناجائز

۶۔اختیاری صورت میں دائمی و منقطع دونوں حرام اور اضطراری صورت میں حلال اور ملک الیمین کی بنا پر مقاربت جائز ہے۔

اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

اس اختلاف آراء کا ظاہری سبب آیات وروایات کا ظاہری اختلاف ہے ایک جگہ وارد ہے۔**ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن**۔(بقرہ) جب تک مشرکہ عورتیں ایمان نہ لے آئیں اس وقت تک ان سے نکاح نہ کرو۔اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے عقد وازدواج جائز نہیں ہے مگر زیر بحث آیت سے جواز مترشح ہوتا ہے ارشاد ہے۔**والمحصنت من الذین اوتوا الکتب من قبلکم**۔(المائدہ) جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان کی پاکدامن عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں اب جو فقہاء جواز کے قائل ہیں وہ اس دوسری آیت کو پہلی آیت کا ناسخ قرار دیتے ہیں اور جو حرمت کے قائل ہیں وہ پہلی آیت کو دوسری آیت کا ناسخ قرار دیتے ہیں۔اور بعض (جواز والی) دوسری آیت کا ناسخ اس آیت کو قرار دیتے ہیں جس میں کافرہ عورتوں کے دامن کو چھونے کی ممانعت کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ۔**ولا تمسکوا بعصم الکوافر**۔اور چونکہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کونسی آیت مقدم ہے تاکہ اسے منسوح اور کونسی موخر ہے تاکہ اسے ناسخ قرار دیا جائے اسلئے مسئلہ قالب اشکال میں ہے اگرچہ کئی روایات سے علی الاطلاق جواز مترشح ہوتا ہے مگر بہت سی روایات حرمت مطلقہ پر بھی دلالت کرتی ہے اور چونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عندالاختلاف ان احادیث پر عمل کیا جائے جو مخالف عامہ ہوں (فروع کافی) لہٰذا حرمت والی احادیث کو ترجیح دی جائیگی۔اور اسی قول کو جناب سید مرتضے شیخ مفید، شیخ طوسی اور شیخ بحرانی وغیرہ فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

متعہ کا جواز

ویسے ہمارے فقہا میں تیسرا قول زیادہ مشہور ہے کہ عقد دائمی سوائے اضطرار کے جائز نہیں ہے اور عقد منقطع اختیاری حالت میں بھی جائز ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آیت میں ایسی عورتوں کو ان کی اجرتیں دینے کا حکم دیا گیا ہے(**اذا اتیتموھن اجورھن**)اور ظاہر ہے کہ اجرت صرف عقد منقطع میں ہوتی ہے اسلئے اہل بیت نبوی کی فقہ میں زناکاری وبدکاری سے بچنے کی خاطر کتابیہ عورت سے متعہ جائز قرار دیا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ زناکاری سے احتراز کرنا اس قدر اہم ہے کہ اس اہم مقصد کے حصول کی خاطر

اہل کتاب کی حد تک عقد منقطع میں اسلام کی شرط بھی ختم کردی گئی ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جمہور اہل اسلام نے رحمت کے اس دروازہ کو ہمیشہ کے لئے بند کر کے جنسی بے راہ روی اور بدکاری کا دروازہ ہمیشہ کے لئے چوپٹ کھول دیا ہے۔ اس لئے حکیم الامہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے۔ ''لولا نہی عمر عن المتعة مازنی الا شقی'' (اوشفی) اگر جناب دوم متعہ کی ممانعت نہ کرتے تو کسی شقی و بدبحت کے سوا (یا اقل قلیل کے سوا) اور کوئی زنا نہ کرتا (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۴۰، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹ وغیرہ) اور جناب عبداللہ ابن عباس کہا کرتے تھے۔ ما کانت المتعة الا رحمة من اللہ رحم بها امة محمد ولو لا نہیه ما احتاج الی الزنا الا شقی (ایضاً)

وَمَنْ يَّكْفُرْ... الاية

جو ایمان کا انکار کرے اور کفر اختیار کرے اس کے تمام اعمال و افعال ضائع وکارت ہوجاتے ہیں یہ آیت اپنے عموم کے ساتھ ہر قسم کے شرعی احکام و اوامر و نواہی کے انکار کو شامل ہے۔ کما لا یخفی۔

آیات القرآن

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ
وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى
الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ
عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ
تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ
مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ
لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ ۶ وَاذْكُرُوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِىْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا
وَاَطَعْنَا ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ ۷ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ
قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! جب نماز کے لئے کھڑے ہونے لگو تو اپنے چہروں اور کہنیوں سمیت اپنے ہاتھوں کو دھوؤ۔ اور سروں کے بعض حصہ کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرو۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو پھر غسل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے آیا ہو۔ یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو (مل لو) اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی سختی کرے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ تمہیں پاک صاف رکھے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو (۶) اور یاد کرو اللہ کا وہ احسان جو اس نے تم پر کیا ہے اور اس کے عہد و پیمان کو جو اس نے تم سے لیا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا۔ اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے (۷) اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے اور راستی پر قائم رہنے والے اور عدل وانصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو (خبردار) کسی قوم سے دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ اور عدل سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ سے ڈرو بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے (۸) اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر وثواب ہے (۹) اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی دوزخ والے ہیں (۱۰)

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ...الآیة

اس آیت مبارکہ میں سے وضو کرنے کی ترکیب بتائی گئی ہے اور اگر پانی نہ مل سکے یا اس کا استعمال ضرروزیاں کا باعث ہو تو پھر اس کے بدل تیمم کرنے کی ترکیب بیان کی گئی ہے۔

وضو کی حقیقت اور کیفیت؟

وضو کیا ہے؟ جو کچھ قرآن وسنت سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وضو کے واجبی اجزاء یہ ہیں۔ دو دھونے اور دو مسحے۔ وہ دو دھونے یہ ہیں

۱۔ پہلے منہ کا دھونا۔ ۲۔ دوسرے ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا اور وہ دو مسح یہ ہیں

۱۔ سر کا مسح جس سے سر کے اگلے حصہ پر بقدر مسمی مسح کرنا مراد ہے۔

۲۔ پاؤں کا مسح۔ قرآن وسنت اور پیغمبر اسلامؐ ان کی مقدس آل اور اصحاب کی روش ورفتار سے تو پاؤں کا مسح ثابت ہوتا ہے مگر جمہور اہل اسلام پاؤں کے دھونے کے قائل ہیں اور اس کے جواز کے لئے ''ارجلکم'' کا عطف **بروئوسکم** پر کرنے کی بجائے جس سے مسح کا حکم ثابت ہوتا ہے۔**وجوهکم وایدیکم**۔ پر کرتے ہیں۔ جس سے وہ پاؤں کا دھونا ثابت کرتے ہیں مگر اس طرح غیر شعوری طور پر قرآن کو اس کی فصاحت وبلاغت سے نیچے گرا کر اس کے فطری مفہوم کے خلاف مفہوم مراد لیتے ہیں۔ یہاں **ارجلکم** کی لام پر زیر وزبر کی بحث بالکل فضول ہے کیونکہ حق یہ ہے کہ **ارجلکم** کی لام کو خواہ زیر سے پڑھا جائے یا زبر سے قرآن وسنت سے بہر حال پاؤں کا مسح کرنا ہی ثابت ہوتا ہے۔ زیر کی صورت میں تو واضح ہے کہ اس کا عطف **برؤسکم** کے لفظ پر ہے۔ جو **فامسحوا**۔ کا مفعول ہے اور زبر کی صورت میں اس کا عطف **برؤسکم** کے محل پر ہے جو کہ محل کے اعتبار سے مفعول ہونے کی بنا پر مفتوح ہے اور اگر اس کا عطف **وجوهکم** پر کیا جائے جو کہ **فاغسلوا** کا مفعول ہے تو اس طرح معطوف (ارجلکم) اور معطوف علیہ (**وجوهکم**) کے درمیان ایک اجنبی جملہ (**فامسحوا برؤسکم**) کا فاصلہ لازم آتا ہے۔ جو نحوی نقطہ نگاہ سے بالکل غلط ہے جیسا کہ کبیری شرح منیۃ المصلی ص ۱۵ طبع لاہور میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ابن عباس کہا کرتے تھے۔ **ابی الناس الا الغسل ولا اجد فی کتاب الله الا المسح**۔ یعنی عام

لوگوں نے تو (پاؤں) دھونے کے سوا انکار کر دیا ہے مگر میں تو کتاب اللہ میں مسح کرنے کے سوا اور کچھ نہیں پاتا۔(تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۶۲ طبع مصر) نیز انہی ابن عباس سے منقول ہے کہ کہا **الوضوء غلستان ومسحتان**۔وضو دو دھونے اور دو مسحوں کا نام ہے(تفسیر معالم التنزیل ص ۲۷۰ تفسیر خازن ج ا ص ۴۴۲)

تیمم کی ترکیب سے مسح پا کی تائید

جب پانی دستیاب نہ ہو یا دستیاب تو ہو مگر اس کا استعمال ضرر زیاں کا باعث ہو تو پھر شریعت مقدسہ نے اس کے عوض تیمم کرنے کا حکم دیا ہے اور جن دو اعضاء کو دھویا جاتا تھا۔تیمم میں ان پر صرف مٹی ملی جاتی ہے اور وہ بالاتفاق منہ اور ہاتھ، میں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح کیا جاتا ہے ورنہ اگر وضو میں پاؤں دھوئے جاتے تو پھر تیمم میں جو اس کا بدل ہے پاؤں پر ضرور مٹی ملی جاتی اور ان کو نظر انداز نہ کیا جاتا

پیغمبر اسلام کے عمل وکردار سے اس کی تائید مزید

نحوی وصرفی بحث سے ہٹ کر اگر پیغمبرؐ اسلام اور ان کی عترت طاہرہ اور آپ کے اصحاب اخیارؓ کی سیرت وکردار پر نظر کی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہو جاتی ہے کہ وہ وضو میں پاؤں کا مسح کیا کرتے تھے چنانچہ کتب فریقین میں موجود ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے اس طرح وضو کیا کہ غسل وجہہ ویدیہ ومسح راسہ ورجلیہ۔کہ منہ اور ہاتھوں کو دھویا اور سر اور پاؤں پر مسح فرمایا۔(کنز العمال ج ۵ ص ۱۰۸، اصابہ فی تمیز الصحابہ ج ا ص ۱۸۵ بذیل ترجمہ تمیم بن زید انصاری، نیل الاوطار شوکانی ج ا ص ۱۶۴ وغیرہ)

حضرت امیر علیہ السلام کا اسی طرح وضو کرنا کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ **فغسل وجهه ويديه ومسح على راسه ورجليه** (ملاحظہ ہو فتح الباری شرح البخاری ص ۲۶۲، تفسیر کبیر ج ا ص ۵۴۵، ترجمان القرآن ص ۸۴۲)

حضرت امام محمد باقرؑ اور دوسرے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا بھی یہی مذہب تھا(دراسات اللبیب ص ۵۳ طبع لاہور)

برادران اہل سنت کی کتابوں میں ان صحابہ کرام کے نام ملتے ہیں جو وضو میں پاؤں پر مسح کرتے تھے اور پاؤں دھونے والوں پر ایراد کیا کرتے تھے۔جیسے ابن عباس، ابن عمر اور انس بن مالک وغیرہ۔اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب ''قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ'' کی طرف رجوع فرمائیں یہاں اتنی ہی مقدار کافی وافی ہے

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى...الآية

احکام شریعت کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنے کے لئے معلم شریعت کا بیان ضروری ہے

وضو کی ترکیب کا بیان ختم ہونے کے بعد اجمالاً غسل جنابت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر تم جنب ہوتو اس سے طہارت کرو مگر اس کا طریقہ کار نہیں بتایا گیا۔ بعد ازاں تیمم کا حکم بیان کیا گیا اور اس کے موجبات میں سے صرف ایک حدث اصغر یعنی پائخانہ جانے کا نام لیا۔ دوسرے موجبات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ بعد ازاں ایک حدث اکبر یعنی عورتوں سے مباشرت کرنے کا تذکرہ کیا گیا اور دوسرے اسباب کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اگر معلم قرآن وترجمان شریعت اسلام کا کلام وبیان نہ ہوتا تو ہمیں کون بتلاتا کہ غسل جنابت کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور کون بتاتا کہ حدث اکبر کے دوسرے موجبات کیا ہیں اور پائخانہ پھرنے کے علاوہ حدث اصغر کے اسباب کیا ہیں؟ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی وضاحت کے لے ربانی معلم قرآن اور ترجمان شریعت اسلام کے وضاحتی کلام وبیان کی ضرورت نا قابل انکار ہے اور یہ کہ اس کے بغیر حقائق قرآن ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ان هذاالقرآن يهدى للتى هى اقوم۔

تیمم کی ترکیب

هى اقوم بہرحال اگر غسل یا وضو کے لئے پانی دستیاب نہ ہو یا آدمی بیمار ہو اور پانی ضرر پہنچاتا ہو یا آدمی سفر کی حالت میں ہو اور سواری سے اتر کر پانی تک نہ پہنچ سکتا ہوتو ان سب صورتوں میں تیمم کیا جائے گا۔ اور یہ بات شریعت اسلامیہ کے مطابق فطرت ہونے اور سہل وآسان ہونے کی نا قابل رد دلیل ہے۔ تیمم نام ہے مخصوص طریقہ پر پاک مٹی استعمال کرنے کا جس سے ہر وہ کام مباح ہوجاتا ہے جو آبی طہارت کے ساتھ مشروط ہے۔ اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھ یکبارگی پاک خاک وغیرہ پر مارے پھر پیشانی پر ناک کے بالائی حصہ تک پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کی پشت پر اور بعد ازاں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت پر انگلیوں کے سروں تک مسح کرے۔ اس موضوع کی باقی تفصیلات وجزئیات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات فقہی کتابوں کی طرف رجوع کریں

مَا يُرِيْدُ الله...الآية

شریعت اسلامیہ کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے سب احکام سہل وآسان ہیں اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں اور اس کے یہ احکام نہ صرف یہ کہ طاقت برداشت کے مطابق ہیں بلکہ وسعت کے مطابق ہیں، خالق مہربان جس حکم میں بعض حالات یا بعض افراد کے لئے تھوڑی سی بھی دقت محسوس کرتا ہے تو فوراً اس کا بدل مقرر کردیتا ہے۔ چنانچہ غسل اور وضو کے بدل تیمم مقرر کرنا شریعت اسلامیہ کا طغرائے امتیاز ہے پیغمبر اسلام فرماتے ہیں۔ جعلت لی الارض مسجدا وطہورا۔ میرے لئے (منجانب اللہ) زمین جائے سجدہ اور پاک وپاک کنندہ قرار دی گئی ہے۔ (فروع کافی، وغیرہ) اسی لئے خداوند عالم نے ازراہ لطف وکرم یہ حکم مقرر فرمایا ہے کہ جب غسل یا وضو کے لئے پانی نہ مل سکے یا مل تو سکے مگر اس کے استعمال میں ضرر وزیاں ہو تو غسل یا وضو کے عوض تیمم کرلیا جائے کیونکہ اصل مقصد تو انسان کی طہارت وپاکیزگی ہے وہ خواہ پانی سے حاصل ہو یا مٹی سے۔ اور پھر چونکہ روحانی طہارت وپاکیزگی کے حاصل کرنے کے لئے جسمانی پاکیزگی بھی ضروری ہے اسی لئے احادیث میں وارد ہے۔ النظافۃ من الایمان۔ صفائی ایمان میں داخل ہے اور یہ کہ۔ الطہور شطر الایمان۔ پاکیزگی ایمان کا جزء ہے بلکہ یہاں تک وارد ہے کہ۔ الطہو رنصف الایمان۔ پاکیزگی نصف ایمان ہے (نخبۃ العلوم)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ...الآیۃ

اللہ تعالیٰ کے وہ احسانات وانعامات جو اس نے اپنے عام بندوں پر بالعموم اور اپنے خاص بندوں پر بالخصوص کیے ہیں وہ اپنی کثرت اور وضاحت کی وجہ سے کسی وضاحت کے محتاج نہیں ہیں جیسا کہ خود اس کا ارشاد ہے۔ وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا۔ ہاں ان بے پایاں احسانات میں سے ایک خاص احسان یہ بھی ہے کہ اس نے ہمیں صراط مستقیم دکھایا اور اس پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔

اللہ کے اس عہد و پیمان سے کیا مراد ہے؟

البتہ قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ کے اس عہد و پیمان سے کیا مراد ہے۔ جس کا خدائے منان نے یہاں تذکرہ فرمایا ہے چنانچہ بعض مفسرین نے اس سے یہ عہد مراد لیا ہے جو خدا نے عالم ذر میں بنی آدمؑ کو صلب آدمؑ سے نکال کر اپنی ربوبیت کے بارے میں لیا تھا۔ اس قول کو فاضل طبرسی نے اضعف الاقوال قرار دیا ہے۔ مگر عام مفسرین نے اس عہد و پیمان سے وہ خاموش عہد مراد لیا ہے جو ایک نومسلم اسلام قبول کرتے وقت خدا اور رسول سے کرتا ہے کہ وہ ہر ہر امر و نہی میں ان کی اطاعت کرے گا اور اسلام کی سربلندی اور کفر کی سرنگونی کے لئے کسی مالی

وجانی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔اور جو قدیم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوتا ہے وہ فطری طور پر اپنی پیدائش کے ساتھ ہی اس عہد و پیمان کا پابند ہوتا ہے اگر چہ اسے اس کا شعور اسوقت ہوتا ہے۔جب وہ سن شعور کو پہنچتا ہے بس جو شخص اس عہد و پیمان کو نبھائے گا وہ وفادار سمجھا جائے گا اور جو اسے نہیں نبھائے گا وہ غدار وخیانت کار سمجھا جائے گا اب اس ایفائے عہد میں اگر چہ تمام عبادات ومعاملات وغیرہ داخل ہیں مگر اس کی نمایاں فرد انسانی معاملات کو خوش اسلوبی سے نبٹانا ہے۔فان المرء یعرف بالمعاملات۔لہٰذا جو شخص لین دین، رہن سہن اور سچائی اور وعدہ وفائی غرضیکہ انسانی تعلقات ومعاملات میں کھرا نہیں ہے وہ امین ووفا دار کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...الآیۃ

یہ مضمون بالکل وہی ہے جو سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۳۵ میں گذر چکا ہے۔لہٰذا اس کی تفسیر معلوم کرنے کے لئے مقام مذکور کی طرف رجوع کی جائے اور۔لا یجر منکم شنان قوم۔اور اس کی تفسیر اسی سورہ مائدہ کے آغاز یعنی آیت نمبر ۲ کے ذیل میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جائے۔

انصاف کے ساتھ گواہی دینے اور دشمن کے ساتھ عدل کرنے کا حکم

الغرض ان دونوں سورتوں کی دونوں آیتوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ معاملہ اور واسطہ خواہ دوستوں سے ہو یا دشمنوں سے بہر حال عدل وانصاف کرنا اور مضبوطی سے اس پر قائم رہنا واجب ولازم ہے۔اور اس معاملہ میں کسی کی بھی غلط رورعایت کرنا جائز نہیں ہے۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ ایک مسلمان حکومت کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اس طرح نظام عدل قائم کرے کہ ادائے حقوق اور اجرائے حدود وغیرہ کے سلسلہ میں مسلم وغیر مسلم رعایا میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھے۔فان الملك یبقی مع لکفر ولا یبقی مع الظلم۔جب خدا کفار سے اس طرح عدل کرنے کا حکم دے رہا ہے تو اس سے مسلمانوں کے ساتھ عدل کرنے کی خود بخود وضاحت ہوجاتی ہے نیز دونوں سورتوں کے بیان سے واضح وعیاں ہوجاتا ہے کہ ہر حالت میں گواہی سچی دینی چاہیے اور بات حق کہنی چاہے اور اس سلسلہ میں دنیا کا کوئی طمع ولالچ یا کسی قسم کا کوئی خوف وڈر آڑے نہیں آنا چاہیے۔

گواہی دینے اور عدل کرنے کے مفہوم کی وسعت

مخفی نہ رہے کہ عند التحقیق اس عدل اور ادائے شہادت کا دائرہ کار عام مفہوم سے بہت زیادہ وسیع ہے

اوراس میں ممتحن کا طلبہ کونمبر دینا، ڈاکٹر کا کسی مجروح یا مقتول کے بارے میں نتیجہ کی رپورٹ دینا یا کسی ملازم کے متعلق یہ سرٹیفکیٹ دینا کہ وہ سروس کے قابل نہیں ہے۔ یا طلبہ وغیرہ کو فراغت کی سند دینا بلکہ عام انتخابات میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا یا کسی مانگت کو نوٹ دینا بھی اس میں داخل ہے کہ ایسا کرنے والے نے اگر واقع کے خلاف کاروائی کی تو وہ جھوٹی گواہی متصور ہوگی اور ایسا کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب متصور ہوگا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کا فرض منصبی ہے کہ اپنے فرائض کو پوری دیانت وامانت کے ساتھ ادا کریں۔ تاکہ خالق وخلق کے مجرم قرار نہ پائیں۔ واللہ الموفق۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ ...الآية

اس گروہ کا تذکرہ جس کی نجات یقینی ہے

اس آیت میں خداوند عالم نے اس گروہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جس کی نجات قطعی اور یقینی ہے اور وہ یقینا اجر وثواب کا مستحق ہے اور یہ وہ گروہ ہے جس میں ایمان وایقان اور عمل صالح یعنی نیک کام دونوں شرطیں موجود ہوں۔ اور یہ مضمون قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے اور اس موضوع پر قبل ازیں متعدد مقامات پر تبصرہ کیا جاچکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...الآية

اس گروہ کا تذکرہ جو قطعی جہنمی ہے

اس آیت میں اس گروہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو کہ قطعی اور یقینی طور پر جہنمی ہے اور اس کی نجات کا کوئی امکان نہیں ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو کافر ہے اور اسلام سے عاری ہے یہاں حرف عطف واوَ کے ساتھ تکذیب آیات کا جو اضافہ کیا گیا ہے یہ اس گروہ کے کفر کا تتمہ ہی ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے لہٰذا یہ عطف توضیحی ہے۔

دو اور ضمنی اقسام کا بیان

ان آیتوں میں دو قسم کے گروہوں کا تذکرہ تو صراحتہ کیا گیا ہے جو اوپر مذکور ہیں۔ مگر تصوری طور پر دو قسمیں اور بھی اس سے سمجھی جاتی ہیں۔ ا۔ ایک قسم وہ ہے جو عقیدہ مومن ہے مگر ایمان کے تقاضوں سے خالی ہے ، یعنی عمل صالح نہیں کرتی ، یہ نہ پہلے گروہ میں داخل ہے جو قطعی اور یقینی نجات پانے والا ہے اور نہ دوسرے گروہ میں داخل ہے جو قطعی اور یقینی طور پر دوزخی ہے بلکہ یہ ایک بین بین قسم ہے جس کی مغفرت اور سزا دونوں کا برابر

امکان ہے گو یہ قسم مخلد فی النار بہر حال نہ ہو گی۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جو نعمت ایمان سے محروم ہے مگر عمل صالح کرتی ہے یہ قسم یقیناً دوزخی ہے کیونکہ یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اعمال کی صحت کی شرط اولین ایمان ہے۔ اور اس کے بغیر کوئی عمل کتنا ہی صالح کیوں نہ ہو اس کی قبولیت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل تو ہو سکتا ہے مگر اس کے صالح ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

آیات القرآن

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ
يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ
اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ
مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ
وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ
سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ
بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲ فَبِمَا نَقْضِهِمْ
مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ
مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ
مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے اسوقت تم پر کیا جب ایک گروہ نے ارادہ کیا تھا کہ وہ تمہاری طرف دست درازی کرے مگر اللہ نے (اپنی قدرت کاملہ سے) ان کو تم سے روک دیا۔ اللہ سے ڈرو۔ اور اہل ایمان کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے (۱۱) اور بلاشبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا تھا اور ہم نے بھی بارہ نقیب (سردار) مقرر کئے تھے۔ اور اللہ نے (ان سے) کہا تھا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تو اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکوۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے، اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا۔ (معاف کردوں گا) اور تمہیں ان بہشتوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی مگر تم میں سے جس نے اس کے بعد کفر اختیار کیا ہے وہ ضرور سیدھے راستے سے بھٹک گیا (۱۲) ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی (اپنی رحمت سے دور کردیا) اور ان کے دلوں کو سخت کردیا کہ وہ اب کلام (الٰہی) کو اس کی اصلی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں (تحریف کرتے ہیں) اور جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھلا بیٹھے ہیں (اے پیغمبر) ان کے معدودے چند آدمیوں کے سوا برابر ان کی نہ کسی خیانت سے مطلع ہوتے رہیں گے لہٰذا انہیں معاف کردیجئے اور ان سے درگذر کیجئے۔ بے شک اللہ معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۱۳)

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ...الآیۃ

علامہ سید علی نقی النقوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں ''مفسرین نے اس کو کسی خاص واقعہ سے متعلق قرار دیا ہے جو اس کی شان نزول کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس میں اتنا اختلاف ہے کہ گویا جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہودیوں کا قبیلہ نضیر تھا جس کے قلعہ میں پیغمبر خدا کچھ اصحاب کے ساتھ تشریف لے

گئے۔ تو اس موقع پر آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا۔ مگر خداوند عالم نے اس کی اطلاع رسول کو دے دی اور حضرت واپس تشریف لے گئے اور اسطرح بال بال بچ گئے۔ کوئی کہتا ہے کہ قریش نے ایک آدمی کو حضرت کے قتل کرنے کے لئے بھیجا وہ جب واپس آیا تو حضرت کے ہاتھ میں ایک کھینچی ہوئی تلوار تھی اس نے کہا ذرا مجھے تو دکھایئے آپ نے وہ تلوار اسے دے دی جب وہ تلوار اس کے ہاتھ میں آ گئی تو وہ کہنے لگا کہ اب مجھے آپ کے قتل سے کون روک سکتا ہے؟ حضرت نے بے ساختہ فرمایا۔ اللہ بس یہ سننا تھا کہ اس پر اثر ہوا تلوار پھینک دی اور مسلمان ہو گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ مشرکین نے ایک دفعہ مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا تھا۔ وہ طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہو گئے تھے اور حملہ نہ کر سکے اسے قرآن کہہ رہا ہے کوئی کہتا ہے حضرت جب ایک قبیلہ سے جنگ کے لئے تشریف لے گئے ہیں اور اس موقع پر اپنی جماعت سے جدا ہو کر تنہا جنگل میں ایک جگہ لیٹے ہوئے تھے کہ ان کا سردار تلوار لے کر آ گیا اور کہا آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ جس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ اتنے شدید اختلاف اقوال کے بعد یہ فیصلہ مشکل ہوتا ہے کہ اصل شان نزول کیا ہے؟ (تبیان ومجمع البیان)

ایک اور قدیم مفسر یہ کہتا ہے کہ یہ مشرکین کے تمام رویہ کا ذکر ہے۔ جو ہجرت مدینہ کے بعد رہا کہ وہ مسلمانوں کا قلع قمع کر دینا چاہتے تھے۔ اور پھر صلح حدیبیہ کے ذریعہ سے اللہ نے ان کے ہاتھوں کو مسلمانوں کی ایذاء رسانی سے روک دیا۔ (فصل الخطاب۔ ج ۲)

وَاتَّقُوا اللہ...الآیۃ

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کی شان نزول کے سلسلہ میں اوپر جو واقعات نقل کیے گئے ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں ہے یہ سب واقعات اس کے مصداق ہو سکتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں حضرت رسول کریمؐ اور اہل ایمان کی غیبی حفاظت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔

و اتقوا اللہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انعام واحسان خداوندی آنحضرتؐ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس نصرت اور امداد غیبی کا اصلی سبب تقویٰ اور توکل علی اللہ ہے۔ لہٰذا جو قوم یا قبیلہ جس زمان ومکان میں ان دو صفتوں کو اختیار کرے گا اس کی اسی طرح خدا کی طرف سے حفاظت وحمایت ہو گی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

(معارف القرآن)

وَلَقَدْ اَخَذَ اللہ...الآیۃ

اگرچہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں عام کفار مشرکین کا عموما اور مشرکین قریش اور منافقین کا خصوصا کئی بار برائی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اسی طرح یہود ونصاری کی بھی جا بجا مذمت وشکایت کی ہے مگر سب سے بڑھ کر جس قوم کا تذکرہ کیا ہے وہ یہود ہیں ۔ کیونکہ یہ قوم سب سے بڑھ کر حق وحقیقت کی معاند اور انسان وانسانیت کی مخالف ہے جیسا کہ سورہ بقرہ ، آل عمران ، سورہ نساء اور اس سورہ (مائدہ) کا اکثر و بیشتر حصہ اس امر پر مشتمل ہے۔

نقباء بنی اسرائیل کا تذکرہ۔

بنی اسرائیل بارہ خاندانوں پر مشتمل تھے۔ انتظامی حکمت اور قومی مصلحت کے تحت جناب موسیٰؑ نے بحکم خدا ہر قبیلہ سے ایک شخص کو منتخب کر کے اسے سردار مقرر کیا تھا جسے نقیب کہا جاتا تھا کیونکہ کسی کا نقیب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اس کے حالات وکوائف سے واقف وآگاہ ہو اور وہ اس کی فلاح وبہبود کے لئے کام کرنے، کرانے کا ذمہ دار ہو چنانچہ خدائے علیم وحکیم نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا تو اس پر عمل درآمد کرنے کرانے کا ذمہ دار ہر ہر قبیلہ کے نقیب وسردار کو قرار دیا۔

وہ عہد و پیمان کیا تھا؟

قرآنی آیات سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے پانچ چیزوں کی ادائیگی کا عہد و پیمان لیا گیا تھا۔

۱۔ اقامہ صلوۃ۔ ہر حالت میں نماز پڑھنے کا

۲۔ ایتاء زکوۃ۔ مقررہ شرائط کیساتھ زکوۃ ادا کرنے کا

۳۔ خدا کے رسولوں پر ایمان لانے کا

۴۔ انبیاء ومرسلین کی مدد ونصرت کرنے کا

۵۔ خدا کو قرضہ حسنہ دینے کا یعنی راہ خدا میں خلوص نیت کے ساتھ اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا (لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون) اداء زکوۃ کے معاہد کے بعد اس قرضہ حسنہ کا تذکرہ بتاتا ہے کہ اس سے دوسرے مستحبی صدقات وخیرات مراد ہیں۔ اور انہیں قرضہ کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح قرضہ کی ادائیگی شرعاً اور اخلاقاً واجب ہے اسی طرح اس صدقہ کا معاوضہ بھی خدا کے ذمہ لازم ہے الغرض قرض سے یہاں سے بطور استعارہ انفاق فی سبیل اللہ مراد ہے

اس عہد و پیمان کی ادائیگی پر کیا ملے گا؟

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد و پیمان نبھانے والوں کو خدائے رحیم وکریم تین انعامات سے نوازے گا۔

۱۔ خدا کی معیت (انی معکم) یعنی اگر تم نے اس عہد و پیمان پر عمل درآمد کیا تو میری توفیق اور میری نصرت تمہارے ساتھ ہوگی۔

۲۔ عفو، سیئات یعنی اگر تم نے میثاق کی پابندی کی تو تم سے جو گناہ سرزد ہوئے ہوں گے وہ معاف کردئے جائیں گے اور تمہاری کوتاہیوں پر معافی کا قلم پھیر دیا جائے گا۔

۳۔ جنت الفردوس میں داخلہ مل جائے گا۔ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْن

بھلا ایک مخلص کارکن کی اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوگی؟

۱۲ دوازدہ آئمہ کا اعلان

فریقین کی معتبر کتابوں میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث شریف موجود ہے کہ جو کچھ بنی اسرائیل میں ہوا وہ سب کچھ میری امت میں بھی ہوگا۔ (تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۴، نہایہ ابن اثیر ج ۱ ص ۲۴۴، مستدرک حاکم ص ۷ ۳ وغیرہ)۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں بارہ نقیبوں اور سرداروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے بنا بریں امت محمدیہ میں بھی بارہ سردار ہونے چاہیں۔ چنانچہ کتب فریقین میں آنحضرتؐ کی یہ حدیث موجود ہے کہ فرمایا میرے بعد میری امت میں بارہ سردار ہوں گے جو میرے جانشین ہوں گے (صحاح ستہ) یہ پیغمبر اسلام کی زبان حق ترجمان سے بارہ اماموں کی امامت کا اعلان واجب الاذعان ہے اور جب یہ حدیث تمام مسلمانوں کی کتابوں میں موجود ہے تو پھر ماننا پڑتا ہے کہ پوری امت مسلمہ اثنا عشری ہے والحمدللہ۔

فَبِمَا نَقْضِهِم ....الآية

اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم اس عہد و پیمان کا انجام بیان کر رہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا یعنی ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور وہ عہد و پیمان جو ان سے لیا گیا تھا اسے توڑ دیا گیا۔ اور اس کی حرمت کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ جس کی وجہ سے خدائے جبار وقہار نے ان کو چند قسم کے عذابوں میں گرفتار کیا۔

ان سزاؤں کا تذکرہ جو عہد شکنی کی وجہ سے بنی اسرائیل کو دی گئیں۔

قرآن اور تاریخ عالم وعالمیان گواہ ہے کہ بنی اسرائیل کی اس عہد شکنی کرنے اور انبیاء پر ایمان نہ لانے ان کی مدد ونصرت نہ کرنے ،نماز نہ پڑھنے اور زکوۃ وغیرہ ادا نہ کرنے کی پاداش میں خدائے قہار نے ان کو کئی قسم کی سزائیں دیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ان پر لعنت کی۔قبل ازیں کئی بار اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ لعنت کوئی سب وشتم یا گالم گلوچ نہیں ہے۔ بلکہ رحمت خداوندی سے دور ہٹانے کا نام لعنت ہے۔

جو بلا وجہ خدا کسی پر نہیں کرتا بلکہ کسی شخص کی مسلسل نافرمانی اور پیہم حکم عدولی کی وجہ سے اسے اس عذاب میں گرفتار کرتا ہے۔ ۲۔ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔کہ اب کوئی موعظہ حسنہ اور کوئی پند ونصیحت ان پر اثر نہیں کرتی مخفی نہ رہے کہ ہم سورہ نساء کی آیت نمبر ۸۸ ''اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ'' کی تفسیر اور دیگر کئی مقامات پر پوری وضاحت کر چکے ہیں کہ بندوں کو گمراہ کرنے، ان کے دلوں کو سخت کرنے، ان پر مہر لگانے اور انہیں اندھا وبہرہ بنانے کی نسبت خدائے عادل کی طرف مجازی ہے۔ چونکہ وہ پوری کائنات اور سب اشیاء اور ان کے علل واسباب کا خالق ہے ورنہ ان چیزوں کا قریبی سبب خود لوگوں کی اپنی خود اختیاری روش ورفتار ہے اور اس کا باعث ان کی مسلسل عصیان کاری پیہم حکم عدولی اور سرتابی ہے جس کی وجہ سے وہ اس سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔بل طبع اللہ علیھا بکفرھم۔

اس سزا کا نتیجہ؟

خداوند جبار نے بنی اسرائیل کی عہد شکنی کی وجہ سے انہیں جس لعنت اور سخت دلی سے دوچار کیا۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب وہ لوگ کلام اللہ میں ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہیں۔قبل ازیں سورہ نساء آیت نمبر ۴۶ کی تفسیر اور دیگر کئی مقامات پر تحریف اور اس کے مختلف اقسام پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

۲۔اپنی کتاب کا بہت سا حصہ بھلا دیا ہے بالخصوص اس کا وہ حصہ جس میں سرکار ختمیؐ کی ذات گرامی پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا اور آپ کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

۳۔آپ مسلسل ان کی خیانت اور بد دیانتی سے آگاہ ہوتے رہیں گے۔جو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ کبھی اس سے باز نہیں آئیں گے بلکہ جب بھی موقع ملے گا غدر ومکر سے کام لیتے ہوئے خیانت کریں گے۔

مگر خدا ان کی اس روش ورفتار کے بالمقابل اپنے حبیب کو یہ حکم دے رہا ہے اور آپ کو مکارم اخلاق کی یہ اعلیٰ تعلیم دے رہا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کریں آپ بہر حال ان سے عفو وصفح سے کام لیں۔ وہ دغا کریں تو آپ وفا کریں اور وہ جفا کریں تو آپ دعا کریں۔ الغرض وہ اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ اپنا کام کریں اور زبان حال سے کہیں۔ ع

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے
ہم اپنی وضع کیوں بدلیں؟

الغرض مسلمانوں کو بنی اسرائیل کے حالات سے درس عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ خدا نے ان کی طرح ان سے بھی ایمان وعمل کا عہد و پیمان لیا تھا۔ مگر انہوں نے اطاعت کی جگہ شقاوت کی راہ اختیار کی تو کہیں مسلمان بھی ان کی طرح خدا سے کیا ہوا ایمان وعمل کا عہد فراموش نہ کر بیٹھیں۔ نیز یہی عہد و پیمان نصرانیوں سے بھی لیا گیا تھا مگر انہوں نے بھی اس عہد کو طاق نسیان پر رکھ دیا اور ایمان وعمل کے اس عہد کو فراموش کر دیا۔

امت مسلمہ نے دوازدہ ائمہ علیہم السلام کے ساتھ کیا کیا؟

یہ تو تھا بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا مختصر سا بیان۔ کہ انہوں نے کس طرح اپنے بارہ نقباء کی حکم عدولی کی اور کس طرح اپنے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کی؟ اب آیئے ذرا تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ امت مسلمہ نے اس عہد و پیمان کو کس طرح نبھایا، جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دوازدہ امام علیہم السلام کے بارے میں لیا تھا؟ تفصیلات میں جانے کا نہ وقت ہے اور نہ ضرورت۔

اگر گویم زباں سوزد
بس اتنا سمجھ لیں

ع۔

ہیچ کافر نکند آنچہ مسلمان کردند
کوفے میں کربلا میں مشہد کاظمین میں
بکھرے گل ریاض پیغمبرؐ کہاں کہاں؟
دوبار نماز شہید ہوئی اک مسجد میں اک مقتل میں
قرآن لہو میں تر دیکھا اک کوفے میں اک کربل میں

آیات القرآن

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا
ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ
وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۴ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ
جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ
وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵
يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۶ لَقَدْ
كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ
مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ
مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷

ترجمۃ الآیات

اور جو لوگ کہتے کہ ہم نصرانی ہیں ان سے بھی پختہ عہد لیا تھا سو جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اس کا بڑا حصہ بھلا بیٹھے تو ہم نے (بطور سزا) قیامت تک ان کے درمیان بغض وعناد ڈال دیا اور عنقریب اللہ ان کو بتائے گا کہ وہ (دنیا میں کیا کرتے تھے)۔(۱۴) اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ پیغمبر آ گیا ہے جو بہت سی ان باتوں کو کھول کر بیان کر رہا ہے جنہیں تم اس کتاب میں سے چھپاتے رہے ہو اور بہت سی باتوں کو نظر انداز بھی کر دیتا ہے بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (روشنی) اور واضح کتاب آ گئی ہے۔(۱۵) جس کے ذریعہ

سے خدا ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں پر چلاتا ہے جو اس کی رضا کی اتباع و پیروی کرتے ہیں اور ان کو تاریکیوں (گمراہی) سے بظاہر اپنے اذن و توفیق سے نور (ہدایت) کی طرف لاتا ہے اور انہیں سیدھا راستہ پر لگاتا ہے۔(۱۶) یقینا وہ لوگ (نصرانی) کافر ہو گئے، جنہوں نے کہا کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ مسیح مریم ان کی ماں اور تمام اہل زمین کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کس کا ذرا بھی بس چل سکتا ہے؟ (کہ اس کو روک دے) آسمانوں پر، زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔(۱۷)

تفسیر الایات

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا ...۱۴ الآیۃ۔

اس سے پہلی آیات میں یہود کی عہد شکنی اور حکم عدولی کرنے اور اس کے نتیجہ میں خدا کی لعنت اور دیگر مختلف عذابوں میں مبتلا ہونے کا تذکرہ تھا اور اب اس آیت میں نصاریٰ کی عہد شکنی اور حکم عدولی اس کی پاداش میں بعض عذابوں میں گرفتار ہونے کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

نصاریٰ سے کیا عہد لیا گیا تھا؟۔

وہ عہد یہی تھا کہ۔ ا۔ وہ دین الٰہی کی نصرت کریں گے اور خود انہوں نے نحن انصار اللہ کہہ کر اس عہد و پیمان کا اقرار بھی کیا تھا۔

۲۔ آخری پیغمبر کے آنے کی بشارت اور اس پر ایمان لانے کی تاکید انجیل میں آنحضرتؐ کے لئے فارقلیط کا لفظ استعمال ہوا ہے جو احمد کا ترجمہ ہے مگر وہ اس عہد و پیمان پر ثابت قدم نہ رہے دین الٰہی کی نصرت کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی بجائے خالص توحید کا دامن چھوڑ دیا اور تثلیث کے نامعقول خود ساختہ نظریہ کو اپنالیا اور آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے عہد کو یکسر نظر انداز کر دیا اور الٹا ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے جس کے نتیجے میں خدائے جبار و قہار نے بطور سزا ان کے درمیان ایسی مذہبی و سیاسی عداوت اور دشمنی ڈالدی جو قیامت تک برقرار رہے گی اور ان کا مذہبی و سیاسی افتراق و اختلاف کبھی ختم نہ ہوگا۔

نصاریٰ کے مذہبی فرقے؟

جناب عیسیٰؑ کا دین جو وہ منجانب اللہ لائے تھے ایک تھا۔ مگر نصاریٰ نے اس کے حصے بخرے کر دے۔ اور دین مسیح کے نام پر تین فرقے وجود میں آ گئے۔

(۱) نسطوریہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے

(۲) یعقوبیہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو خدا سے متحد مانتے تھے۔

(۳) ملکائیہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو تین خداؤں میں سے ایک خدا قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور میں ان کے بڑے بڑے دو گروہ ہیں۔

(۱) پروٹسنٹینٹ

(۲) کیتھولک ظاہر ہے کہ جہاں عقائد و نظریات میں اختلاف ہو وہاں باہمی عداوت و دشمنی تو ضرور ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر فرقہ دوسرے کو کافر و ملحد کہتا ہے جس کی وجہ سے ان کے درمیان اسقدر جنگ و جدال اور قتل و قتال ہو چکا ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے اپنے ہاتھوں میں سے اتنا خون بہہ چکا ہے کہ جتنا دوسروں سے جنگ و جدال میں بھی نہیں بہا اور پھر ان کے باہمی سیاسی اختلاف اور باہمی رقابتیں اس پر مستزاد ہیں ''جرمنی کی آویزش فرانس سے، برطانیہ کا غصہ روس پر، فرانس کی عداوت اسپین سے اور امریکہ کی بدگمانی اٹلی سے وغیرہ'' (دریابادی)۔ اس باہمی رقابت و عداوت کا ثمرہ دنیا ماضی قریب میں دو عالمگیر جنگوں کی شکل میں دیکھ چکی ہے جن میں لاکھوں نہیں کروڑوں لوگ لقمہ اجل بن گئے ایک ہی دین کے ماننے والوں کا اس طرح مختلف فرق و مسالک میں بٹ جانا اور پھر ہر فرقہ کا دوسرے کو کافر و ملحد قرار دینا اور پھر مذہب کے نام پر ایک دوسرے کا خون بہانا یہ اللہ کا عذاب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ فاعتبروا یا اولی ''ابصار! بہر حال ان لوگوں کا پہلے باہمی جنگ و جدال مذہبی فرقہ آرائی پر تھا اور آج سیاسی و اقتصادی فرقہ بندی پر جنگ آرائی جاری و ساری ہے۔

تازیانۂ عبرت:

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن نے یہود و نصاری کے یہ واقعات و انحرافات اس لئے بیان کئے تھے کہ مسلمان ان سے درس عبرت حاصل کریں اور فرقہ آرائی کی گمراہی سے اپنے تئیں بچائیں اور ہوشیار ہو جائیں اور کہیں ایسے جرائم کا ارتکاب نہ کریں، جن کی سزا یہود و نصاری بھگت رہے ہیں ورنہ ان کا انجام بھی ان سے مختلف نہ ہوگا کیونکہ ع۔ سخت ہیں قدرت کی تعزیریں؟ مگر آہ! ما اکثر العبر وما اقل اعتبار؟ عبرتیں کس قدر زیادہ ہیں اور

عبرت حاصل کرنے والے کس قدر کم ہیں؟

کاخ جہان پر است ز ذکر گذشتگاں
لیکن کسے کہ گوش نہداِیں صدا کم است

بڑے قلبی دکھ اور درد کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ اگر آج ایک اسلام کے تہتر اسلام بن چکے ہیں اگر آج مسلمان مختلف فرق اور مسالک میں تقسیم ہو چکے ہیں اور پھر ایک دوسرے کو کافر وملحد قرار دیکر ایک دوسرے کا خون ناحق بہا رہے ہیں اور غیر مسلم عالم کو تماشہ دکھا رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باہم لڑ جھگڑ کر اپنے آپ کو کمزور سے کمزور تر اور دشمن کو طاقتور سے طاقتور بنا رہے ہیں اور اسے یہ کہنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں کہ ع۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

تو یہ ان کی عہد شکنی بے راہ روی اور شامت اعمال کا قدرتی نتیجہ ہے۔

ع۔

آزما ست کہ برما است!

سچ ہے! ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا۔

وسوف ینبئهم الله بما کانو یصنعون۔

قَدۡ جَآئَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡر... الآیۃ

یہاں نور اور کتاب مبین سے کیا مراد ہے؟

مفسرین اسلام میں قدرے اختلاف ہے کہ اس نور اور کتاب مبین سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کہ آیا یہ دونوں ایک ہی چیز کے دو عنوان ہیں یا یہ دو مختلف حقیقتیں ہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ نور سے حضرت رسول خداؐ مراد ہیں اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے قرآن مجید مراد ہے پہلے قول والے اپنے نظریہ پر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نور اور کتاب مبین کے درمیان حرف عطف (واوٌ) موجود ہے جو مغائرت کا تقاضا کرتا ہے معطوف علیہ اور ہے اور معطوف اور؟ اور دوسرے قول والے اپنے نظریہ

پر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے اگلی آیت میں مفرد کی ضمیر لائی گئی ہے یہدی بہ اللہ (جس کے ذریعہ سے اللہ ہدایت وراہنمائی کرتا ہے)۔

لہٰذا اگر نور اور کتاب دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو پھر خدا علیم وحکیم یہدی بہما فرماتا (کہ اللہ ان دونوں کے ذریعہ سے ہدایت وراہنمائی کرتا ہے۔) بنابریں اس عطف کو عطف تفسیری تسلیم کرنا پڑے گا جس میں حرف عطف کے بعد والی چیز (معطوف) اس کے ماقبل (معطوف علیہ) کی تفسیر وتشریح کرتی ہے چونکہ یہاں وارثان علم قرآن کی بیان کردہ کوئی مستند تفسیر موجود نہیں ہے اور اگر مفسر قمی یا دوسرے بعض مفسرین نے اس سے حضرت رسولؐ خدا یا حضرت امیرؑ اور دوسرے آئمہ طاہرین علیہم السلام کو مراد لیا ہے تو انہوں نے اس پر کسی معصومؑ کا کوئی فرمان پیش نہیں کیا اگرچہ مشہور قول یہی ہے مگر مرجح قول دوسرا ہے۔ واللہ العالم

نور کی حقیقت اور نبیؐ وقرآن پر اس کے طلاق کی وجہ؟

یہاں نور کی حقیقت اور قرآن وسنت میں نبی وقرآن پر نور کے اطلاق کی وجہ پر فی الجملہ تبصرہ کردینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ سو واضح ہو کہ عام طور پر نور کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ ''اظاہر بنفسہ والمظہر لغیرہ'' جو خود (بخود) ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے'' مگر ارباب علم ودانش جانتے ہیں کہ یہ نور کی تعریف لفظی ہے جو صرف شرح اسم کا کام دیتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ حقیقی تعریف تو وہ ہوتی ہے جو جامع جمیع افراد اور مانع از دخول غیر ہو جبکہ مذکورہ بالا تعریف نور تو نار پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی خود بخود ظاہر ہوتی ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرتی ہے تو پھر نور کی حقیقی تعریف کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت نور مستور است تا حال نہ کسے اور افہمیدہ ونخواہد فہمید۔ یعنی۔ ع۔ کس نکشو دونکشاید بحکمت این معمارا۔ (رسالہ شرح آیت النور مطبوعہ ایران) یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء اعلام نے آیات وروایات نور کو ان متشابہات میں سے قرار دیا ہے جن پر اجمالی ایمان رکھنا اور ان کی اصل حقیقت کے سمجھنے کو راسخون فی العلم کی طرف لوٹانا ضروری ہوتا ہے (مراۃ العقول مجلسی، انوار نعمانیہ جزائری وغیرہ) اور نور کے ایک معنی ہدایت کے بھی ہیں جیسا کہ آیت مبارکہ انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی ونور (پ ۶ مائدہ ع ۱) وغیرہ آیات میں اس سے مراد ہدایت ہے بنابریں اگر پیغمبر خداؐ یا آئمہ ھدیٰ علیہم السلام پر قرآن وسنت میں نور کا اطلاق کیا گیا ہے تو وہ دو وجہ سے ہے۔

۱) چونکہ ان کے ارواح مقدسہ نورانی ہیں اور ان کے بشریٰ اجسام ان ارواح کے حامل ہیں اس لئے من باب المجاز ان کو نور کہہ دیا گیا ہے۔

۲) نور کے معنی ہدایت کے ہیں اور یہ بزرگوار حقیقی ہادی وراہنما ہیں اس لئے ان کو نور کہا گیا

ہے اور قرآن پر نور کا اطلاق نور کے انہی دوسرے معنی کے لحاظ سے ہے کہ چونکہ قرآن کتاب ہدایت ہے اس لئے اس پر نور کا اطلاق کیا جاتا ہے اس موضوع کی دیگر تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب ''اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ'' کے دوسرے باب کی طرف رجوع فرمائیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ... الآية

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جناب عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خالص توحید لے کر آئے تھے جیسا کہ متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث معصومیہ سے روز روشن کی طرح واضح آشکار ہے اور آپ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے بہت عرصہ بعد نصاری نے غلط جذبات محبت کی رو میں بہہ کر ان کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہا جیسا کہ ہمیشہ سے دنیا والوں کا وطیرہ رہا ہے کہ جس سے وہ محبت کرتے اور عقیدت رکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں افراط سے کام لیتے ہیں اور جس سے عداوت رکھتے ہیں اور نفرت کرتے ہیں اس کے بارے میں تفریط کرتے ہیں جبکہ حق اور راہ راست ہمیشہ افراط اور تفریط کے درمیان ہوتا ہے۔

یا اهل الكتب لا تغلوا فی دينكم۔ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور تثلیث والے باطل اور غیر معقول نظریہ سے باز آجاؤ اور توحید خالص اختیار کرو کسی بھی مخلوق کو خالق والہ قرار دے کر کافر نہ بنو سب ارضی وسماوی کائنات کی بسط وکشاد اور اس کی باگ دوڑ اللہ رب العزۃ کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر وہ عیسیٰؑ ان کی ماں اور تمام اہل زمین کو فنا کرنا چاہیے اور موت کی نیند سلانا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے؟ اور اس کے فیصلے کے سامنے کون چوں و چرا کر سکتا ہے؟ مطلب واضح ہے کہ جناب عیسیٰ۔ ہوں یا ان کی والدہ گرامی وہ خدا کے بالمقابل اسی طرح بے بس ہیں جس طرح دنیا کے دوسرے لوگ تو پھر انہیں اللہ کہنا یا انہیں اللہ سے متحد ماننا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ الله ملك السموات والارض۔ والله على كل شيء قدير۔

''عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کو نہایت عمدگی سے اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ باپ بھی خدا ہے، بیٹا بھی خدا ہے اور روح القدس بھی خدا ہے بایں ہمہ وہ تین خدا نہیں ہے بلکہ ایک خدا ہے یہ معمہ ہے، نہ سمجھنے کا، نہ سمجھانے کا'' (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا۔ بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن)

آیات القرآن

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ

يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ
لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا
نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ وَاِذْ
قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ
اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں ان سے کہو (پوچھو) پھر خدا
تمہیں تمہارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے (نہیں) بلکہ تم بھی اس کی مخلوقات میں سے محض
بشر (انسان) ہو وہ جسے چاہتا ہے، بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ ہی کے
لئے ہے، سلطنت آسمانوں کی، زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی اور سب کی
بازگشت اسی کی طرف ہے۔ (۱۸) اے اہل کتاب ہمارا رسول جو کھول کر (ہمارے احکام)
بیان کرتا ہے ایسے وقت تمہارے پاس آیا کہ جب کچھ عرصہ سے رسولوں کی آمد کا سلسلہ بند تھا
تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا تو لو تمہارے
پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (۱۹) وہ
وقت یاد کرو، جب جناب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم اللہ کا وہ احسان یاد کرو،
جو اس نے تم پر کیا اس نے تم میں نبی بنائے اور تمہیں فرمانروا اور خود مختار بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا
جو دنیا جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیا (۲۰)

تفسیر الآیات

وَقَالَتِ الْیَھُوْد...الآیۃ

اہل کتاب کے دعوائے ابنیت ومحبوبیت خدا کا مفہوم کیا ہے؟

یہود ونصاریٰ اس زعم م باطل میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ان کا اللہ سے کوئی خاص رشتہ ہے جس کی وجہ سے ان کے اعمال کا کوئی محاسبہ نہ ہوگا اور دنیا وآخرت میں ان کو کوئی عذاب وعقاب نہ ہوگا جب یہ بتانا مقصود ہو کہ فلاں شخص کا بیٹا ہے تو اس کے لئے دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

۱) ابن اور۔ ۲) ولد اور ان دو لفظوں میں باہمی فرق یہ ہے کہ ولد صرف اسے کہا جاتا ہے جو کسی کی صلب سے پیدا ہوا ہو مگر ابن عام ہے جس کا صلبی بیٹے پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور خصوصی تعلق والے پر بھی یعنی جس کا کسی سے خصوصی ربط وضبط ہو، جیسے مسافر کو ابن سبیل اور جنگجو کو ابن الحرب کہا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہود ونصاریٰ اس معنی میں اپنے کو ابناء اللہ نہیں کہتے تھے کہ وہ خدا کی صلب سے پیدا ہوئے ہیں بلکہ اس معنی میں کہتے تھے کہ وہ اللہ کے مقرب اور اس کے چہیتے ہیں اس لئے ان پر اللہ کی خصوصی نظر کرم عنایت ہے۔(تفسیر کبیر وضیاء القرآن)

یہود ونصاریٰ کے اس دعوی کی رد:

خدائے علیم وحکیم بڑے احسن انداز میں ان لوگوں کے اس زعم کی رد کر رہا ہے اگر تم واقعی خدا کے پیارے اور لاڈلے ہو تو پھر خدا تمہیں گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بھلا کوئی شفیق باپ بھی اپنی اولاد اور اپنے چہیتوں کو اس طرح سزا دیتا ہے خدا نے یہود کو دنیا میں فرعون اور فرعونیوں، بخت نصر اور رومیوں کے ہاتھوں سے اور نصاریٰ کو خود ایک دوسرے کے ہاتھوں سے اور باہمی قتل وقتال سے دی ہے؟ اور آخرت میں بھی انہیں سخت سزا دے گا جس کا خود ان کو بھی اس قدر تو اقرار ہے کہ وہ کم از کم اس قدر ایام معدودۃ تک ان کو سزا دے گا جتنے دنوں تک انہوں نے سامری کے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔ اس لیئے خدا واضح فرما رہا ہے کہ اس زعم میں مبتلا نہ ہو کہ تم خدا کے لاڈلے ہو بلکہ تم عام بشر وانسان ہو اور دنیا وآخرت میں کامیاب یا ناکام ہونے کا جو عام قانون اور آئین فطرت ہے اور سب انسانوں کے لئے ہے وہی تم پر بھی لاگو ہوگا اور وہ عمومی قانون قدرت جو دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کی کلید ہے وہ سعی پیہم اور جہد مسلسل ہے **ولیس للانسان الا ماسعیٰ** جو آخرت میں نجات

حاصل کرنے کی کنجی ہے وہ ایمان اور نیک کام ہے پس جو اخلاص کے ساتھ یہ کام کرے وہی اخروی فوز وفلاح سے بہرہ ور ہوگا۔ کائنات میں کان اور جو کام نہیں کرے گا اور جو صرف اپنی مزعومہ بزرگی و برتری کے کھوکھلے دعوے کرتا رہے گا نہ ایمان لائے گا اور نہ عمل صالح کرے گا وہ خائب وخاسر ہوگا اور انجام کار ہاویہ اس کا زاویہ ہوگا اور سقر اس کا مقر ہوگا۔ وذلك هو الخسر ان المبين۔ حضرت امام باقرؑ ایک مستند اور طویل الذیل حدیث کے اندر فرماتے ہیں کہ ليس بين الله وبين احد قرابة۔ خدا سے کسی بندہ کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ ولا ينال ماعند الله الا بالطاعه۔ خدا کے پاس جو کچھ اجر وثواب ہے وہ تقویٰ واطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ فمن كان لله مطيعاً فهو لنا ولی ومن كان لله عاصياً فهو لنا عدو۔ پس جو شخص خدا کا مطیع وفرمانبردار ہے وہ ہمارا ولی وحبدار ہے اور جو اللہ کا عاصی و نافرمان ہے وہ ہمارا دشمن وبغضدار ہے (اصول کافی، باب اللفکر والا ایمان) امام عالیمقام کے اس کلام حق ترجمان سے واضح وعیان ہوتا ہے کہ کسی بھی قوم و جماعت کو اہل کتاب کی طرح اس زعم باطل میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی رشتہ ہے جس کی بناء پر وہ اس کے اعمال وافعال کا محاسبہ نہیں کرے گا۔ یہ خیال محال کسی قوم و جماعت کی تباہی و بربادی کا موجب تو ہوسکتا ہے مگر اس کی فلاح کونین وسعادت دارین کا باعث نہیں بن سکتا وہ قادر مطلق ہے مالک دوسرا ہے۔ يغفر لمن يشاء ويعذب من يشاء ولكن لا يغفر الا لا هله ولا يعذب الا مستحقه

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ...الآیة

ہر زمانہ میں حجت خدا کا وجود ضروری ہے

خالق حکیم نے اس عالم آب وگل کا نظام کچھ اس نہج پر چلایا ہے کہ اس کی ہر چیز علل واسباب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اور اگر کبھی اس کے خلاف کوئی واقعہ رونما ہوجائے تو اس کا نام ''معجزہ'' ہے جو خرق عادت اور خلاف نیچر کا دوسرا نام ہے یہ الگ بات ہے کہ یہ علل واسباب سب مادی ومرئی ہوں یا کچھ مادی اور کچھ غیر مادی اور غیر مرئی ہوں۔ ہماری متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس عالم کی بقا کے علل واسباب میں سے ایک قوی سبب حجت خدا کا وجود بھی ہے خواہ نبی ورسول کی شکل میں ہو یا وصی وامام کی صورت میں الارض لا تخلو من حجته لله اما ظاهر مشهور و اما خائف مستور۔ زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں ہوتی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ ظاہر ومشہور ہو یا خائف ومستور ہو۔

(اصول کافی، نہج البلاغہ) لہٰذا اگر زمین حجت خدا سے خالی ہوجائے وہ اپنے اہل کو لے کر نیچے دھنس

جائے (اصول کافی)

ویسے اگر عقلی نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو اتمام حجت کے لئے ہر زمانہ میں حجت خدا کا وجود ضروری ہے اس لئے احادیث میں وارد ہے۔ الحجتہ قبل الخلق و مع الحلق و بعد الخلق (ایضاً)

زمانہ فترۃ کی تشریح؟

انبیاء و مرسلین کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ خدائے حکیم کبھی اپنے انبیاء کو یکے بعد دیگرے مسلسل بھیجتا رہتا ہے جیسا کہ جناب موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے درمیانی فاصلہ میں (جو قریباً ایک ہزار سات سو سال پر محیط ہے) ایک ہزار نبی مبعوث فرمائے اور کبھی دو نبیوں کے درمیان خاصا وقفہ واقع ہو جاتا ہے جیسے جناب عیسیٰؑ کے قریباً پانچ سو سال کے بعد حضرت ختمی مرتبتؐ کی بعثت واقع ہوئی اسی درمیانی زمانہ کو زمانہ فترہ کہا جاتا ہے مگر خیال رہے کہ یہ زمانہ حجت خدا کے وجود سے خالی نہیں ہوتا بلکہ خدا سابق نبی کے اوصیاء کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت و راہنمائی اور سابقہ شریعت کی بقاء کا انتظام کرتا ہے اور انہی کے ذریعہ سے لوگوں پر حجت تمام کرتا ہے چنانچہ آنحضرتؐ کی بعثت تک جناب عیسیٰؑ کے اوصیاء کا سلسلہ جاری رہا اور آپؐ کے دار دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے اوصیاء کا سلسلہ جاری ہے جو قیامت تک برابر جاری و ساری رہے گا جیسا کہ کتب فریقین میں مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ حدیث۔ یکون بعدی اثناء عشر حلیفةً۔ مروی ہے لا تقوم الساعة حتی یمضی اثنا عشر خلیفةً اور وہ بعض طرق وسناد میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ لاتقوم الساعة حتی یضی اثنا عشر خلیفةً۔ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک میرے بارہ خلیفہ گذر نہیں جائیں گے۔ (صحاح ستہ وغیرہ)

بارہویں امام کا ذکر خیر؟

اور یہ موجودہ دور بارہویں لعل ولایت حضرت مہدی و ہادیؑ کا دور ہے جس کے بارے میں پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا۔ لولم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول الله ذلك الیوم حتی یبعث رجلاً من اهلبیتی اسمه اسمی یملاء الارض عدلا وقسطا کما ملئت ظلماً وجورا۔ اگر زندگانی دنیا کے ختم ہونے اور قیامت کبریٰ کے قائم ہونے میں صرف ایک دن باقی رہ جائے تو خدا اسی ایک دن کو اس قدر طولانی کردے گا کہ میرے اہلبیت میں سے میرے ایک ہمنام جانشین کو بھیجے گا جو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح پہلے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی (سنن ابوداؤد۔ وغیرہ) عجل اللہ فرجہ الشریف۔

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلہ عالم افکار

بہرحال زمانہ فترہ کے بعد وہ آخری بشیر ونذیر نبی رحمت آ گیا جس کی آمد سے کفر وشرک کے تاریک بادل چھٹ گئے اور پوراعالم اسلام وقرآن رحمۃ العالمین کی رحمت کے ضیاء پاشیوں سے مطلع انوار بن گیا وہ آ گیا جس کا مدت سے تمہیں انتظار تھا لہٰذا کل فردائے قیامت بارگاہ رب العزت میں یہ نہ کہنا کہ ما جاءنا من بشیر ولا نذیر۔ کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والانہیں آیا تھا لو تمہارا عذر قطع ہوگیا بشیر ونذیر آ گیا تمہاری ہدایت کا انتظام اور بخشش کا اہتمام ہوگیا بس ان پر ایمان لاتے جاؤ ان کی اطاعت کرتے جاؤ اور اپنی نجات کا سامان مہیا کرتے جاؤ۔ وما علینا الا البلاغ۔ ع

بر رسولاں بلاغ باشد وبس

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی ...الآیة

جناب موسیٰ نے اپنی قوم کے دشمن کے ساتھ جہاد پر آمادہ کرنے کی خاطر یہاں منعم حقیقی کے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہیں

۱) تم میں سے انبیاء بھیجے جیسے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسف علیہم السلام۔

۲) غلامی کی زنجیریں توڑ کر تمہیں بادشاہت اور آزادی کی دولت عطا فرمائی حضرت یوسفؑ کے دور اور ان کے بعد مصر میں اُن کو بڑا اقتدار حاصل ہوا اور ویسے آزادی کی نعمت تو سب کو ملی۔

۳) اور تمہارے ساتھ وہ سلوک کیا جو کسی اور کے ساتھ نہیں کیا۔ جدال وقتال کے بغیر تمہارے سب سے بڑے دشمن فرعون کو ہلاک و برباد کیا تم پر من وسلوی نازل کیا، پتھر سے میٹھے پانی کے چشمے جاری کئے اور تمہارے سروں پر بادل کا سایہ کیا وغیرہ وغیرہ۔ ان نعمتوں کا تفصیلی تذکرہ اس تفسیر کی پہلی جلد میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۴۷ میں کیا جا چکا ہے یا بنی اسرائیل اذکرو نعمتی التی انعمت علیکم کی تفسیر میں کیا جائے گا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا
عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا
جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا
فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا
ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۬ۚ وَعَلَى اللّٰهِ
فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا
مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ
رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي
الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمۃ الآیات

اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہوجاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور (مقابلہ کے وقت) پیٹھ دکھا کر نہ بھاگنا ورنہ نقصان اٹھا کر لوٹو گے (۲۱) انہوں نے (جواب دیا) کہا اے موسیٰ اس زمین میں تو بڑے زبردست (جابر) لوگ رہتے ہیں اور ہم وہاں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہاں البتہ اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم ضرور داخل ہوجائیں گے۔ (۲۲) اس وقت دو شخصوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں میں سے تھے جنہیں اللہ نے (خصوصی) نعمت سے نوازا تھا۔ کہا۔ کہ تم ان (جباروں) پر چڑھائی کرکے دروازہ کے اندر گھس جاؤ اور جب تم اس کے اندر داخل ہوگے (تو وہ بھاگ

کھڑے ہوں گے) تم غالب آجاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان دار ہو۔ (۲۳) انہوں نے کہا موسیٰ ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں ہیں لہٰذا آپ اور آپ کا خدا دونوں چلے جائیں اور جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ (۲۴) موسیٰ نے کہا پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر کوئی قابو (اختیار) نہیں رکھتا پس تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ (۲۵) اللہ نے فرمایا! پھر اب وہ (زمین) چالیس سال تک ان پر حرام ہے وہ لق ودق صحراء میں سرگردان پھرتے رہیں گے پس آپ اس نافرمان قوم پر افسوس نہ کریں۔ (۲۶)

تفسیر الایات

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا ...الآیۃ

گویا خدائے رؤف ورحیم اپنے حبیب مصطفیٰ کو تسلی دیتے ہوئے تاریخ یہود کا قدیم قصہ سنا رہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ سے ضد اور کج بحثی کرتے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، یہ تو وہ اکھڑ مزاج قوم ہے جو اپنے نبی جناب موسیٰ۔ کے ساتھ یہی سلوک کرتی تھی۔

ارض مقدسہ شام میں داخلہ کا پس منظر:

حضرت ابراہیمؑ جب نمرود و دیگر کفار و مشرکین کے بغض و عناد اور ان کی مخاصمت ومخالفت کی وجہ سے مایوس ہو کر وہاں سے نکلے اور ملک شام کے علاقہ کنعان میں جو اب فلسطین کہلاتا ہے جا کر قیام پذیر ہوئے اور جناب یعقوبؑ کے عہد تک اس خاندان کا اسی جگہ قیام رہا اور پھر انقلاب زمانہ سے جب جناب یوسفؑ مصر پہنچے اور بازار مصر میں بحیثیت غلام فروخت کئے گئے اور بالآخر مصر کی مسند اقتدار پر بیٹھے تو انہوں نے اپنے والد جناب یعقوبؑ کو تمام خاندان سمیت مصر بلوایا اور ان کے جانے کے بعد کنعان (موجودہ فلسطین) پر ایک جبار اور سرکش قوم (عمالقہ) کا قبضہ ہو گیا جو قوم عاد کے بقایا میں سے تھے جو بڑے ہیبت ناک قد و قامت اور بے ہنگم ڈیل ڈول اور بے پناہ قوت وطاقت کے مالک تھے پھر جناب یوسفؑ کے جب مصر میں ملکی اور غیر ملکی کا سوال ابھر کر سامنے آیا اور اس سیاسی کش مکش میں انجام کار وہاں کی مقامی قوم قبط مسند اقتدار پر قابض ہو گئی اور اس کے ارباب اقتدار نے جو فرعون کہلاتے تھے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے اس وقت

خدا نے جناب موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا جن کے عہد میں خدائے قدیر نے فرعون اور فرعونیوں کو رود نیل میں غرق کیا اور اس طرح بنی اسرائیل کو ان کی غلامی سے نجات عطا فرمائی تب جناب موسیٰؑ نے ان لوگوں کو بشارت دی کہ تم لوگ اپنے آباو اجداد کی سرزمین کنعان (فلسطین) واپس جاؤ گے اور وہاں خدا تمہیں بڑا اقتدار و وقار عطا فرمائے گا چنانچہ اس ارض مقدسہ سے شام کا وہی علاقہ کنعان مراد ہے۔ یہ بشارت سن کر تو لوگ بہت خوش ہوئے مگر جب اس اقتدار کے حاصل کرنے کی منزل قریب آئی یعنی جب فرعون اور اس کے ساتھی غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو ان کے موسیٰؑ لم سے نجات ملی تو جناب موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ کنعان (فلسطین) چلو اور اس پر قابض قوم (عمالقہ) سے مقابلہ کرو اور ہرگز کسی قسم کی کمزوری نہ دکھاؤ اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ آخری فتح تمہاری ہوگی کیونکہ خدا نے یہ زمین تمہارے لئے لکھ دی ہے پس جب جہاد کا وقت آیا تو ان لوگوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا، جس کی تصویر کشی قرآن نے کی ہے اور جس چیز نے ان لوگوں کی بزدلی میں اضافہ کیا اور جلتی پر تیل چھڑکا، وہ یہ تھی کہ بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰ نے فلسطین کی تازہ صورتحال معلوم کرنے کے لئے بارہ آدمی روانہ کئے تھے انہوں نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اور قابض قوم کے حالات و واقعات کا جائزہ لیا اور جب واپس آئے تو باوجود یہ کہ جناب موسیٰ نے ان سے فرمایا اپنے چشم دید واقعات میں سے کوئی ایسا واقعہ بیان نہ کرنا جس سے قوم کا حوصلہ پست ہو اور مقابلہ و مقاتلہ سے جی چرائیں مگر ان بارہ اشخاص میں سے دس نے تو حکم عدولی کرتے ہوئے برملا بنی اسرائیل کے سامنے اس قوم کی قوت اور طاقت اس کی ڈیل ڈول اور قد کاٹھ اور ان قلعوں کے مضبوطی کے واقعات کچھ اس انداز سے بیان کئے کہ ان لوگوں کے چھکے چھوٹ گئے اور بالآخر بڑی جرأت و جسارت کے ساتھ جناب موسیٰ سے کہہ دیا کہ ہم ایسی قوم سے نہیں لڑ سکتے اور شام کی سرسبز زمین، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشموں اور وہان کے لہلہاتے ہوئے باغات پر قبضہ کرنے اور ان سے لطف اندوز ہونے کے ذوق شوق میں اپنی زندگیوں سے ہاتھ نہیں دھو سکتے اور اپنی بیویوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم نہیں بنا سکتے ہم تو بس مصر جائیں گے۔ بہرحال ان بارہ افراد میں صرف دو شخص ایسے تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے لب کشائی نہیں کی تھی اور بنی اسرائیل کو عمالقہ کے اپنے چشم دید حالات نہیں بتائے تھے وہ اس موقع پر آگے بڑھے اور بنی اسرائیل کو سمجھانے اور ان کی ہمت بڑھانے کی بڑی کوشش کی مگر بے سود۔ قرآن نے ان دو شخصوں کا نام نہیں بتایا صرف ان کی دو صفتیں بیان کی ہیں۔ (۱) الذین یخافون۔ وہ جو ڈرتے تھے کس سے؟ ظاہر ہے کہ خدا سے ہی ڈرتے ہوں گے کیونکہ ساری کائنات میں ڈرنے کے لائق وہی ذات ہے۔ (۲) الذین انعم اللہ علیھما۔ اللہ نے ان پر خصوصی انعام و احسان فرمایا تھا ظاہر ہے کہ دنیا جہاں میں جس میں کوئی خوبی پائی جاتی ہے وہ پروردگار عالم ہی کا

عطیہ ہے مگر مفسرین نے ان کا نام یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا لکھا ہے بہرحال انہوں نے حتی الامکان قوم کو سمجھایا بجھایا کہ نہ ڈرو نہ مرو کمر ہمت باندھو اور قدم بڑھاؤ شہر (بیت المقدس) کے دروازہ تک پہنچ جاؤ اور دشمن پر حملہ کرو نصرت و تائید الٰہی اس طرح تمہارے شامل حال ہوگی کہ دشمن بھاگ جائے گا اور تم غالب آجاؤ گے اور مظفر و منصور ہو کر شہر میں داخل ہو جاؤ گے مگر ان بزدلوں نے جب اپنے نبی کی بات نہیں سنی اور نہ مانی تھی تو ان کی بات کیا مانتے اس لئے بڑا اکھڑا ہوا اور بھونڈے انداز میں جواب دیا کہ (جب لڑنا نہیں ہے صرف دروازہ شہر تک جانا ہے تو پھر ہمیں وہاں جانے کی کیا ضرورت؟ فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون (بس آپ جائیں اور آپ کا پروردگار اور دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں) بنی اسرائیل کے اس گستاخانہ اور بے جا کانہ بے ادبانہ جواب اور سے دلبراشتہ ہو کر جناب موسیٰ ؑ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا۔ رب لا املك الا نفسي واخي۔ پروردگار میں اپنی ذات اور بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا بس تو ہی ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ وانت احکم الحاکمین۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امتحان کے وقت جناب موسیٰ کے سب ساتھی ساتھ چھوڑ گئے تھے سوا ہارون یا یوشع یا ایک اور کے تو اگر کبھی پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد بھی ایسی صورت حال پیش آجائے کہ چند مخلص لوگوں کے سوا باقی سب ساتھ چھوڑ جائیں تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہر دور میں خدا کے خالص و مخلص بندے کم ہی رہیں گے۔ وقليل من عبادي الشكور۔

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ ... الآية۔

خدائے تعالیٰ نے جناب موسیٰؑ کی دعا کو اس طرح شرف قبول بخشا کہ فرمایا اب وہ سرزمین (شام) چالیس سال تک ان پر حرام ہے اب یہ اس زمین (جنگل) میں سرگرداں پھرتے رہیں گے پس اس نافرمان قوم پر افسوس نہ کریں ظاہر ہے کہ اس حرام سے وہ شرعی حرام مراد نہیں ہے جس کی خلاف ورزی آدمی کے لئے ممکن ہوتی ہے بلکہ یہ قضا و قدر کا فیصلہ ہے جو بنی اسرائیل کی مسلسل بدعملیوں نافرمانیوں اور ناشکر گزاریوں کی وجہ سے ان کے خلاف نافذ ہوا ہے اور قادر مطلق نے اس سزا کا نفاذ اس طرح کیا کہ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو لق و دق صحرا میں اس طرح مجبور و محصور اور نظر بند کیا کہ پورے چالیس سال تک نہ شام جا سکے اور نہ واپس مصر لوٹ سکے نہ کوئی فوج نہ پولیس نہ جیل خانہ اور نہ اس کی بلند دیواریں اور نہ اس کا کوئی آہنی اور مضبوط دروازہ صرف مختصر سا خالی میدان جو مصر و شام کے درمیان ہے اس میں خدا نے اس طرح ان کو قید کیا کہ چالیس سال کی مسلسل جدوجہد اور سعی و کوشش کے باوجود نہ شام جا سکے اور نہ واپس مصر لوٹ سکے۔ اصل واقعہ اس طرح تھا کہ سارے دن کے سفر کے بعد جب

شام ہوتی تو پتہ چلتا کہ صبح جہاں سے چلے تھے پھر پھرا کر اسی جگہ پہنچ گئے ہیں بہرحال اگرچہ جناب موسیٰؑ وہارون بھی تھے تو قوم کے ساتھ مگر وہ وادی جہاں قوم کے لئے سزا اور جیل خانہ تھی وہاں ان بھائیوں کے لئے ان انعامات غیر مترقبہ کا مرکز تھی اور انہی کی دعا و برکت سے اس زیر عتاب قوم کو بھی مختلف الطاف ونعمات سے نوازا گیا۔اس طولانی مدت کے دوران پہلے جناب ہارون وفات پا گئے اور ان کے کچھ عرصہ بعد جناب موسیٰ بھی وفات پا گئے اور وہیں مدفون ہوئے ظاہر ہے کہ اس اثناء میں بنی اسرائیل کے عمر رسیدہ لوگ بھی موت سے ہمکنار ہو گئے بعد ازاں خدائے علیم وحکیم نے جناب یوشع بن نون کو جو کہ حضرت موسیٰ کے جانشین تھے عہدہ نبوت پر سرفراز فرمایا اور چالیس سال کی مدت قید ختم ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے باقیماندہ افراد اور نسل نو کو ہمراہ لے کر جہاد بیت المقدس کے لئے روانہ ہوئے اور خدا کے وعدہ کے مطابق ارض مقدسہ اور شام اور اس کے علاقہ کنعان (فلسطین) پر جہاد کر کے اپنا اقتدار قائم کیا اور اس طرح بے پناہ دولت ان کے ہاتھ آئی سچ ہے۔ع

بے رنج گنج ہر گز میسر نمی شود

اگر مسلمانوں کو بھی عالمی اقتدار کی بشارت دی گئی (لیظھرہ علی الدین کلہ) تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں عملی سعی وکوشش اور جدوجہد کی ضرورت نہیں ہے اور ضرور ہے۔ولیس للا نسان الا ماسعیٰ۔

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ بنا تھا

مولانا ابوالکلام لکھتے ہیں ''جب کوئی قوم عرصہ تک غلامی کی حالت میں رہتی ہے تو اس میں بلند مقاصد کے لئے جدوجہد کرنے کی استعداد باقی نہیں رہتی وہ غلامی کا امن پسند کرنے لگتی ہے''۔

اگرچہ ذلت ونامرادی کے ساتھ ہو اور مقاصد کی جدوجہد سے جی چرانے لگتی ہے اگرچہ اس کا نتیجہ کامرانی واقبال ہو اور خیال یہی حال بنی اسرائیل کا تھا اس پر حکم ہوا کہ تم چالیس سال تک جزیرہ نمائے سینا میں پڑے رہو اس میں مصلحت یہ تھی کہ چالیس سال کے اندر پچھلی نسل ختم ہو جائے جسے مصر کی غلامانہ زندگی نے نکما کر دیا تھا اور ایک اور نئی نسل پیدا ہو جائے جس نے بیاباں کی آزادانہ آب وہوا میں نشوونما پائی ہو چنانچہ چالیس سال کے بعد ایک نئی نسل ظہور میں آ گئی اور وہ بڑھی اور موجودہ سرزمین پر قابض ہو گئی''۔(ترجمان القرآن)

آیات القرآن

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ
اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا
يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا
بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ
اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ
جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ
يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ۚۛ مِنْ اَجْلِ
ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ
فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ
اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمۃ الآیات

اے رسولؐ آپ انہیں آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا سچا قصہ پڑھ کر سنائیے جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی اس (دوسرے) نے کہا میں تمہیں ضرور قتل کروں گا پہلے نے کہا اللہ تو صرف متقیوں (پرہیزگاروں) کا عمل قبول کرتا

ہے۔(۲۷) اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تمہیں قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا (کیونکہ) میں تو ڈرتا ہوں اس اللہ سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (۲۸) میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ سمیٹ لے جائے اور پھر دوزخیوں میں سے ہو جائے کہ ظالموں کی یہی سزا ہے۔(۲۹) تو (بالآخر) اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل کو اس کے لئے آسان بنا دیا چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔(۳۰) پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودتا تھا تا کہ اسے دکھائے کہ وہ کیونکہ اپنے بھائی کی لاش چھپائے اس پر اس نے کہا، ہائے افسوس! کیا میں اس کوے سے بھی زیادہ گیا گزرا ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش چھپاؤں اب وہ پشیمان ہونے والوں میں سے ہو گیا۔(۳۱) اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو، یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو وہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا ہو اور جس نے کسی ایک جان کو بچا لیا تو وہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا اور بے شک ان (بنی اسرائیل) کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے اور پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں ظلم و تعدی کرنے والے ہی رہے(۳۲)

تفسیر الآیات

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَا...الآیۃ۔

فرزندانِ آدمؑ سے کون مراد ہیں؟

چونکہ ہر آدمی جناب آدمؑ کی اولاد سے اس لئے اسے فرزند آدمؑ کہنا درست ہے اسی لئے بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ آدمؑ کے دو فرزندوں میں سے بنی اسرائیل کے دو شخص مراد ہیں مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے نا قابل التفات ہے۔ مشہور و منصور بلکہ متفق علیہ قول یہی ہے کہ اس سے جناب آدمؑ کے دو صلبی فرزند مراد ہیں ان دو فرزندوں کا نام کیا تھا؟ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ ان دو فرزندوں میں سے جو بڑا تھا اور قاتل تھا اور اس کا نام قابیل تھا جو چھوٹا تھا اور مقتول تھا اس کا نام ہابیل تھا۔

قربانی پیش کرنے کا مقصد کیا تھا؟

قرآن مجید خبر دیتا ہے کہ ان دونوں فرزندان آدمؑ نے قربانی پیش کی تھی اور ایک (ہابیل) کی قربانی قبول ہوگئی تھی اور دوسرے (قابیل) کی ناقبول جس کے نتیجے میں یہ قتل واقع ہوا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قربانی کیوں پیش کی گئی تھی؟ اس کا مقصد کیا تھا؟ برادران اسلامی کے اکثر بلکہ تمام مفسرین نے اور ہمارے بعض مفسرین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت آدمؑ وحوا کے ایک حمل سے دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے اور پھر ان کا دوسرے حمل سے متولد ہونے والے بہن بھائیوں سے عقدوازدواج ہوتا تھا چنانچہ ایک بار ایسا ہوا کہ جو لڑکی قابیل کے ساتھ توام پیدا ہوئی وہ بہ نسبت اس لڑکی کے جو ہابیل کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھی زیادہ حسین و جمیل تھی تو جناب آدم۔ نے قابیل کی توام خوبصورت بہن سے ہابیل کی اور ہابیل کی توام بہن جو کہ کم خوبصورت تھی کی قابیل سے شادی کرنا چاہی اس سے قابیل ناراض ہوگیا اور اپنی خوبصورت بہن سے شادی کرنے پر اصرار کرنے لگا تو جناب آدمؑ نے حکم دیا کہ بارگاہ خداوندی میں قربانی پیش کرو جس کی قربانی قبول ہوگئی اس کی اس سے شادی کی جائے گی چنانچہ دونوں نے قربانی پیش کی جو قابیل کی نامنظور اور ہابیل کی منظور ہوگئی جس کی بناء پر قابیل کی آتش حسد نے جوش مارا اور جناب ہابیل کو راستہ سے ہٹانے کے لئے ناحق اسے قتل کر دیا۔

مشہور واقعہ کی رد:

اگر اس روایت کو اصول ورایت کی کسوٹی پر رکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

۱) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب آدمؑ کے دور میں بہن بھائی کا باہمی عقدوازدواج جائز تھا حالانکہ اس فعل کی حرمت ذاتی ہے جو نہ کبھی جائز تھی اور نہ ہی ہوسکتی ہے۔

۲) جس نسل سے انبیاءؑ اور ان کے اوصیاء پیدا ہونے تھے کیا خدا اس نسل کو بطریق حلال جاری کرنے پر قادر نہ تھا؟ اور اگر تھا تو پھر ایسا کیوں کیا؟

۳) اگر اس قصہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس سے مجوسیوں کے لئے جواز پیدا ہو جائے گا جو بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرنا مباح جانتے ہیں اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ قصہ غلط ہے تو پھر اصل واقعہ کیا ہے؟ اس کا جواب اس روایت میں موجود ہے جو بروایت سلیمان بن خالد حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے جس میں منقول ہے کہ جب سلیمان نے یہ قصہ امام عالی مقام کی خدمت میں بیان کیا تو امام نے اس کی رد اس کے

راوی کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ اللہ کے نبی آدم کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو؟ سلیمان نے عرض کیا، تو پھر قابیل نے ہابیل کو کیوں قتل کیا تھا؟ فرمایا یہ وصایت کا تنازعہ تھا خدا نے جناب آدم کو حکم دیا کہ اپنے بعد وصیت نامہ اور اسم اعظم ہابیل کے حوالے کریں جب قابیل نے یہ بات سنی جو کہ بڑا تھا تو وہ اس پر ناراض ہوا اور کہا کہ میں اس اعزاز کا زیادہ حقدار ہوں اس پر جناب آدمؑ نے دونوں کو قربانی پیش کرنے کا حکم دیا بس جب ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی نہ ہوئی تو اس نے حسد کی وجہ سے ہابیل کو قتل کر دیا (تفسیر عیاشی، البحار، البرہان) پس جب اس روایت کو عقل اور قول معصوم کی تائید حاصل ہے تو اسے ہی صحیح تسلیم کرنا پڑے گا۔

یہ قربانی کس چیز کی دی گئی تھی اور اس کی قبولیت کا طریقہ کار کیا تھا؟

جو بات مختلف احادیث واخبار سے واضح واشکار ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جناب ہابیل کے پاس چونکہ بھیڑ بکریاں تھیں اس لئے انہوں نے ایک اعلیٰ دنبہ کی قربانی پیش کی اور قابیل چونکہ کاشت کاری کرتا تھا اس لئے اس نے معمولی خوشہ گندم کی قربانی دی اور اس دور میں چونکہ کسی قربانی کی قبولیت کا طریقہ کار یہ تھا کہ آسمان سے آگ آتی تھی اور مقبول قربانی کو کھا جاتی تھی اس لئے آگ آئی اور جناب ہابیل کی قربانی کھا گئی اور قابیل کی قربانی دھری رہ گئی۔ (مجمع البیان)

جناب ہابیل کا قتل حسد کا نتیجہ تھا:

جناب ہابیل کی قربانی کے قبول ہو جانے اور اسے وصیت نامہ اور اسم اعظم مل جانے اور قابیل کے بے نیل مرام رسوا ہو کر واپس آنے نے اس کی آتش ضد کو مشتعل کر دیا اور کھلم کھلا اپنے بھائی ہابیل سے کہہ دیا کہ لا قتلنک میں تجھے ضرور قتل کروں گا ہابیل نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اس کا جواب دیا کہ اس میں برا منانے یا ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۲۷... الآیۃ

اللہ تعالیٰ تو صرف متقیوں اور پرہیز گاروں کا عمل قبول کرتا ہے میں نے تقویٰ اختیار کیا اس لئے میری قربانی قبول ہو گئی اور تم نے ایسا نہیں کیا اس لئے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی لہٰذا اپنے برے اعمال سے توبہ کرو اور تقویٰ اختیار کرو اس طرح تمہاری قربانی بھی قبول ہو جائے گی اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ فاسق و فاجر کی اطاعت و عبادت قبول نہیں ہے ہاں البتہ اس کی ادائیگی سے وہ اس کے ترک کرنے کے عذاب سے بچ جائے گا مگر عمل قبول تب ہوگا جب تقویٰ اختیار کرے گا۔ ہابیل کی اس بات سے اور قرآن کے اس کو نقل

کرنے سے یہ قاعدہ کلیہ مستفاد ہوتا ہے کہ اعمال وعبادات کی قبولیت کا دارو مدار تقویٰ و پرہیز گاری اورخوف و خشیت الٰہی پر ہے لہٰذا جو شخص لباسِ تقویٰ سے عاری ہے اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہے پس اس آیت میں ان لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو عمل صالح بھی کرتے ہیں اور مختلف گناہان کبیرہ کا برملا ارتکاب کرکے فسق و فجور بھی کرتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کو اس آیت مبارکہ کی روشنی میں اپنی روش ورفتار پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

قابیل کی تندروی اور ہابیل کی سبک خرامی

قرآنی واقعات سے ظاہر ہے کہ قابیل کی اس تیز وتند دھمکی کہ میں تمہیں ضرور قتل کروں گا ہابیل نے شریفانہ اور پروقار لہجہ میں جواب دیا کہ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں تمہیں قتل کرنے کے لئے دست درازی نہیں کروں گا یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حفاظت خود اختیاری واجب ہے تو ہابیل نے یہ جواب کیوں دیا؟ اس سوال کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ اس دور میں دفاعی طور پر بھی کسی کو قتل کرنا جائز نہیں تھا بلکہ صبر کرنا لازم تھا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر تو مجھے قتل کرنا چاہے گا تو میں ہاتھ باندھ کر قتل ہونے کے لئے بیٹھ جاؤں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تو میرے قتل کی تدبیر کرتا ہے تو میں تیرے قتل کے درپے نہیں ہوں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ تو میرے قتل کی تدبیریں کررہا ہے میں تجھے پہلے مارنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے قتل کا گناہ اور اپنا سابقہ گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی تم اٹھاؤ تاکہ تم اہل دوزخ میں سے ہو جاؤ اور یہی ظلم کرنے والوں کی سزا ہے آخر کار قابیل نے جناب ہابیل کو بے جرم و بے خطا قتل کردیا قرآنی آیات اور روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ قابیل نے حسد اور غصہ کی وجہ سے ہابیل کو قتل تو کردیا تھا مگر اب ہر مجرم کی طرح جو کوئی غلط اقدام کرنے کے بعد کف افسوس ملتا ہے قابیل بھی اپنے قوت بازو کو قتل کرکے نادم و پشیمان ہوا مگر واضح رہے کہ پشیمانی ارتکاب گناہ کے جرم پر نہ تھی تاکہ توبہ قرار پاتی بلکہ اپنی قوت بازو کے خاتمہ پر تھی اور بہرکیف وہ بھائی کی لاش کو ایک بورے میں ڈال کر پریشان پھر رہا تھا کہ اسے کس طرح چھپائے تو اس موقع پر خداوند عالم نے ایک کوا بھیجا جس نے دوسرے کوے کو مار کر چونچ اور پاؤں کے پنجہ سے زمین کھودی اور اس میں گاڑ دیا یہ ماجرا دیکھ کر قابیل نے بھی اسی طرح زمین میں گڑھا کھود کر ہابیل کو اس میں دفن کردیا اور اپنی جہالت و نادانی پر ماتم کیا کہ میں کوے جیسا کام بھی نہ کرسکا اور اس سے قاصر رہا۔

ایک درس عبرت:

اس قرآنی قصہ سے یہ درس ملتا ہے کہ میت کو آگ میں جلانے یا دریا میں بہانے کی نسبت فطری طریقہ

یہ ہے کہ اور یہی انسب ہے کہ اسے زمین میں دفن کر دیا جائے یہ کاروائی تعلیم الٰہی کا نتیجہ ہے۔

جناب آدمؑ کا قتل ہابیل پر شدید حزن کرنا اور مرثیہ پڑھنا:

متعدد روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ ہابیل کے قتل ناحق سے جناب آدم۔کو سخت صدمہ پہنچا اور زبردست حزن وملال ہوا اور یہ گریہ وبکا کم وبیش چالیس شب وروز تک جاری رہا اور یہ مرثیہ پڑھا۔

تغیرت البلاد و من علیھا
فوجہ الارض مغبر قبیح
تغیر کل ذی لون وطعم
وقل بشاشۃ الوجہ الصبیح

اور بارگاہ خداوندی میں خلف صالح عطا کرنے کی دعا واستدعا کی چنانچہ خداوند عالم نے ان کو ایک مبارک ومیمون بیٹا عطا فرمایا جس کا جناب آدمؑ نے شیت نام رکھا خدا نے ان کو وحی فرمائی کہ یہ لڑکا چونکہ میری طرف سے تمہیں ہبہ ہے لہٰذا اس کا نام ہبۃ اللہ رکھو چنانچہ آپ نے اس مولود کا نام ہبہ اللہ رکھا جو آپ کا وصی قرار پایا۔(تفسیر عیاشی، برہان وغیرہ)

علماء علم اخلاق کی ایک قدیم بحث کا فیصلہ:

ہابیل وقابیل کے قصہ کی مناسبت سے علماء اخلاق کی ایک قدیم بحث کی طرف اشارہ کر دینا اور اس کا فیصلہ کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے اور وہ بحث یہ ہے کہ آیا انسان طبعاً شریر ہے یا شریف ہے؟ اس بحث کا قرآن وسنت، عقل سلیم اور مشاہدہ کی روشنی میں فیصلہ یہ ہے کہ خالق فطرت نے انسان کے اندر خیر وشر ہر دو کی قوت واستعداد ودیعت کی ہے ہاں البتہ! بعض افراد میں فطری طور پر ''خیر'' کی طرف اور بعض کا ''شر'' کی طرف رجحان ومیلان زیادہ ہوتا ہے، مگر کوئی بھی انسان خیر یا شر پر مفطور ومجبور نہیں ہے۔

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ...۳۲ الآیۃ۔

ایک شخص کا قاتل سب لوگوں کے قاتل کی طرح کس طرح متصور ہوتا ہے

متعدد اخبار وآثار کی روشنی میں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ''من سن سنة حسنة كان له اجر من عمل بها الى يوم القيامة ومن سن سنة سيئة كان له وزر من عمل بها الى يوم

القیامة'' جوشخص کوئی اچھا طریقہ قائم کرجائے گا اسے ان سب لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو قیامت تک اس پرعمل کریں گے اور جوکوئی بُرا طریقہ قائم کرجائے گا اس پر ان تمام لوگوں کے برابر وزرووبال ہوگا جو قیامت تک اس پرعمل کریں گے بنابریں جس شخص نے کسی بے گناہ شخص کوقتل کیا تو اس نے قتل ناحق کی رسم بد کا آغاز کیا برا طریقہ قائم کیا اور اس طرح لوگوں کوخون ناحق بہانے کی ابتداء کی کہ قیامت تک ہرقتل ناحق کی اس پر ذمہ داری عائد ہوگی اور اسی طرح جوشخص کسی شخص کوحرق وغرق اور ہلاکت کے دوسرے اسباب سے بچانے کا اچھا طریقہ قائم کرے گا وہ آئندہ ایسا کرنے والوں کے اجروثواب میں برابر کا شریک ہوگا لہٰذا چونکہ قابیل نے انسانی خون کی توہین کا آغاز کیا اورقتل ناحق کا دروازہ کھول کر دوسرے لوگوں کواس فعل بدکی جرات دلائی اور پھرلوگ بے تحاشا اس فعل شنیع کا ارتکاب کرنے لگے اس لئے قابیل ان تمام مجرموں کے ساتھ برابر کا شریک جرم سمجھا جائے گا بغیراس کے کہ ان لوگوں کے وزرووبال میں کوئی کمی واقع ہو یہ حکم سب لوگوں کے لئے برابر ہے مگر بنی اسرائیل کا خصوصی تذکرہ محض اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ لوگ بے گناہوں کا خون ناحق بہانے میں سب لوگوں سے زیادہ جری وجسور تھے۔حمران بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص کے قاتل کوتمام لوگوں کے قاتلوں کی طرح کس طرح سزادی جائے گی؟ فرمایا! اسے جہنم کے اس مقام پر رکھا جائے گا جس کا عذاب اپنی شدت وحدت کی وجہ سے سب لوگوں کے قاتل کے عذاب کے برابر ہوگا (تسفیر صافی وبرہان)

مخفی نہ رہے کہ وہ وارثان علم قرآن یعنی سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی احادیث میں اس قتل کرنے اور زندہ کرنے کی تاویل بندگان خدا کوگمراہ کرنے اور ہدایت کرنے سے بھی کی گئی ہے کہ جوشخص کسی ایک ہدایت یافتہ شخص کوگمراہ کرے وہ تمام لوگوں کوگمراہ کنندہ سمجھا جائے گا اور جوکسی ایک گمراہ کوراہ راست پر لائے وہ سب لوگوں کوراہ راست پر لانے والا متصور ہوگا۔

آیات القرآن

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَلَهُمۡ فِی

الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا
عَلَیۡہِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۴﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ وَجَاہِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۵﴾
اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ اَنَّ لَہُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا وَّمِثۡلَہٗ مَعَہٗ
لِیَفۡتَدُوۡا بِہٖ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡہُمۡ ۚ وَلَہُمۡ
عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَمَا ہُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ
مِنۡہَا ۫ وَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں، یا جلاوطن کر دیئے جائیں۔ یہ تو ہوئی ان کی رسوائی دنیا میں اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔(۳۳) مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔(۳۴) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو! اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔(۳۵) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا اور بھی ہو، تاکہ اسے بطور فدیہ دیں اور قیامت کے دن کے عذاب سے بچ جائیں، تو وہ بھی ان سے قبول نہ کیا جائے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے(۳۶) وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں، مگر وہ اس سے کبھی نہیں نکل پائیں گے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے(۳۷)

تفسیر الآیات

۴۲۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ...۳۳ الآیۃ

محارب وراہزن کی سخت سزا اور اس کا فلسفہ؟

جو شخص زمین خدا میں فتنہ وفساد پھیلائے اور لوگوں کو ناجائز طریقہ پر ڈرانے دھمکانے کی غرض سے ننگی تلوار لے کر یا دوسرے ہتھیاروں سے لیس ہوکر چلے، خواہ شہر کے اندر ایسا کرے یا باہر، خواہ خشکی میں کرے یا تری میں اور دن میں کرے یا رات میں اسے راہزن کہا جاتا ہے۔ نیز واضح رہے کہ محارب و رہزن کی جن سخت سزاؤں کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے یہ غیر مسلموں کے لئے نہیں ہیں بلکہ یہ بدقسمت لوگ جنہیں خدا اور رسول سے جنگ کرنے والا کہا گیا ہے۔ ان سے اپنی مسلمان قوم کے وہ افراد مراد ہیں جو امن عامہ میں خلل ڈالتے ہیں اور لوگوں کے مال وجان پر ڈاکے ڈال کر ان کو پریشان کرتے ہیں تو ملک میں امن و امان قائم کرنے، لوگوں کی جان اور ان کی ناموس کی حفاظت کرنے، ان کے مال مویشی کو بچانے اور راستوں کو محفوظ بنانے کے لئے خدا ار رسولؐ کے ان باغیوں کی سرکوبی واجب ہے۔ بہرحال چونکہ بموجب نص قرآن ''الفتنۃ اشد من القتل'' (زمین میں فتنہ وفساد پھیلانا قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے)۔ اس لئے شریعت مقدسہ اسلامیہ میں اس کی حد وسزا بھی بڑی سخت مقرر کی گئی ہے جو سورۃ مائدہ کی اسی آیت نمبر ۲۳ میں مذکور ہے۔ اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ راہزنی کی سزا چار چیزوں میں سے ایک ہے۔

۱) قتل کرنا، ۲) سولی دینا، ۳) الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کاٹنا (یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں)، ۴) دیس سے نکال دینا

بنابریں مشہور ومنصور حاکم شرع کو مجرم کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا کی ان چار قسموں میں سے کسی ایک قسم کی سزا دینے کا اختیار ہے یعنی اگر راہزن نے کسی آدمی کو قتل کیا ہے تو اسے قتل کردیا جائے گا اور جس نے صرف مال لوٹا ہے اس کے الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور جس نے مال بھی لوٹا اور قتل بھی کیا ہو تو پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور پھر اسے قتل کیا جائے گا یا سولی پر لٹکایا جائے گا اور جس نے صرف ہتھیار اٹھا کر لوگوں کو ڈرایا دھمکایا ہو مگر ہنوز کسی کا مال لوٹا ہو نہ اور نہ کسی کو قتل کیا ہو، تو اسے دیس نکال دیا جائے گا۔ (قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ)۔ امید کی جانی چاہیے کہ اگر راہزن اور ڈاکو کو اسلامی قانون کے مطابق اس

طرح سزا دی جائے تو اس سے فتنہ وفساد کی جڑ کٹ جائے گی اور اسلامی مملکت کے کسی گوشہ میں بھی امن وامان کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا اور کسی ملک میں کسی قسم کی کوئی تخریبی کاروائی کرنے کی کبھی جرات نہیں ہو سکے گی۔ الغرض ملک کو گہوارہ امن وامان بنانے کے لئے ایسے لوگوں کا قلع قمع کرنا ضروری ہے اور ایسے لوگ کسی بھی رو ورعایت کے مستحق نہیں ہیں اور اگر کوئی ان سزاؤں کو سخت کہتا ہے اور ناک بھوں چڑھاتا ہے تو وہ بھی ان دشمن انسانیت لوگوں کے ساتھ برابر کا شریک جرم ہے واضح رہے کہ چند دشمن انسانیت لوگوں کو سخت سزا کے شکنجہ میں کس کر دوسرے بے شمار لوگوں کو ان کے فتنہ وشر سے بچانا رحمت خداوندی ہے اور عدل وانصاف کا عین تقاضا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت کا بڑا عذاب اس کے علاوہ ہے۔

۴۴۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ...۱۳۴ الآیۃ۔

یہ جو آیت کے آخر میں مذکور ہے کہ اگر راہزن پر قابو پانے سے پہلے اگر وہ توبہ کر لے تو جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس توبہ کرنے سے حق تو ساقط ہو جائے گا یعنی اس پر شرعی حد جاری نہیں کی جائے گی مگر دوسرے حقوق الناس ساقط نہیں ہوں گے جیسے یہ کہ اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے یا کسی کا مال لوٹا ہے تو وہ بہر حال بحال رہیں گے ادا بھی کئے جائیں گے اور ان کی سزا بھی بھگتنا پڑے گی مگر یہ کہ صاحبان حقوق معاف کر دیں اور اگر قابو پانے کے بعد توبہ کر لے تو اس کا ظاہری فائدہ نہیں ہے۔ راہزن والی حد بہر صورت اس پر جاری کی جائے گی۔

افادۂ جدیدہ:

مخفی نہ رہے کہ اگر کوئی ڈاکو یا چور وغیرہ کسی کی جان لینے یا اس کی عرض وناموس کے لوٹنے کے ارادہ سے حملہ آور ہو تو اپنی جان وناموس کی حفاظت کرنا واجب ہے خواہ راہ فرار اختیار کر کے کی جائے یا مقابلہ کر کے اور اگر پہلا طریقہ ممکن نہ ہو تو پھر دوسرا طریقہ متعین ہو جائے گا۔ بہر حال خود سپردگی اور ذلت کی موت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اور اگر اس مدافعہ ومقابلہ میں دفاع کرنے والا مارا گیا، تو اس کی موت شہادت متصور ہوگی اور اگر حملہ آور مارا گیا تو اس کا خون رائیگاں جائے گا ہاں البتہ! مال کے تحفظ کے لئے دفاع کرنا واجب نہیں ہے البتہ جائز ضرور ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے مال کا تحفظ کرتے ہوئے مارا گیا تو اس کی موت بھی شہادت متصور ہوگی اور اگر حملہ آور مارا گیا تو اس کا خون ہدر جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...۱۳۵ الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم نے اہل ایمان کو تین حکم دیئے ہیں جو ایک ہی محور کے ارد گرد گھومتے ہیں اور ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے ہیں۔

ا) تقوائے الٰہی اختیار کرو، یعنی اس کی نافرمانی کرنے سے اور گناہوں سے بچو۔(۲) اس تک پہنچنے کے لئے کوئی وسیلہ تلاش کرو۔(۳) اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔قبل ازیں متعدد مقامات پر تقویٰ کا لغوی اور شرعی مفہوم واضح کیا جا چکا ہے نیز جہاد اور اس کی دونوں قسموں (جہاد بالعدوّ اور جہاد بالنفس) پر بھی قبل ازیں گفتگو ہو چکی ہے اور مزید گفتگو کسی مناسب مقام پر کی جائے گی اور واضح کیا جائے گا کہ ایک بندہ مومن کو دنیا کے میدان کارزار میں شیطان اور اس کے انصار و اعوان اور اس کی بے جا خواہشات اور ماحول و معاشرہ کی غلط رسم و رواج کے خلاف کس طرح جنگ کرنی پڑتی ہے جو ایک بندہ خدا کو اپنا غلام بے دام بنانے پر تلی ہوئی ہے اور ایک بندہ مومن کو خدا کا سچا بندہ بن کے دکھانے کے لئے کس طرح مستعدی سے جہاد کرنا پڑتا ہے سردست یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ وسیلہ پر گفتگو کی جاتی ہے۔

وسیلہ کے عام مفہوم کی وضاحت اور اس کے اثبات

اگرچہ قبل ازیں سورۃ نساء کی آیت نمبر ۶۴ کی تفسیر میں وسیلہ کے موضوع پر اجمالاً گفتگو ہو چکی ہے مگر ہم یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔سو واضح ہو کہ وسیلہ کے لغوی معنی میں مایتوصل به الی الشیئی و یتقرب به الیه۔یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ سے کسی چیز تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے (لسان العرب) یہ ایک عام اور بڑا وسیع مفہوم ہے جس میں ہر قسم کے داخلی اور خارجی وسیلے داخل ہیں۔

داخلی وسیلہ کا مفہوم؟

داخلی وسیلہ سے اللہ و رسولؐ (وغیرہما) پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرتے ہوئے نماز، روزہ، حج و جہاد اور زکوۃ وغیرہ فرائض کو ادا کرنا مراد ہے۔چنانچہ حضرت امیرؑ فرماتے ہیں۔

یعنی وہ افضل ترین وسیلہ جس سے توسل کرنے والے خدا کا تقرب حاصل کر سکتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا جو کہ اسلام کی چوٹی ہے، کلمہ اخلاص پڑھنا جو کہ فطرت (توحید) ہے، نماز قائم کرنا جو کہ قانون اسلام ہے، زکوۃ ادا کرنا جو کہ فریضہ ہے، ماہ رمضان کے روزے رکھنا جو کہ عذاب کی سپر ہے، حج و عمرہ کرنا جو کہ فقر کو دور کرتے اور گناہ کو گرا دیتے ہیں، صلہ رحمی کرنا جو مال و عمر کو زیادہ کرتا ہے۔مخفی طور پر

صدقہ کرنا جوکہ گناہوں کی تلافی کرتا ہے اور علانیہ صدقہ دینا جوکہ بری موت مرنے سے بچا تا ہے اور دیگر نیک اور اچھائی کے کام کرنا جو آدمی کو ذلت ورسوائی کے گڑھے سے بچاتے ہیں (نہج البلاغہ)۔حضرت شیخ طوسیؒ نے تبیان میں علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اور فاضل شیخ محمد جواد مغنیہ نے تفسیر کاشف میں تو اسی داخلی وسیلہ کے بیان کرنے پر اکتفا کی ہے مگر دوسرے عام مفسرین نے وسیلہ کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔

خارجی وسیلہ کا تذکرہ

جس سے بارگاہ خداوندی میں انبیاء مرسلین، آئمہ طاہرین علیہم السلام، اور دیگر بزرگان دین کے مرتبہ و مقام کا واسطہ دینا اور اس کے توسل سے دعا کرنا مراد ہے اور اس معنی میں وسیلہ پیش کرنا بھی قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

قرآن مجید سے خارجہ وسیلہ کا ثبوت:

قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے وسیلہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔(۱) جب برادران یوسفؑ کا جرم بالکل الم نشرح ہوگیا تو انہوں نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں استدعا کی کہ وہ بارگاہ خداوندی میں ان کی مغفرت کی سفارش کریں۔قالو یا ابا نا استغفرلنا ذنو بنا انا کنا خاطئین۔(یوسف۔۹۷)۔(۲) سورۃ النساء آیت نمبر ۶۴ ولو انھم اذظلموا انفسھم الآیۃ کے ذیل میں خداوند عالم کے اس ارشاد کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اگر لوگ گناہ کرنے کے بعد بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوجائیں اور خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور آنحضرتؐ بھی ان کی سفارش کردیں تو یقیناً خدا ان کے گناہ معاف کردے گا۔

(۳) اس آیت وسیلہ کی تفسیر حضرت امام رضا علیہ السلام باسناد خود حضرت رسول خداؐ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں فرمایا!

الآئمۃ من ولد الحسین من اطاعھم فقد اطاع اللہ ومن عصاھم فقد عصی اللہ ھم العروۃ الوثقیٰ وھم الوسیلۃ الی اللہ تعالیٰ

جو نو امام حسینؑ کی اولاد میں سے ہیں جو ان کی اطاعت کرے گا وہ خدا کا اطاعت گزار متصور ہوگا جو ان کی نافرمانی کرے گا، وہ خدا کا نافرمان سمجھا جائے گا یہی خدا کی مضبوط رسی ہیں (جس کے پکڑنے کا اس نے حکم دیا ہے) اور یہی خدا کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں، (عیون الاخبار)۔۴۔اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے۔تقربو الی اللہ بالامام ،یعنی اللہ کی بارگاہ میں امام (اور اس کی اطاعت سے) تقرب حاصل کرو۔(تفسیر قمی)

سنت سے وسیلہ کا ثبوت:

کتب تفسیر وحدیث میں بڑے بڑے اکابر کے بارگاہ خداوندی میں بعض عظیم ہستیوں کو بطور وسیلہ پیش کرنے کے واقعات ملتے ہیں۔(۱)جیسے جناب آدم صفی اللہ کا بارگاہ الٰہی میں حضرت رسول خداؐ کو وسیلہ قرار دینا اور یوں دعا کرنا "یارب اسئلك بحق محمد لما غفرت لی"(وفاء الوفاء سمہودی ج ۳ ص ۱۷۱۳)

بعض مستند کتابوں میں مذکور ہے کہ ابنِ عباس نے حضرت رسول خداؐ سے ان کلمات کے بارے میں سوال کیا۔ جو جناب آدمؑ نے خدا سے حاصل کیے تھے اور ان کی برکت سے ان کی توبہ قبول ہوگئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا "سئله بحق محمد وعلی و فاطمة والحسن و الحسین" یعنی انہوں نے پنجتن پاک کا واسطہ دے کر توبہ کا سوال کیا تھا اور خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔(تفسیر درمنثور ج ا ص ۶۰، ۶۱ سیرۃ ابن دحلان ج ا ص ۹ شرح شفاء قاضی عیاض ج ۲ ص ۲۴۲)۔ ولنعم ماقیل۔

اگر نام محمد رایا نیاوردے شفیع آدمؑ
نہ آدم یا فتے توبہ نہ نوح ازغرق نجینا

(جامی)

۲۔ بعض معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک نابینا بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا اور اپنی صحت یابی کیلئے بارگاہ ایزدی میں آپ سے سفارش کی التجا کی آنحضرتؐ نے فرمایا بارگاہ الٰہی میں یوں دعا کر۔ اللهم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی لیقضی لی اللهم شفعه فی "(وفاء الوفاء سمہودی ج۔ ۳ ص ۱۳۷۲)

سمہودی نے اپنی کتاب میں اس قسم کے متعدد واقعات لکھے ہیں اور کتاب التوصل الی حقیقة التوسل' کے مولف نے مختلف ماخذ ومصادر سے چھبیس عدد حدیثیں وسیلہ کے جواز پر پیش کی ہیں۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ توسل کے جواز کی حدیثیں تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔جس کے بعد ان کی سند میں کسی قسم کی جرح و قدح کرنے کے جواز کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔اسی طرح آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد مختلف ادوار میں مختلف لوگوں کے آنحضرتؐ کے توسل سے بارگاہ ایزدی میں دعا کرنے کے واقعات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں۔جیسے دوسری خلافت کے دور میں جناب بلالؓ کا چند صحابہ کے ساتھ حضرت رسول خداؐ کی قبر اطہر کی پاس آنا اور یوں کہنا۔ یا رسول الله! استسق لامتك... فانهم قد هلكوا۔ یا رسول اللہ! اپنی امت کیلئے خدا سے بارش طلب کریں کہ وہ خشک سالی سے ہلاک ہورہے ہیں۔(صواعق محرقہ بحوالہ

سنن بیھقی وغیرہ) جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہابی حضرات کا توسل کو شرک قرار دینا بالکل غلط ہے اور اس کے جواز میں نبی و امام کے حین حیات اور بعد الممات کی تفریق کرنا بھی بالکل بے جواز ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن سنت کے ان محکم حقائق کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد بعض پکے وہابی بھی توسل کی صحت کا اقرار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ا۔چنانچہ فاضل الوسی بغدادی اس موضوع پر مکمل بحث کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔خدا کی بارگاہ میں حضرت رسول خداؐ کے علاوہ کسی اور بزرگ کے توسل میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ جس سے توسل حاصل کیا جائے وہ بارگاہِ خداوندی میں کچھ مرتبہ و مقام رکھتا ہو‘‘(روح المعانی ج ۶ ص ۱۱۴ / ۱۱۵)۔اسی طرح شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں’’اہل سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک می فہمند و وسیلہ مرشد رامی دانند پس تلاش مرشد بنا بر فلاح حقیقی وفوز تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری است وسنت اللہ برہمیں منوال جاری است لہٰذا بدون مرشد راہ یابی نادر است‘‘(صراط مستقیم) سچ ہے۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

۳۔مولانا عبدالحق حقانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں’’وسیلہ ہر قسم کے اچھے کام ہیں اور قرآن مجید اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام اور بزرگان دین بھی خدا تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہیں‘‘(تفسیر حقانی۔ج ۲ ص ۲۷۱) دیوبندی مسلک کے ذمہ دار اہل علم مفتی محمد شفیع صاحب نے تفسیر معارف القران ج ۳ ص ۱۲۸ میں وسیلہ کے جواز کا اعتراف کیا ہے۔فراجع۔برادرانِ اسلامی کے چوتھے امام شافعی فرماتے ہیں۔

آل النبی ذریعتی ،
وهم الیه وسیلتی،
ارجوبهم اعطیٰ غدا
بیدی الیمین صحیفتیو انااقول کماقال بعض الاصحاب۔

واذارجال توسلوابو سیلة
فوسیلتی جی لآل محمد
الله طهرهم بفضل نبیه
وابان شیعتهم بطیب المولد

ایضاح:

مخفی نہ رہے کہ وسیلہ کا صحیح مفہوم اور افضل طریقہ یہ ہے کہ طلب حاجات، دفع شدائد ومصائب کے وقت سوال اللہ کی بارگاہ میں لیا جائے اور اسی سے دعا کی جائے۔ اور واسطہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا دیا جائے۔ نہ یہ کہ براہ راست ان ذوات مقدسہ سے ان چیزوں کا سوال کیا جائے۔ نیز وسیلہ کا یہ عوامی مفہوم ''کہ یہ بزرگوار خدا سے لیتے ہیں'' اور مخلوق کو دیتے ہیں بالکل غلط ہے۔

فائدہ:

بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام کا نام ہے جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مخصوص ہے۔ وسیلہ کے موضوع کی دوسری تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...۳۶ الآیۃ۔

چونکہ نہ صرف عربوں میں بلکہ ہر ملک و ملت میں رواج ہے کہ مجرم روپیہ پیسہ دیکر قید و بند وغیرہ سے رہائی حاصل کر لیتے ہیں۔ تو خداوند عالم کفار کی یہ غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ یہ دنیا اور اس کا مال و متاع کیا ہے؟ بلکہ اگر اتنا اور مال و متاع بھی ان کی ملکیت میں ہو اور وہ سب دے کر بھی قیامت کے عذاب سے اپنی جان بخشی کرانا چاہیں۔ تو بھی یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ اس سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔ کیونکہ اخروی نجات کا دارومدار ایمان اور نیک کام پر ہے۔ یہ جو خدا فرماتا ہے کہ وہ کفار چاہیں گے کہ اس عذاب سے نکل جائیں۔ مگر وہ ہرگز نہیں نکل سکیں گے۔ کیونکہ ان کیلئے دائمی اور ہمیشہ برقرار رہنے والا عذاب ہے دوسرے دلائل کے علاوہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کا عذاب دائمی ہوگا اور وہ مخلدّ فی النار ہوں گے۔ اور اس سے کبھی نجات نہیں پائیں گے۔

آیات القرآن

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞۳۸ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ

يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۹ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي
الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ
الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ
يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ
هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ
تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ
قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۴۱
سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ
اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ
حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲

ترجمۃ الآیات

اور چور مرد ہو یا چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ ان کے کرتوتوں کے عوض میں اللہ کی طرف سے بطور عبرتناک سزا کے اللہ زبردست ہے۔ بڑا حکمت والا ہے (۳۸) پھر جو شخص توبہ کرلے اپنے ظلم سے اور (اپنی) اصلاح کرلے تو یقیناً اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۳۹) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۴۰) اے رسول! وہ لوگ آپ کو غمگین نہ کریں، جو کفر کی طرف تیز گامی سے بڑھ رہے ہیں خواہ یہ ان لوگوں میں سے ہوں جو منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان

لائے، مگران کے دل ایمان نہیں لائے اور یا ان میں سے ہوں جو یہودی ہیں جو جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں اور سن گن لیتے ہیں دوسرے لوگوں کے لئے جو آپ کے پاس نہیں آئے۔ وہ (کتاب خدا کے) کلمات کو ان کے صحیح موقعوں سے ہٹا دیتے ہیں اور (تحریف کرنے کے بعد) کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو قبول کرو اور اگر یہ نہ دیا جائے تو پرہیز کرو اور اللہ جسے عذاب کرنا چاہے تو آپ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ اللہ کے ہاں یہ وہ ہیں کہ اللہ نے (زبردستی) ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔(۴۱) جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں، حرام مال کے بڑے کھانے والے ہیں اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو (آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کا فیصلہ کریں یا ان سے روگردانی کریں اور اگر آپ ان سے روگردانی کریں تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر فیصلہ کریں تو پھر انصاف کے ساتھ کریں کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(۴۲)

تفسیر الآیات

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ...۳۸الآیۃ

قبل ازیں آیت نمبر ۳۴ میں راہزنوں اور ڈاکوؤں کی سزاؤں کا تذکرہ کیا گیا تھا اب یہاں چوروں کی سزا کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

چوری کی مذمت اور اس کی سزا:

چوری ایک ایسا قبیح اور معاشرتی جرم ہے جس کی تمام ملل و مذاہب اور قوانین نے مذمت کے ساتھ کوئی نہ کوئی سزا بھی تجویز کی ہے۔ مغربی قوانین میں اس کی سزا قید و جرمانہ ہے مگر مشاہدہ شاہد ہے کہ اس سے بجائے اس جرم میں کمی واقع ہونے کے الٹا اس میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے اس کے برعکس شریعت اسلامیہ میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی سخت سزا مقرر ہے حقیقت یہ ہے کہ ایسے گھناؤنے جرم کا قلع قمع کرنے کے لئے ایسی سخت سزا ہی موثر ہو سکتی ہے۔ چور ظلم و جور کے ساتھ بزدلی اور فریب کاری کی کمینگی کا ثبوت دیتے ہوئے آدمی کی جان اور ناموس کے بعد عزیز ترین متاع کو چھینتا ہے اور کئی دفعہ اپنے اس جرم پر پردہ ڈالنے اور اس کے برے نتائج سے

بچنے کے لئے وہ اہل خانہ کے قتل کا بھی مرتکب ہوتا ہے اس لئے وہ کسی رحم وکرم کا مستحق نہیں ہے۔ الغرض چوری سماج کے لئے ایک ناسور ہے جو سماج کو کھوکھلا کر رہا ہے اور اندر سے اسے چاٹ رہا ہے۔ چور کسی کے مال وجان کی پرواہ نہیں کرتے اور مروجہ قوانین کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر دندناتے پھر رہے ہیں۔ لہٰذا قید و جرمانہ جیسی ہلکی پھلکی سزائیں چوری جیسے جرائم کی روک تھام میں موثر نہیں ہوسکتیں۔ ان کے انسداد کے لئے اسلام کی تجویز کردہ عبرتناک سزائیں ہی موثر اور کارگر ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم اس سلسلہ میں فرماتا ہے۔ السارق والسارقہ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو یہ اللہ کی طرف سے ان کے کردار کی سزا ہے۔

چوری کی حد کے اجراء کی شرائط کا بیان:

ظاہر ہے کہ قرآنی الفاظ مجمل ہیں ان میں مسروقہ مال کی مقدار بیان کی گئی ہے اور نہ ہی ہاتھ کی تعیین کی گئی ہے کہ کون سا ہاتھ؟ اور نہ ہی وہ حد بتائی گئی ہے کہ کہاں سے قطع کیا جائے؟ یہ چیزیں احادیث میں بیان کی گئی ہیں چنانچہ مال کی کم از کم مقدار مشہور بین الفریقین ربع دینار ہے جبکہ ایک دینار خالص ساڑھے چار ماشہ سونا کا ہوتا ہے اور پھر قطع ید میں دائیں ہاتھ کی صرف چار انگلیاں قطع کی جائیں گی اور انگوٹھا اور ہاتھ کی ہتھیلی چھوڑ دی جائیگی۔ تاکہ چور وضو کر کے نماز پڑھ سکے۔ اور فی الجملہ دوسرے کاروبار بھی کر سکے۔ اور اگر دوبارہ چوری کرے تو پھر اس کا بایاں پاؤں گٹے سے قطع کیا جائے گا۔ اور ایڑی چھوڑ دی جائے گی۔ تاکہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے اور چل پھر بھی سکے۔ اور اگر اس سزا کے بعد بھی تیسری بار چوری کرے تو پھر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ تاکہ خدا کی زمین اور انسانی معاشرہ اس کے ناپاک وجود سے پاک ہوجائے اور اس ناسور کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوجائے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ چوری کرنے والے میں عمومی شرائط تکلیف از قسم بلوغت، عقل اور اختیار بھی پائی جائیں علاوہ بریں یہ بھی ضروری ہے کہ۔

۱۔ مسروقہ مال محفوظ جگہ پر ہو۔

۲۔ چور کیلئے اس کے جواز کوئی شبہ نہ ہو۔

۳۔ نیز اس کی مال میں شرکت بھی نہ ہو۔

۴۔ اور پھر چور صاحب مال کا باپ بھی نہ ہو۔

۵۔ نیز چور صاحب مال کا غلام بھی نہ ہو۔

۶۔ اور پھر چوری بھی چھپ کر کی جائے ورنہ وہ چوری نہ ہوگی بلکہ ڈاکہ زنی اور سینہ زوری ہوگی۔ الی

غیر ذلك۔ (قوانین الشریعہ فقہ الجعفریہ)۔اس موضوع کی مزید تفصیلات فقہی کتابوں میں مذکور ہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ...۱۳۸الآیۃ۔

اللہ زبردست، غالب اور حکمت والا ہے۔لہٰذا غالب ہے، تو چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم اس لیے دیا ہے۔ کہ اس میں بیسیوں حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس طرح سخت گیری کر کے معاشرہ کو چوروں چکوروں کے فتنہ و شر سے محفوظ و مامون رکھنا ہے۔ وبس۔

فَمَنْ تَابَ ...۱۳۹الآیۃ۔

اگر کوئی چور حاکم شرع کے نزدیک چوری ثابت ہونے سے پہلے بارگاہ ایزدی میں توبۃ النصوح کر لے تو اس سے آخرت کا عذاب تو بالاتفاق معاف ہو جائے گا۔ مگر ظاہری حد شریعت بھی ساقط ہو جائے گی یا نہ؟۔ (شیعہ اور سنی مسالک میں) اختلاف ہے۔ شیعہ امامیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں شرعی حد بھی ساقط ہو جائے گی۔ مگر اہلسنت کے نزدیک ظاہری حد ساقط نہ ہوگی۔ ظاہر قرآن سے شیعی مؤقف کی تائید مزید ہوتی ہے اور برادران اسلامی کے چوتھے امام شافعی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (ضیاء القرآن)۔

بنابریں ڈاکہ زنی اور چوری والے ہر دو استثنا کی حیثیت یکساں ہوگئی راہزنی میں یہ استثنا تھا کہ **الا الذین تابو من قبل ان تقدرو اعلیھم**۔ کہ ڈاکہ زنی کی جو سزا ہے اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ ڈاکوؤں کی گرفتاری اور ان پر حکومت کے قابو پانے سے پہلے اگر ڈاکو توبہ کر لیں۔ تو اس سے شرعی سزا ساقط ہو جائے گی۔ اور یہاں یہ استثنا ہے کہ فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح۔ لہٰذا جو چور حاکم شرع کے پاس اس کی چوری ثابت ہونے سے پہلے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو اس سے شرعی حد ساقط ہو جائے گی۔ مگر یاد رہے کہ مسروقہ مال بہر حال اس کے مالک کو واپس کرنا یا مالک سے معاف کرانا واجب ہوگا۔ اور اگر حاکم کے پاس جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد چور توبہ کرے تو اس سے بالاتفاق حد ساقط نہیں ہوگی۔ ہاں البتہ اس سے گناہ بخشا جائے گا۔ بہر حال خدائے تعالیٰ مالک الملک ہے۔ وہ جس طرح چاہے اپنے ملک میں تصرف کرے اس موضوع کے متعلق متعدد روایات تفسیر عیاشی وصافی وغیرہ میں موجود ہیں۔

کہ جب چور، شرابخوار اور زنا کار وغیرہ ان جرائم کا ارتکاب کریں۔ مگر حاکم شرع کے پاس ان کا جرم ثابت نہ ہو تو اگر یہ توبہ کر لیں تو جہاں ان کا گناہ بخشا جائے گا۔ وہاں ان پر حد بھی جاری نہ ہوگی۔ مگر جب حاکم شرع کے ہاں ان کا جرم ثابت ہو جائے تو وہ بہر حال حد جاری کرے گا۔ چونکہ حکام ''شرع **الحافظون لحدود اللہ**''۔ خدا کی حدوں کے محافظ ہوتے ہیں۔ (کافی وصافی)۔

فائدہ:

''یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآنی احکام میں خطاب عام طور پر مردوں کو ہوتا ہے مگر عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ جملہ احکام میں قرآن وسنت کا یہی اصول ہے۔ لیکن چوری کی سزا اور زنا کی سزا میں صرف مردوں کے ذکر پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ دونوں صنفوں کا الگ الگ حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ حدود کا ہے۔ جن پر ذرا سا بھی شبہ پڑ جائے، تو ساقط ہوجاتی ہیں۔ اس لیے عورتوں کے لیے صنفی خطاب پر کفایت نہیں فرمائی۔ بلکہ تصریح کے ساتھ ذکر فرمایا''۔ (معارف القرآن)

يَآأَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ...۴۱ الآیۃ۔

ان آیات کی شان نزول

ان آیتوں کی شان نزول میں دو روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک وہ ہے، جسے علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں درج کیا ہے جو حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ جو زنا کی سزا سے متعلق ہے اور دوسری وہ ہے۔ جسے مفسر قمی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور ان کے حوالہ سے محدث کاشانی نے اپنی تفسیر صافی میں درج کیا ہے۔

جو قتل وقصاص کے متعلق ہے۔ (پہلی روایت) کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ توراۃ میں یہی لکھا تھا کہ اگر کوئی شادی شدہ مرد کسی شوہر دار عورت سے زنا کرے، تو دونوں کی سزا یہ ہے کہ انہیں سنگسار کیا جائے۔ (جیسا کہ اسلامی سزا بھی یہی ہے)۔ مگر یہود نے اپنی قدیمی عادت کے مطابق اس حکم میں تحریف کر رکھی تھی اور امیر و غریب زنا کار میں تفریق روا رکھی ہوئی تھی۔ کہ اگر امراء طبقہ سے تعلق رکھنے والا کوئی شادی شدہ شخص زنا کرتا تو اسے صرف کوڑے مارے جاتے اور اگر غرباء طبقہ سے تعلق رکھنے والا آدمی ایسا کوئی جرم کرتا، تو اسے سنگسار کیا جاتا۔ چنانچہ خیبر کے یہودیوں میں سے کسی بڑے خاندان کے شادی شدہ آدمی نے کسی بڑے خاندان کی شوہر دار عورت کے ساتھ زنا کیا۔ لہٰذا یہودیوں نے چاہا کہ ان کی سزا میں نرمی کی جائے اور کسی بہانہ سے انہیں معافی مل جائے اور ان پر حرف نہ آئے۔ انہیں معلوم تھا کہ شریعت اسلامیہ بڑی سہل شریعت ہے۔ اس لیے خیال کیا کہ شاید ادھر رجوع کرنے سے انہیں کچھ سہولت مل جائے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ کے اپنے بھائی بند بنی قریظہ کو پیغام بھیجا اور دونوں مجرموں کو بھی ساتھ بھیج دیا کہ ان کا فیصلہ پیغمبر اسلامؐ سے کرائیں اور ساتھ یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر کوئی نرم سزا دیں تو تسلیم کر لینا اور اگر کوئی سخت سزا تجویز کریں تو انکار کر دینا۔ چنانچہ جب بنی قریظہ کے چند بڑے آدمی کعب بن اشرف وغیرہ مجرموں کو ہمراہ لیکر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ سے مسئلہ

دریافت کیا۔تو آنحضرتؐ نے پوچھا کیا تم میرا فیصلہ قبول کرو گے۔انہوں نے اقرار کیا۔اس وقت بذریعہ جبرئیل امین یہ حکم خداوندی نازل ہوا کہ اس قسم کے زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے۔جب آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ سنایا تو وہ بڑے سٹپٹائے اور اسے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا ہمارے دین میں تو یہ حکم نہیں ہے۔آپ نے فرمایا کہ تمہاری توراۃ میں یہی حکم مذکور ہے۔مگر انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔بڑی ردوقدح کے بعد طئے پایا کہ یہ معلوم کرنے کیلئے تورات میں یہ حکم یونہی ہے یا نہیں؟ یہود کے سب سے بڑے عالم ابن صوریا کو حاکم بنایا جائے۔جو بمقام فدک رہتا تھا۔چنانچہ جب اسے بلایا گیا۔تو آنحضرتؐ نے اس کو بڑی قسمیں دے کر پوچھا کہ ایسے زانی اور زانیہ کیلئے توراۃ میں سنگسار کرنے کا حکم موجود ہے یا نہ؟ ابن صوریا نے کہا کہ اگر آپ مجھے اس قسم کی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز یہ حقیقت ظاہر نہ کرتا۔ہاں ایسے مجرموں کیلئے تورات میں سنگسار کرنے کا حکم موجود ہے۔مختصر یہ کہ پھر آنحضرتؐ کے حکم پر مسجد نبوی کے سامنے اس مرد وعورت کو سنگسار کیا گیا۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

یاا ھل الکتاب قدجاء کم رسولنا یبین لکم کثیراً مما تخفون من الکتاب ویعفوعن الکیثر الی آخر القصه (مجمع البیان وسنن بیہقی وغیرہ)

شان نزول کی دوسری روایت:

کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ہجرت مدینہ سے پہلے مدینہ اور اس کے حوالی میں یہود کے دو بڑے قبیلے بنونضیر اور بنو قریظہ آباد تھے۔اور ان میں سے بنونضیر قوت وطاقت اور شان و شوکت میں بنی قریظہ سے زیادہ تھے۔اس لیے وہ ان پر برابر ظلم وزیادتی کرتے تھے اور وہ برداشت کرتے تھے اور مزید برآں بنی قریظہ کو مجبور کر کے ان سے ایک توہین آمیز معاہدہ بھی کیا ہوا تھا۔جس کی رو سے اگر بنونضیر کا کوئی آدمی بنی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو ان کو قصاص کا کوئی حق نہ تھا۔بلکہ دیت کے طور پر صرف ستر وسق (قریبا پانچ من دس سیر) کھجوریں ادا کی جاتی تھیں۔اور اگر بنی قریظہ کا کوئی آدمی بنی نضیر کا کوئی آدمی قتل کرتا،تو اگر مقتول عورت ہوتی،تو اس کے بدلے قصاص میں مرد قتل کیا جاتا اور اگر مقتول مرد ہوتا تو اس کے عوض دو مرد قصاص میں قتل کیے جاتے اور دیت بھی دوگنا یعنی ایک سو چالیس وسق ادا کی جاتی۔جب آنحضرتؐ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے اور آپ کی برکت سے مدینہ نہ صرف دارالاسلام بن گیا۔بلکہ دارالامن بھی بن گیا۔گو ابھی تک ان قبیلوں کا کوئی آدمی اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا۔مگر ان کے پڑھے لکھے لوگ جانتے ضرور تھے کہ تورات کی پیشنگوئی کی بناء پر آنحضرتؐ ہی آخری نبی ہیں۔نیز اسلامی عدل وانصاف کے مناظر بھی ان کے سامنے تھے۔اسی اثناء میں ایک واقعہ رونما ہوا کہ بنی قریظہ کے ایک شخص نے بنونضیر کا ایک آدمی قتل کر دیا۔اور بنونضیر نے سابقہ

معاہدہ کی بنا پر بنی قریظہ سے دوگنے قصاص اور دوگنی دیت کا مطالبہ کیا۔ مگر بنی قریظہ جواب قدرے طاقتور ہو گئے تھے۔ بنونضیر کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ جب ہم دونوں کا مذہب، وطن اور خاندان ایک ہے۔ تو پھر یہ تفاوت کیوں؟ اس جواب سے بنونضیر میں بڑا اشتعال پیدا ہوا اور آتش حرب وضرب بھڑکتے بھڑکتے رک گئی۔ بالآخر بعض بزرگوں کی مداخلت سے یہ طے کیا کہ اس کا فیصلہ پیغمبر اسلامؐ سے کرایا جائے۔ بنی قریظہ تو چاہتے ہی یہی تھے۔ اور ان کو قوی امید تھی کہ آنحضرتؐ بنونضیر کے جائزانہ معاہدہ کو برقرار نہیں رکھیں گے۔ مگر بنونضیر کو بھی نہ چاہتے ہوئے بھی یہ فیصلہ تسلیم کرنا پڑا۔ مگر انہوں نے مخفی چال چلی کہ عبداللہ بن ابی منافق کی ہمراہی میں اپنے چند آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے بھیجے کہ یہ معلوم کر سکیں کہ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ کا نظریہ کیا ہے؟ اور ان لوگوں سے کہا کہ اگر آنحضرتؐ کا فیصلہ ہمارے عندیہ کے مطابق ہو تو پھر اسے تسلیم کر لینا اور اگر اس کے خلاف فیصلہ کریں، تو پھر قبول نہ کرنا (تفسیر قمی و تفسیر مظہری)

ان روایات وواقعات کا ماحصل اور نتیجہ

ان آیات کی شان نزول کی ان روایات اور ان واقعات سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح واشکار ہو جاتی ہے کہ خیبر کے یہودی ہوں یا مدینہ کے منافقین اور یہودی وہ کسی ایمان واخلاص کی بنا پر حضرت رسولؐ کو اپنے ان معاملات میں اپنا حاکم تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ حالات کی سنگینی سے مجبور ہو کر ایسا کر رہے تھے۔ لہٰذا خداوند عالم آنحضرتؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کریں، تو آپ اس سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں بھلا ان لوگوں سے اس کے علاوہ اور توقع ہی کیا رکھی جا سکتی ہے اور اسی لئے آپ کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ چونکہ ان لوگوں کی نیتوں میں فتور ہے۔ لہٰذا چاہیں تو ان کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو ٹال دیں۔ **فاحکم بینھم او اعراض عنھم**۔ پھر یہ بتایا ہے کہ اگر آپ انہیں ٹال دیں، تو بھی وہ آپ کو کوئی ضرر زیاں نہیں پہنچا سکتے اور اگر فیصلہ کرنا چاہیں تو پھر عدل وانصاف کے ساتھ یعنی اپنی شرع انور کے مطابق کریں۔ کیونکہ یہ غیر مسلم ہیں اور پھر کافر ذمی بھی نہیں ہیں۔ جن کے حقوق کی پاسداری اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اور ان کے نجی اور شخصی معاملات کو چھوڑ کر (جن میں اسلامی شریعت مداخلت نہیں کرتی اور ان امور کے فیصلے انہی کے مذہب کے مطابق ہوتے ہیں)۔ باقی پبلک اور جنرل قانون مسلم اور غیر مسلم سب ملکی باشندوں کے لئے ایک ہی ہوتا ہے۔ جو قانون شریعت ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ از خود مسلم حکمران کی طرف رجوع کریں اور اس کے فیصلہ پر راضی بھی ہوں، تو پھر مسلمان حکمران ہونے کی حیثیت سے شریعت اسلامی کے مطابق ان کا فیصلہ کرے گا۔ اور یہی اس آیت کا مفاد ہے۔ جس میں خدا فرماتا ہے۔ **وان احکم بینھم بما انزل اللہ**۔ الغرض ان کفار کی ذمہ داری اسلامی

حکوت پر عائد نہیں ہوتی۔ جو کافر ہوں مگر ذمی نہ ہوں۔ اس لئے ان کے فیصلہ کو ٹالا جا سکتا ہے۔ ورنہ ایک مسلمان یا کافر ذمی کے فیصلہ کو ٹالا نہیں جا سکتا، بلکہ قانون اسلام کے مطابق مسلمان حکمران پر ان کا فیصلہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

منافقوں اور یہودیوں کی چند بری خصلتوں کا تذکرہ۔

خداوند عالم نے ان تین آیتوں میں منافقوں اور یہودیوں کی چند بری خصلتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے اہل اسلام و ایمان کو احتراز کرنا چاہیے۔ جو ترتیب وار یہ ہیں۔

۱۔ **سماعون للکذب سماع باب سمع یسمع** ۔ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ سمع کے دو معنی ہیں۔ ا۔ سننا۔ ۲۔ قبول کرنا۔ اور سماع کے تین معنی ہیں ا۔ بہت سننے والا۔ ۲۔ فرمانبردار۔ ۳۔ جاسوس۔ (المنجد) اور یہاں اس لفظ کے تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ (۱) وہ ان جھوٹی باتوں کے بہت سننے والے ہیں، جو ان کے احبار اور علماء سوء ان سے بیان کرتے ہیں۔ (۲) وہ ان بے سرو پا باتوں کو بڑے قبول کرنے والے ہیں۔ جو احباران سے بیان کرتے ہیں جبکہ آپ کی سچی باتوں کو قبول نہیں کرتے۔ جیسا کہ **سمع اللہ لمن حمدہ** میں سمع بمعنی تقبل استعمال ہوا ہے کہ۔ جو کوئی خدا کی حمد وثنا کرتا ہے۔ اللہ اس کی حمد وثنا کو قبول کرتا ہے۔ ۳۔ وہ جاسوس ہیں۔ جو آپ کی بزم رسالت میں محض جاسوسی کرنے کے لئے آتے ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی راز و نیاز کی بات سنیں پھر اسے فوراً اپنے بڑوں تک پہنچائیں، جو اپنی کبرایائی اور بڑائی کی وجہ سے آپ کے پاس نہیں آتے۔ جیسا کہ خیبر اور مدینہ کے یہود کی روش ورفتار سے واضح ہے۔ جن کی منافقت اور دوغلی پالیسی سابقہ روایتوں سے آشکارا کر دی گئی ہے کہ وہ حسب ظاہر آنحضرتؐ کو حکم تسلیم کرتے تھے۔ مگر اپنے فرستادہ آدمیوں کو سمجھا دیتے تھے کہ ان کا فیصلہ تب قبول کرنا کہ جب ہماری منشاء کے مطابق ہو ورنہ انکار کر دینا۔

۲۔ **سماعون لقوم آخرین** ۔ ان لوگوں کی اس صفت بد کی وضاحت سابقہ عنوان کے تحت نمبر تین کے ذیل میں کر دی گئی ہے۔

۳۔ **یحرفون الکلم** ۔ قبل ازیں سورہ نساء کی آیت نمبر ۴۵ کی تفسیر میں اس تحریف کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ وہ تین طرح متصور ہو سکتی ہے۔ ا۔ کتاب اللہ کے الفاظ میں رد و بدل کرنے سے ۲۔ اپنی تاویل سے کتاب اللہ کے آیات کے معنی کو کچھ سے کچھ بنا دینے سے۔ ۳۔ حضرت رسول خداؐ کی صحبت میں آ کر بیٹھنے اور واپس جا کر اپنے لوگوں کے سامنے غلط طریقہ سے نقل کر کے کچھ کا کچھ بنانے سے۔ تا کہ آپؐ کو بدنام کیا جائے اور لوگوں میں آپ کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جائیں۔

۴۔ اکالون للسحت۔ وہ بڑے حرام خور ہیں۔ سحت کے لغوی معنی ہیں۔ کسی چیز کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر برباد کرنا۔ جیسا کہ قرآن میں وارد ہے۔ **فیسحتکم بعذاب**۔ کہ اگر تم اپنی ان ناشائستہ حرکتوں سے باز نہ آئے تو خدا تمہیں عذاب سے برباد کردے گا۔ اسی لئے حضرت امیرؑ نے سحت کی تفسیر رشوت سے کی ہے۔ (تفسیر مجمع البیان، عیاشی)

جو نہ صرف رشوت دینے اور لینے والے کو تباہ کرتی ہے۔ بلکہ پورے ملک اور اس کے رشوت خور معاشرہ کو اور اس کے امن وامان کو بھی تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اور پھر ملک میں قانون کی حکمرانی کی بجائے رشوت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جس سے انصاف مہنگا اور لوگوں کے مال اور ناموس کی ارزانی ہوتی ہے۔

الغرض مال حرام کو اسی لئے سحت کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف احادیث دیکھنے سے سحت کے چند اور اقسام کا بھی سراغ ملتا ہے۔

سحت یعنی مال حرام کے اور چند اقسام

جیسے۔ ۱۔ مردار۔ ۲۔ غیر شکاری کتے۔ ۳۔ اور شراب کی قیمت۔ ۴۔ زانیہ کی زرمہر۔ ۵۔ کاہن کی اجرت (اصول کافی عن الصادقؑ)۔ ۶۔ یتیم کا مال کھانا۔ ۷۔ زانیہ کی کمائی۔ ۸۔ سود (تفسیر صافی جلد ۳ عن الباقرؑ)۔ ۹۔ ایک روایت میں حضرت امیرؑ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا کوئی کام کرے اور پھر اس کا ھدیہ قبول کرے، تو یہ بھی سحت میں شامل ہے۔ (تفسیر صافی جلد ۳ عن الباقرؑ)

۱۰۔ کوئی حرام کام کر کے اس کی اجرت لینا بھی ''سحت'' ہے۔ (تفسیر قمی)۔ مخفی نہ رہے کہ گوان رشوت خوروں سے عام حکام جور بھی مراد ہو سکتے ہیں مگر ان سے خصوصی طور پر وہ فتویٰ فروش مفتی و قاضی مراد ہیں۔ جو رشوت لیکر اپنے مخالفین کے خلاف اور ہم نواؤں کے حق میں فتوئے دیتے اور فیصلے کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب تذکیر القران لکھتے ہیں ''رشوت کی ایک صورت وہ ہے جس میں'' حرام (سحت سے مراد رشوت ہے)۔ رشوت کی ایک عام شکل وہ ہے جو براہ راست اسی نام سے آ جاتی۔ چنانچہ یہودی علماء میں ایسے لوگ تھے جو رشوت لے کر غلط مسائل بتایا کرتے تھے۔ تاہم رشوت کی ایک اور صورت وہ ہے جس میں براہ راست لین دین نہیں ہوتا مگر وہ تمام رشوتوں میں زیادہ بری اور زیادہ قبیح رشوت ہوتی ہے۔ یہ ہے دین کو عوامی پسند کے مطابق بنا کر پیش کرنا تا کہ عوام کے درمیان مقبولیت ہو۔ لوگوں کا اعزاز و اکرام ملے، لوگوں کے چندے اور نذرانے وصول ہوتے رہیں۔ دین کو اس کے بے آمیز صورت میں پیش کرنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ آدمی عوام کے اندر نامقبول ہو جائے۔ اس کے برعکس دین کو اگر ایسی صورت میں پیش کیا جائے کہ زندگی میں کوئی حقیقی تبدیلی بھی نہ کرنا پڑے اور آدمی کو

دین بھی حاصل رہے تو ایسے دین کے گرد بہت جلد بھیڑ اکھٹا ہو جاتی ہے۔ وہ دین جس میں اپنی دنیا پرستانہ زندگی کو بدلے بغیر کچھ سستے اعمال کے ذریعہ جنت مل رہی ہو۔ وہ دین قومی اور مادی ہنگامہ آرائیوں کو دینی جواز عطا کرتا ہو۔ وہ دین جس میں یہ موقع ہو کہ آدمی اپنی جاہ پسندی کے لئے سرگرم ہو، پھر بھی وہ جو کچھ کرے سب دین کے خانہ میں لکھا جاتا رہے۔ جو لوگ اس قسم کا دین پیش کریں وہ بہت جلد عوام کے اندر محبوبیت کا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ یہود کے قائدین اسی قسم کا دین چلا کر عوام کا مرجع بنے ہوئے تھے۔ وہ عوام کو ان کا پسندیدہ دین پیش کر رہے تھے اور عوام اس کے معاوضہ میں ان کو مالی تعاون سے لے کر اعزاز و اکرام تک ہر چیز نثار کر رہے تھے۔''

ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا سچے دین کی آواز بلند کرنا ان کو نا قابل برداشت معلوم ہوا۔ کیوں کہ یہ ان کے مفادات کے ڈھانچہ کو توڑنے کے ہم معنی تھا۔ اور یہ قبیح سلسلہ آج تک برابر جاری ہے کہ جو فتویٰ فروش ملاں اور لیڈر دین کو موم کی ناک سمجھ کر اسے اس طرح موڑ کر پیش کرے جسطرح عوام چاہتے ہیں تا کہ وہ رند کے رند بھی رہ جائیں اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے تو اس کا سلام بھی کیا جاتا ہے اور احترام بھی اور اس کو مال بھی پیش کیا جاتا ہے اور جائیداد بھی اور جو عالم دین خوف وخشیہ الٰہی سے سرشار ہو کر عوامی خواہشات کی پیروی کرنے کے لئے تیار نہ ہو بلکہ دین کو بے کم وکاست اس کی حقیقی شکل وصورت میں اپنی تقریر وتحریری پیش کرنے پر مصر ہو تو سلام کی بجائے گالیوں سے نوازا جاتا ہے اور اکرام کی بجائے اس کی توہین وتذلیل کو ثواب سمجھا جاتا ہے اور اس کی مالی خدمت کرنے کی بجائے الٹا اسے مالی وجانی زبان ونقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ع

وانیہا ہمہ رازاست کہ معلوم عوام است

وَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ...الآية۔

اسکے معنی یہ کئے جاتے ہیں۔''اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا، سوتو اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ کے ہاں''جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے ان کے''(معارف القرآن ج ۳ ص ۱۳۸)۔ یہ ترجمہ کرنے والوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جب ان گمراہوں کو گمراہ بھی اللہ نے کیا اور اللہ نے ہی نہ چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے، تو پھر ان بے چاروں کا قصور کیا ہے؟ جس کی سزا وہ آتش دوزخ میں بھگتیں گے؟ اور پھر ان کی مذمت کیوں کی جارہی ہے؟ کیا یہ کھلم کھلا ظلم نہیں ہے؟ اور کیا خدا ظالموں پر لعنت نہیں بھیجتا اور کیا یہ صریح جبر نہیں ہے؟ جو اسلام میں نہیں ہے اور کیا خدا کا دامن ربوبیت ان آلائشوں سے منزہ ومبرا نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو پھر ان جملوں کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ لفظ الفتنہ کے متعدد معانی ہیں۔ جن میں سے ایک معنی عذاب بھی ہیں۔ جیسا کہ ان آیتوں میں یہ لفظ عذاب کے معنی میں استعمال ہوئی ہے۔

۱۔ علی النار یفتنون کہ ان لوگوں کو دوزخ میں عذاب کیا جائے گا۔

۲۔ ذوقوا فتنتکم ۔ اپنے عذاب کا مزہ چکھو۔ بنابریں اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص کو خدا اس کی بے ایمانی و بدعملی اور منافقت کی پاداش میں عذاب کرنا چاہے تو تو اس کے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ اپنے کئے کی سزا پا کے رہے گا۔ اس کے بعد دوسرے جملہ کا مفہوم سمجھنے میں بالکل آسانی ہو جاتی ہے۔ کہ خدا نے ایسے لوگوں کے دلوں کو پاک کرنے کا زبردستی ارادہ نہیں فرمایا۔ جس طرح اس آیت میں فرماتا ہے۔ لوشاء الله لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً کہ اگر خدا اپنی مشیت قاہرہ سے چاہتا، تو تمام روئے زمین کے لوگ ایمان لے آتے۔ مگر خدا اپنے دستور کے مطابق کسی کو ایمان لانے یا بے ایمانی اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اسے فاعل مختار بنایا ہے۔ انا ھدینٰه النجدین انا ھدیناہ السبیل اما شاکر او اما کفورا ۔ نیز فتنہ کے ایک معنی ہلاکت کے بھی ہیں۔

بنابریں مطلب یہ ہوگا کہ خدا جس شخص کو اس کی اپنی ہی غلط روش و رفتار کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہے، تو اے مخاطب تو اس کے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ وہ ہلاک انہی لوگوں کو کرتا ہے، جو ہلاکت کے مستحق ہوتے ہیں، اسی لئے فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔ سچ ہے کہ۔ ع

سزائے این چنیں دوناں بجز دوزخ کجا باشد؟

آیات القرآن

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۝۴۳ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝۴۴

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ
وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ
قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ
مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ
هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ؕ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ
يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور یہ لوگ آپ کو کس طرح حاکم (ثالث) بناتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ (آپ کے فیصلہ کے) بعد اس سے منہ موڑ لیتے ہیں (بات دراصل یہ ہے کہ) یہ مومن ہی نہیں ہیں (ہرگز ماننے والے نہیں ہیں) ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور (روشنی) تھی اس کے مطابق یہودیوں کے لئے فیصلے کرتے تھے۔ وہ تمام نبی جو اللہ کے مطیع و فرمانبردار تھے اللہ والے علماء و احبار بھی اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے جس کی حفاظت کے وہ ذمہ دار بنائے گئے تھے اور جس کے وہ گواہ تھے۔ پس تم لوگوں سے نہ ڈرو۔ بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت نہ کرو۔ اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ وہ کافر ہیں۔ اور ہم نے اس (تورات) میں ان (یہودیوں) پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بھی برابر کا بدلہ ہے۔ پھر جو (قصاص) معاف کر دے، تو وہ اس کے لئے کفارہ ہوگا اور جو قانون خدا کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ ظالم ہیں۔ ہم نے ان (انبیاء) کے نقش قدم

پر عیسیٰ کو بھیجا اپنے سے پہلے موجود کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی۔ جس میں ہدایت ہے اور نور بھی جو تصدیق کرنے والی تھی۔ اپنے سے پہلے موجود کتاب یعنی تورات کی اور یہ (انجیل) صحیح رہنمائی اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لئے۔ چاہیے کہ انجیل والے (نصرانی) اس (قانون) کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ نے اس (انجیل) میں نازل کیا ہے اور جو اللہ کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی فاسق (نافرمان) ہیں۔ (۴۷)

تفسیر الآیات

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ ... الآیۃ۔ ۴۳

یہود کی حالت پر اظہار تعجب؟

یہاں خداوند عالم یہود کی روش و رفتار پر اپنے تعجب کا اظہار کر رہا ہے اور پیغمبر اسلامؐ کو تسلی بھی دے رہا ہے۔ کہ وہ بظاہر جس شخص (جناب موسیٰ) کو نبی اللہ اور اس کی کتاب (تورات) کو کتاب اللہ مانتے ہیں۔ جب وہ اس حکم سے جو اس میں لکھا ہوا ہے روگردانی کر رہے ہیں تو اے محبوبؐ وہ آپ کو کس طرح اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں؟ جبکہ وہ آپ کو میرا نبی تسلیم ہی نہیں کرتے؟ اور پھر آپ کے فیصلہ سے بھی اسے اپنی منشاء کے خلاف پاکر منہ پھیرتے ہیں۔ اس سے تو مذہب کے ان اجارہ داروں کی بد دیانتی اور بے ایمانی کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوٹ جاتا ہے۔ کہ وہ کسی چیز پر بھی ایمان نہیں رکھتے، ہاں اگر ایمان رکھتے ہیں تو صرف اپنے مفادات پر اور اپنے نفس کی خواہشات پر۔ اگر اس کتاب کے احکام سے جسے وہ کتاب اللہ ماننے کے مدعی ہیں۔ منہ موڑتے ہیں، تو صرف اس لئے کہ وہ حکم ان کی خواہش نفس کے خلاف ہے اور اگر اس شخص کو اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں۔ جسے وہ نبی نہیں مانتے، تو اس امید پر کہ شاید وہ ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر دے اور جب ایسا نہیں ہوتا، تو اس سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں، تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح وہ پیغمبر اسلامؐ اور ان کی کتاب (قرآن) کو نہیں مانتے، اسی طرح درحقیقت وہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان کی کتاب تورات پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (نساء آیت۔ ۶۴)۔ اے رسول!

تیرے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے۔ جب تک اپنے تمام تنازعات میں تجھے اپنا حاکم تسلیم نہ کریں اور پھر آپ جو فیصلہ کردیں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں بھی کوئی کوفت محسوس نہ کریں۔ بلکہ یوں تسلیم کریں، جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ ....الآیۃ۔ ۴۴

یہاں خداوند عالم تورات کی تعریف کر رہا ہے۔ کہ وہ کسی انسان کی تصنیف کردہ کتاب نہیں ہے، بلکہ منزل من اللہ ہے۔ اور یہی کیفیت انجیل کی ہے اور یہی حالت قرآن کی ہے۔ یہ ایک دوسری کی مکذب نہیں ہیں۔ بلکہ مصدق ہیں رشد و ہدایت کے یہ چشمے ایک ہی سرچشمہ فیض و رحمت سے پھوٹتے ہیں۔ سابقہ کتابیں اپنے اپنے دور میں منارہ ہدایت تھیں، جن سے خوش قسمت لوگ کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں راہ ہدایت و نجات پاتے تھے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء بنی اسرائیل جیسے جناب داؤدؑ سلیمانؑ، الیاسؑ الیسعؑ، عزیزؑ، زکریاؑ، اور یحییٰ اور ربانی علما و مشائخ اور احبار و علماء جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی سپردگی میں دے رکھا تھا۔ (سب مسلم تھے)۔ سب اسی توراۃ کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے تھے اور اسی کے مطابق ان کے فیصلے کرتے رہے، وہ اپنے خیالات و اختیارات کے مطابق نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ انہی لوگوں کو اس کتاب خدا کا محافظ و نگہبان اور گواہ بنایا گیا تھا۔ بہرحال یہ بات تاریخ یہود کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتی ہے کہ جب تک انبیاء اور ربانی علماء اپنا فرض تبلیغ و حفاظت ادا کرتے رہے، تب تک تورات ہر قسم کی تحریف اور ردوبدل سے محفوظ رہی۔ مگر جب یہ کتاب ہدایت دنیا پرست علماء سوء کے قبضہ میں آ گئی، تو انہوں نے دونوں کام چھوڑ دیئے۔ اخلاص وللّٰہیت کی جگہ جاہ طلبی و دنیا طلبی آ گئی، تو پھر ان لوگوں نے اپنی مطلب برآری کی خاطر اسے محرف و مبدل کر دیا اور آج جو تورات (اور اسی طرح انجیل) دنیا میں موجود ہے، وہ یہی تحریف شدہ ہے اور یہود کے علما و مشائخ کی تصنیف شدہ ہے۔ ورنہ اصلی تورات تو انیٹوکس اور بخت نصر وغیرہ کے حوادث میں تلف ہو گئی تھی۔ تفصیل تفسیر حقانی ج ۲ میں اسی آیت کے ذیل میں دیکھی جائے) اور وہ بھی قرآن مجید کے آجانے سے منسوخ ہو گئی۔ الغرض یہود نے اس سرچشمہ فیض سے کوئی خاص فائدہ نہ اٹھایا اور آخرکار جاہ طلب اور دنیا کے بندے بن گئے۔ خداوند عالم ان آیات میں مسلمانوں کو نصیحت کر رہا ہے کہ یہ لوگ چاہیں گے کہ ان کی طرح تم بھی اپنی کتاب سے کما حقہ استفادہ نہ کرو اور اس کی تعلیمات سے دور ہو جاؤ خیال رکھنا کہیں ان کے دام تزویر میں نہ پھنس جانا۔ اور قرآنی ہدایات و تعلیمات کو طاق نسیان پر نہ رکھ دینا۔ مذکورہ بالا مطالب اس پورے رکوع نمبر ۱۱ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ...الآیۃ۔ ۴۴

دین فروش لوگوں کی مذمت۔

یہ بات استقراء تام سے ثابت ہے کہ جب بھی کوئی شخص یا کوئی گروہ انفرادی یا اجتماعی طور پر کسی دین و مذہب میں کسی قسم کی کوئی ترمیم و تنسیخ یا کوئیر دو بلد کرتا ہے یا کسی قسم کی کمی یا بیشی یا کوئی ھیرا پھری کرتا ہے تو الحاد و زندقہ کے وہ اس کی دو ہی سبب یا ان میں سے کوئی ایک سبب ہوتا ہے۔

۱۔ حکام یا عوام کالانعام کا خوف کہ اگر دین و مذہب کے اصلی حقائق بیان کیئے گئے، تو وہ ضرر وزیاں پہنچائیں گے۔

۲۔ طمع ولالچ کہ اگر لوگوں کی خواہش نفس کے مطابق حقائق کو توڑا موڑا گیا۔ اور اس طرح ان کو خوش کیا گیا تو ان سے مال و منال ہاتھ آئے گا۔ خدائے حکیم جواب میں فرماتا ہے کہ لوگوں سے نہ ڈرو، کیونکہ وہ تمہاری طرح عاجز و ناتواں انسان ضیعف البنیان ہیں۔ نہ تمہارا کچھ سنوار سکتے ہیں اور نہ بگاڑ سکتے ہیں۔ ہاں مجھ سے ڈرو، جس کے قبضہ قدرت میں تمہارا نفع بھی ہے اور نقصان بھی ہے، سود بھی ہے اور زیاں بھی ہے اور تمہاری موت بھی ہے اور حیات بھی ہے۔

۲۔ اور میری آیات بینات کو تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادہ قیمت پر فروخت کرو۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر دین کے عوض دنیا حاصل کرو گے، تو اگر تم ہفت اکلیم کے مالک و مختار بھی بن جاوٴ۔ تاہم اخروی دائمی نعمتوں کے مقابلہ میں یہ چندروزہ مال و متاع نہایت ہی بے حقیقت اور قلیل ہے۔

گو بظاہر یہ خطاب علماء یہود سے ہے۔ (مجمع البیان) مگر درحقیقت ان تمام دین فروش ملاؤں، مفتیوں اور قاضیوں سے ہے۔ جو خدائے رحمان کی بجائے عوام سے ڈرتے ہیں۔ اور خدا کو حلال مشکلات و قاضی الحاجات جاننے کی بجائے لوگوں کو اپنا قاضی الحاجات جانتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے خطاب کر کے جو خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ اقبال نے کہا تھا!

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟؟

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُم ... الآیۃ۔ ۴۴

خلاف ما انزل اللہ فیصلہ کرنے والوں کا انجام

خداوند جبار و قہار نے اپنے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرنے والوں کو اس آیت نمبر ۴۵ میں ظالم

اور آیت نمبر ۴۷ میں فاسق کہا ہے۔ان آیتوں کے بارے میں دو باتیں قابل غور ہیں۔پہلی یہ کہ ان آیات میں کوئی تضاد واختلاف نہیں ہے۔ بلکہ ایسا کرنے والوں کے حالات کے مطابق مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔یعنی اگر کوئی حکم خدا کا دل ودماغ سے انکار کر کے ایسا کرے،تو وہ کافر ہے اور اگر کوئی دل سے انکار نہ کرے، بلکہ اقرار کرے، مگر کسی دنیاوی غرض اور سفلی مقصد کے تحت ایسا کرے تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔ان آیات میں ان حکام اور حجز کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔جو خلاف ما انزل اللہ فیصلے کرتے ہیں، دوسری یہ کہ اگرچہ ان آیات میں روئے سخن یہود ونصاری کی طرف ہے۔لیکن بموجب المورد لا یخصص الوارد۔کہ مورد وارد کو تخصیص نہیں دیتا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان آیات کو انہی لوگوں سے مخصوص سمجھا جائے ، بلکہ ان کو اپنے عموم پر رکھا جائے گا اور جو شخص بھی خواہ اس کا تعلق کسی ملت و مذہب سے ہو،اس جرم کا ارتکاب کرے گا۔وہ اس کا مصداق قرار پائے گا۔حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔

فرمایا من قضی فی درھمین بغیر ما انزل اللہ فقد کفر ۔جو شخص صرف دو درہم میں خدا کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کرے۔وہ کافر ہے۔(عیاشی، برہان، بحار)

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا...۴۵ الآية۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے لئے تورات میں قصاص کا حکم بالکل اسی طرح تھا۔جیسے اسلام میں ہے۔اور لطف یہ ہے کہ تورات کے محرف ہو جانے کے باوجود یہ حکم آج بھی اس میں اسی طرح موجود ہے۔(ملاحظہ ہو خروج ۲۱، ۲۳، ۲۵)

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ...۴۵ الآية۔

اور جو مظلوم اپنے ظالم کو قصاص معاف کر دے اور اس سے بدلہ نہ لے،تو اس کی یہ فیاضی اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی ’’ظالم کے لئے عبرت ناک سزا تجویز فرمائی، اس کے ساتھ ساتھ مظلوم کو عفو درگذر کی تلقین کی عدل وانصاف اور رحم وکرم کا کتنا حسین امتزاج ہے‘‘(ضیاء القران)

وَ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ...۴۶ الآية۔

ہم نے ان کے نقش قدم پر عیسٰیؑ کو بھیجا۔یہ ’’ھم ‘‘(ان) کی ضمیر کا مرجع ’’النبیون ‘‘ ہیں۔جو اوپر آیت نمبر ۴۴ میں مذکور ہیں۔یہ جناب عیسٰیؑ۔تورات کی تصدیق کرنے والے ہیں۔اس کی تکذیب وتردید کرنے والے نہیں ہے۔اور ان پر جو انجیل نازل کی گئی ہے۔

اس میں پانچ صفات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ اس میں ہدایت ہے۔ ۲۔نور ہے۔ ۳۔تورات کی تصدیق کرتی ہے۔

۴۔ اس کے مطابق انبیاء فیصلے کرتے تھے۔ ۵۔اوراس میں پند ونصیحت ہے۔

موجودہ انجیل محرف ہےاور جناب عیسٰیؑ کے بعد کےلوگوں کی لکھی ہوئی ہے

مگر یہ یادر ہے کہ یہ پانچ اوصاف جواوپر مذکور ہیں۔ یہ اس اصلی انجیل کے ہیں۔ جورب العزۃ نے جناب علیٰؑ ۔پر نازل کی تھی اور حوادث قیاصرہ میں گم ہوگئی تھی اور آج پوری دنیا میں ناپید ہے۔اور یہ جوآج کل چار شخصوں کی مرتب کردہ انجیلیں موجود ہیں یعنی ۔۱۔انجیل متی ۔ ۲۔انجیل مرقس ۔ ۳۔انجیل لوقا۔ ۴۔اورانجیل یوحنا۔ یہ کتابیں تو جناب عیسیٰؑ کے رفع سماوی کے بہت بعد لکھی گئیں۔اور پھران چاروں انجیلوں میں بھی جو کچھ تحریف اور کمی وبیشی واقع ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔وہ عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے اور خودعیسائی علماء کو بھی اقرار ہے اور مشاہدہ شاہد ہے کہ اس کا ہر ایڈیشن دوسرے سے مختلف ہے۔مخفی نہ رہے کہ اس آیت میں جو دوبارہ لفظ ''مصدقا'' آیا ہے۔ یہ ایک ہی بات کی تکرار نہیں ہے۔ بلکہ پہلا لفظ جناب عیسیٰؑ سے اور دوسرا لفظ انجیل سے متعلق ہے کہ یہ دونوں تورات کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ بلکہ مولانا مودودی اور سید العلماء کی تحریروں سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ جناب عیسیٰؑ صرف موسوی دین اور توراہ کے ہی مبلغ تھے چنانچہ اول الذکر رقمطراز ہیں ''یعنی مسیح ۔کوئی نیا مذہب لے کرنہیں آئے تھے۔ بلکہ وہی ایک دین جو تمام پچھلے انبیاء کا دین تھا،مسیح کا دین بھی تھااوراسی کی طرف وہ دعوت دیتے تھےتورات کی اصل تعلیمات میں جو کچھ ان کے زمانہ میں محفوظ تھا اس کو مسیح خود بھی مانتے تھے اور انجیل بھی اس کی تصدیق کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو (متی باب ۵ آیت ۱۷ / ۱۸،تفہیم القرآن ج ا ص ۴۷۵ حاشیہ نمبر ۷۶)

اورثانی الذکر تحریر فرماتے ہیں ''شریعت تورات کو منسوخ کرنے نہیں آئے تھے۔ بلکہ اس شریعت کے پیرو تھے جس کا ذکرانجیل میں اب بھی ہے۔انجیل اسی تورات پر عمل کی دعوت اور مواعظ ونصائح پر مشتمل بنا کر بھیجی گئی تھی'' (فصل الخطاب ج ۲ ص ۴۴۶) مگراس بات کا کیا جواب ہے کہ حضرت علیٰؑ بنص قرآن رسول تھے۔(ورسولاً الی بنی اسرائیل) بلکہ پانچ اولوالعزم رسولوں سے پانچویں اولوالعزم رسول تھے۔اور متکلمین کی اصطلاح میں رسول صاحب شریعت نبی کو کہا جاتا ہے۔ بنابریں انجیل کے مصدق تورات ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا ہے کہ وہ نئی شریعت کی حامل نہ ہو یا بعض احکام توراۃ کی ناسخ نہ ہوااوراس کی تائید مزیداس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن جہاں تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی مصدق ہے وہاں ان کی لائی ہوئی شریعتوں کا ناسخ بھی

ہے اور خود ایک مستقل شریعت کا بانی بھی ہے۔

سب انبیاء کا دین ایک تھا مگر شریعتیں جدا جدا۔

ہاں یہ درست ہے کہ سب انبیاء کا دین ایک تھا اور سب ایک ہی صداقت کے داعی تھے۔ مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ (سب انبیا کی شریعتیں بھی ایک ہی تھیں اور منہاج بھی ایک تھا۔ آیت مبارکہ ان الدین عنداللہ الاسلام کی تفسیر کے ضمن میں ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ دین جو کہ چند اصول عقائد اور چند اوامر ونواہی کے مجموعہ کا نام ہے۔ جہاں تک دین کے بنیادی اصول عقائد کا تعلق ہے۔ تو وہ تو تمام انبیاء کے یکساں رہے ہیں۔ جو کہ خدا پرستی کا قانون ہیں۔ مگر جہاں تک اوامر ونواہی یعنی عبادات و معاملات وغیرہ فروعی احکام کا تعلق ہے۔ جسے شریعت اور منہاج کہا جاتا ہے جو دستور العمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں ہر زمانہ کے خصوصی حالات، لوگوں کے اختلاف مزاج اور دیگر مقتضیات کے اختلاف کی وجہ سے بتقاضائے حکمت و مصلحت برابر ان میں دو بدل اور ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف ذیل کی آیت نمبر ۴۸ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ "لکل جعلنا شرعة ومنھا جاً۔ ہم نے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ مقرر کی ہے" اگر خدا اپنی مشیت قاہرہ سے چاہتا تو سب نوع انسانی کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا اور سب کیلئے ایک شریعت مقرر کر سکتا تھا۔ مگر اس نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اس شریعت کی اتباع کرتا ہے۔ الغرض یہ شرائع ہیں ان میں بر بنائے حکمت ردوبدل اور ترمیم و تنسیخ کا سلسلہ سابقہ انبیاء کے ادوار میں برابر جاری و ساری رہا۔ یہاں تک کہ سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لائے۔ تو اب ان کے بعد یہ سلسلہ قیامت تک بالکل بند ہو گیا ہے۔ اب نہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی آئے گا۔ نہ اسلامی و قرآنی شریعت کے بعد کوئی نئی شریعت آئے گی اور نہ قرآن کے بعد کوئی نئی کتاب آئے گی۔ بس حلال محمد حلال الی یوم القیامه و حرامه حرام الی یوم القیامة حلال محمد قیامت تک حلال اور حرام محمدی قیامت تک حرام رہے گا۔ (اصول کافی)

آیات القرآن

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ
شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ
وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ
اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اے رسولؐ) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ جو تصدیق کرتی ہے۔ ان (آسمانی) کتابوں کی جو اس سے پہلے موجود ہیں اور ان کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہٰذا آپ ان کے درمیان وہی فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور اس حق سے منہ موڑ کر جو آپ کے پاس آ گیا ہے۔ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ مقرر کی ہے اور اگر خدا (زبردستی) چاہتا، تو تم سب کو ایک ہی (شریعت) کی ایک ہی امت بنا دیتا۔ مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں آزمائے (ان احکام میں) جو (مختلف اوقات میں) تمہیں دیتا رہا ہے بس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم سب کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا۔ ان باتوں سے جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ اور ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہے اور ان کی خواشہات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہ کہیں وہ آپ کو اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے بھٹکا نہ دیں اور اگر وہ روگردانی کریں، تو جان لیجئے کہ اللہ بس یہ چاہتا ہے کہ وہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے۔ بے شک زیادہ تر لوگ فاسق

(نافرمان ہیں)۔کیا وہ دور جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ حالانکہ یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟۔(۵۰)

تفسیر الایات

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ...۴۸ الآیۃ۔

یہاں پہلے لفظ کتاب سے قرآن کریم مراد ہے اور دوسرے لفظ سے جنس کتاب مراد ہے۔ جو تمام آسمانی کتابوں کو شامل ہے۔ کہ خدائے علیم وحکیم نے قرآن کریم کو تمام آسمانی کتابوں کا مصدق اور مھیمن یعنی محافظ بنا کر نازل کیا ہے۔ جو تورات وانجیل وغیرہ آسمانی کتابوں میں تغیر وتبدل کرنے والوں کی تحریفات اور بے جا تصرفات کا بردہ چاک کرکے حق کو واضح کرتا ہے اوران کتابوں کی اصلی وحقیقی تعلیمات کی روشنی کو آج تک دنیا کے کونے کونے تک پہنچارہا ہے۔اور صبح قیامت کے طلوع ہونے تک یہ فریضہ ادا کرتا رہے گا اور حق وحقیقت کی روشنی سے دنیا سے جہالت کی تاریکی کو دور کرتا رہے گا اوراسے بقعہ نور بناتا رہے گا۔بہرحال پہلے توراۃ کا ذکر ہوا پھر انجیل کا اوراس کے بعد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران پر اتاری جانے والی کتاب کا بعدازاں خالق نے اہل تورات کا اہل انجیل اوراہل اسلام سب کو سمو کر خطاب فرمایا! لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھا جا۔یعنی تورات والی شریعت ہماری بھیجی ہوئی تھی اور انجیل والی تعلیم بھی ہماری تھی اوراب یہ قرآنی شریعت بھی ہم ہی نے بھیجی ہے۔لہٰذا تورات کے وقت تک اس شریعت پر عمل کرنا لازم تھا اورانجیل آئی۔تو اس پر عمل لازم ہو گیا اوراب سب کو قرآن پر عمل لازم ہے۔کیونکہ یہ کتاب سب سے آخر میں آئی ہے۔"(فصل الخطاب)

باوجودیکہ حضرت رسول خداؐ عصمت کبریٰ کے مالک۔اور ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔کے مصداق ہیں اوران سے کسی قسم کے غلط فیصلے کرنے یا خدا کا حکم چھوڑ کر کسی کی خواہش نفس کی پیروی کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔تو پھر کیوں ان سے کہا جارہا ہے کہ لوگوں کے فیصلے اس کے ساتھ کریں، جو خدا نے اتارا ہے اوران کی خواہشات کی پیروی نہ کریں" تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بموجب۔ایاک اعنی واسمعی یا جارۃ خطاب آنحضرت کو ہے۔مگر مراد امت کے وہ علماءسوء ہیں۔جن سے اندیشہ تھا کہ وہ امراء ورؤساء اور جابر حکمرانوں کی رضاجوئی اوراپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر عوام کی دلجوئی کرکے قرآن وسنت کے خلاف فیصلے کریں گے اوردین کو بازیچہ اطفال بنائیں گے ہے۔(تفسیر کاشف) یا اس سے مراد عام حکام ہیں اوران کو تنبیہ کی جارہی ہے،(مجمع البیان)۔

علاوہ بریں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عصمت کی وجہ سے معصوم سے گناہ کرنے کی قدرت بالکل سلب تو نہیں ہوجاتی۔ ورنہ پھر معصوم کا کمال کیا ہے؟ بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ گناہ پر قدرت رکھنے کے باوجود اپنے عزم وارادہ سے گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے اور اس کا سبب ایک عصمت ہوتی ہے۔ جو لطف خداوندی ہے اور دوسرا خدا کی ہر وقت خصوصی توجہ۔ جو ایسے مقام پر معصوم کی دستگیری کرتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے! **ولو لا ان ثبتنك لتركن الهيم شيئا قليلاً** (اسراء ۸۴) فتدبر۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ......۱۴۸ الآیۃ۔

انسان فطرۃً مقابلہ پسند واقع ہوا ہے۔ وہ مال ومنال، میں جاہ وجلال میں، اولاد میں، جائداد میں، غرضیکہ دنیا کی ہر بات میں دوسروں سے مقابلہ کرنے اور پھر اس کارگاہ حیات میں دوسروں سے گوئے سبقت لیجانے کو پسند کرتا ہے۔ خالق فطرت اس کے اسی جواد فطرت کو مہمیز کرنے کے لئے یہ تازیانہ لگا رہا ہے۔ کہ اگر مقابلہ کرنا چاہتے ہو، تو نیکیوں میں پیش قدمی کرنے سے کرو اور دنیا پر ثابت کردو کہ تم سب سے زیادہ نیکی کرنے والے اور سفرِ آخرت کے لئے سب سے زیادہ زادِ سفر جمع کرنے والے ہو۔ اور خبردار یہاں لوگوں سے اس بات پر مت جھگڑو۔ کہ اس میدان میں کون بازی لے گیا۔ اور کون بازی ہار گیا؟ آخر تم سب نے بروز قیامت خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ وہ تمہارے اس اختلاف کا فیصلہ کرے گا اور تمہیں اس سے آگاہ بھی کرے گا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ...۱۴۹ الآیۃ۔

اس حکم کے دوبارہ دینے کی وجہ طبری وغیرہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ سابقہ حکم تو یہودان خیبر کے بعض اشراف کے زنا اور اس کی سزا سے متعلق تھا۔ اور یہ دوسرا حکم ایک دوسرے واقعہ قتل سے متعلق ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اکابر یہود نے پیغمبر اسلامؐ کو اپنے دین سے منحرف کرنے کے لئے ایک سازش تیار کی اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر گذارش کی کہ ہم یہودیوں کے اکابر ہیں۔ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا۔ تو دوسرے سب یہودی بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ چونکہ ہمارے اور ایک دوسری قوم کے درمیان ایک شخص کے قتل کے سلسلہ میں نزاع ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے حق میں فیصلہ کردیں، تو پھر ہم سب مسلمان ہو جائیں گے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے ہدایت ربانی کے تحت ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اس طرح ان کی یہ سازش ناکام ہوگئی (مجمع البیان ج ۱۳ المنار ج ۶)۔

اور اگر اس کے باوجود یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود عذاب خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں اور پھر خدا چاہے گا کہ ان کے بہت سارے گناہوں میں سے بعض گناہوں کی انہیں سزا

دے۔ پھر خدا اپنے محبوب کوتسلی دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اگر یہ آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے تو اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں زیادہ تر لوگ فاسق اور بدعمل جو ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ وما اکثر الناس ولوحرصت بمومنین۔ آپ جس قدر چاہیں، حرص کریں اور سعی وکوشش کریں۔ مگر اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

افحکم الجاهلیه......۵۰ الآیۃ۔

جاہلی دور کا فیصلہ طلب کرنے کی مذمت

جس دور میں قانون الٰہی اور حکم خداوندی پر عمل درآمد نہ ہوتا ہو، بلکہ انسانی خواہشات کی حکمرانی ہو، اسے جاہلیت والا دور کہا جاتا ہے۔ خداوند عالم استفہام توبیخی کے طور پر فرما رہا ہے کہ کیا اسلام جیسی کامل واکمل شریعت آجانے کے بھی بعد لوگ جاہلیت کے دور والا فیصلہ چاہتے ہیں؟ پھر استفہام انکاری کے انداز میں فرما رہا ہے کہ یقین رکھنے والی قوم کے لئے خدا کے فیصلہ سے بڑھ کر کس کا فیصلہ اچھا ہوسکتا ہے؟ ارباب عقل ودانش کے لئے لمحہء فکر یہ ہے کہ ناقص العقل والعلم۔ بندوں کا بنایا ہوا قانون جس میں امیر وفقیر، قوی وضعیف اور حاکم ومحکوم میں تفریق پائی جاتی ہے۔ اور صریحا ظالمانہ نظام ہے۔ بہتر ہے یا وہ قانون جس کا بنانے والا سب کا خالق ومالک ہے۔ جس میں مساوات ومواسات پائی جاتی ہے اور سراسر عادلانہ نظام ہے۔ وہ بہتر ہے؟ مالکم کیف تحکمون۔ حضرت امام جعفر صادقؑ حضرت امیر علیہ السلام کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ فرمایا! الحکم حکمان حکم الله وحکم الجاهلیة فمن اخطاء حکم الله حکم بحکم الجاهلیة وقال الله عزوجل ومن احسن من الله حکما لقوم یوقنون۔ یعنی حکم دو قسم کے ہیں۔ ایک اللہ کا حکم، دوسرا جاہلیت کا حکم، پس جو خدا کے حکم سے بھٹک جائے۔ اس نے جاہلیت والا حکم اختیار کیا ہے۔ (کافی وصافی)

آیات القرآن

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ
اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ؕ﴿۵۲﴾
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ
اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ
يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپ میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔ بے شک خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا (اے رسول) آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے۔ وہ دوڑ دوڑ کر ان (یہود ونصاری) کی طرف جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہم پر کوئی گردش زمانہ آجائے سو قریب ہے کہ اللہ (تمہیں) فتح سے ہمکنار کردے (کامیابی کی) کوئی اور صورت اپنی طرف سے ظاہر کردے، تو پھر وہ اس پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں قسمیں کھائی تھیں کہ بے شک وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے سب عمل ضائع ہوگئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہوگئے۔ اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے (پھر جائے) تو خدا کو کیا پروا اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو لے آئے گا۔ جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا بڑا جاننے والا ہے۔

تفسیر الآیات

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا...الآیۃ۔ ۵۱

یہ آیت اور اس کا ماحصل بالکل اسی طرح ہے۔ جس طرح سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۲۸ کا ہے۔ جس میں ارشاد قدرت ہے۔ **لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء**۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں الکافرین کا لفظ ہے اور یہاں الیہود والنصاری کا لفظ ہے۔ جو کہ حکم کفار میں ہیں کیونکہ وہ پورے کے پورے دین اسلام اور اس کے اصول وفروع کے منکر ہیں۔ اور وہیں ہم اس بات کی مکمل وضاحت کر چکے ہیں کہ کفار سے قلبی دوستی کرنے کے نقصانات کیا ہیں؟ اور یہ کہ اس دوستی سے مراد کیا ہے؟ اور کس قسم کے تعلقات ان سے رکھنے نا جائز ہیں اور کس قسم کے جائز ہیں؟ اور ہم اپنی تفسیر کے قارئین کرام سے گذارش کریں گے کہ مذکورہ بالا مقام کی طرف رجوع کریں اور اس آیت کا صحیح مطلب سمجھیں۔ الغرض اس ممنوع دوستی سے مراد یہ ہے کہ ان کی جماعت کی ممبری قبول کی جائے اور ان کے فاسد مقاصد اور غلط منصوبوں کی تکمیل میں شرکت کی جائے اور ان کے ساتھ تعاون کیا جائے اور جو ایسا کرے گا وہ اس ارشاد خداوندی۔ **من یولھم منکم فانہ منھم**۔ وہ انہی کی جماعت کا رکن متصور ہوگا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو اولیاء اللہ سے دوستی رکھے گا۔ وہ بھی انہی میں سے شمار ہوگا۔ جیسا کہ جناب ابراہیمؑ کا قول۔ **من تبعنی فانہ منی**۔ ورنہ اگر اپنے دینی قوانین کی پابندی کی جائے اور پھر ان کے ساتھ معاشرتی تعلقات رکھے جائیں اور ان کے ساتھ لین دین رکھا جائے اور جائز مقاصد میں اور انسانی رفاہ عامہ کے کاموں میں باہمی تعاون کیا جائے یا عالمی امن کے قیام یا مشترکہ دفاع کے لئے مل جل کر کام کیا جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور یہ بات شرعاً ممنوع نہیں ہے۔

فَتَرَی الَّذِیْنَ...الآیۃ۔ ۵۲

اس آیت میں خداوند عالم ان منافقوں کی روش کا تذکرہ کر رہا ہے۔ جن کے دلوں میں نفاق والی بیماری ہے کہ باوجود یہود ونصاری سے دوستی کرنے کی ممانعت کے وہ دوڑ دوڑ کر ان کی طرف جاتے ہیں اور ان سے مہر ومحبت کے تعلقات قائم کرتے ہیں اور اگر ان دورخوں سے کہا جائے کہ حکم الٰہی کے تحت ان سے تعلقات قطع کیوں نہیں کرتے تو بیک وقت دو کشتیوں کے یہ سوار جواب میں کہتے ہیں کہ ہمیں گردش زمانہ کا خوف دامنگیر ہے۔ بے شک آج تو اسلام کو غلبہ حاصل ہے۔ مگر ہوسکتا ہے کہ کل کلاں کفار کا پلہ بھاری ہو جائے تو اگر ایسا ہوا تو ہمارا کیا بنے گا؟ اس مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ فریقین سے تعلقات بنا کے رکھے جائیں۔ خداوند عالم ان کی اس

دوغلی رفتار پر سرزنش کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اگر حالات کا پانسا بدل گیا اور دین کو فتح مبین حاصل ہوئی یا مسلمانوں کے غلبہ کا کوئی اور انتظام ہوگیا اور یہودی ساہوکار جلاوطن کردے گئے یا ان منافقوں کا راز فاش ہوگیا تو پھران کا کیا بنے گا؟ اور کف افسوس ملنے اور پشیمان ہونے کے سوان کو کیا حاصل ہوگا؟

لا الی هئولا ۔ ولا الی هئولآء؟

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

وذلك هوالخسران المبين۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآية ۔ ۵۳

جب اہل ایمان مظفر اور منصور ہوں گے اور منافقین ذلیل ورسوا۔ تو اہل ایمان از راہ تعجب کہیں گے کہ آیا یہی وہ لوگ ہیں۔ جو سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے تمام اعمال اکارت گئے۔ اور تمام محنتیں برباد ہوگئیں۔ اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔ ممکن ہے کہ اہل ایمان یہ بات بروز قیامت منافقوں کا انجام بد دیکھ کر اور کفار کے زمرہ میں محشور ہوتے دیکھکر کہیں اور ممکن ہے کہ دنیا میں ان کے نفاق کا پردہ چاک ہونے اور انکا راز فاش ہونے کے بعد ان کی ذلت ورسوائی دیکھ کر از راہ تعجب باہم یہ گفتگو کریں؟ (جملہ تفاسیر شیعہ وسنی)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآية۔

اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے برگشتہ ہوجائے۔ (تو کوئی بات نہیں ہے)۔

بہت جلد اللہ ایک ایسی جماعت کو لائے گا جسے اللہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اللہ کو دوست رکھتی ہوگی۔

ارتداد کیا ہے؟ اور اس کے اقسام کتنے ہیں؟

اس موضوع پر سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۷ کی تفسیر میں گفتگو ہوچکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔ یہاں قابل غور بات صرف یہ ہے کہ وہ کونسی جماعت ہے جس کے یہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں؟ اپنی طرف سے خامہ فرسائی کرنے کی بجائے مناسب یہ ہے کہ یہاں علامہ سید علی نقی کی نگارش سے فائدہ اٹھایا جائے، جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی جامع بھی ہے۔ چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں'' جمہور اہلسنت کا خیال ہے کہ یہ جماعت جس کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے شروع والے خلفاء اور اس دور کے مسلمانوں کی ہے۔ جنہوں نے روم اور فارس کے ممالک فتح کئے۔ مگر کیا کیا جائے کہ جو اوصاف قرآن نے اس جماعت کے ذکر کیے ہیں۔ وہ اس

جماعت کے افراد پر منطبق نظر نہیں آتے۔اس کے برخلاف جمہور علماء شیعہ اس کو امیر المومنین اور ان کے ساتھ کے افراد پر منطبق کرتے ہیں۔جنہوں نے ناکیثن وقاسطین و مارقین سے جہاد کیا بلکہ شیخ طوسی نے تبیان میں کافی بسط اور تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے کہ یہ اوصاف جو آیت میں مذکور ہیں خاص امیر المومنین۔کی ذات پر منطبق ہیں اس کا شاہد یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے روز خیبر یہی وصف **يحب الله ورسوله ويحب الله ورسوله**۔اپنی حدیث میں حضرت علیؑ کے تعارف میں خصوصی طور پر اس انداز میں ارشاد فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ علم لے کر جو پہلے جا چکے ہیں۔وہ اس صفت سے متصف نہ تھے اس کے بعد یہ تصور کہ آیت کے مذکورہ اوصاف کا مصداق ان افراد میں سے کوئی ہے۔کسی طرح صحیح نہیں قرار پا سکتا،ایک دوسری شیعی تفسیر یہ ہے کہ وہ حضرت مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ کے دور سے متعلق ہے۔(تفسیر قمی)

رہ گیا یہ کہ پھر کیوں ارشاد ہوا کہ بہت جلد اللہ ایک جماعت کو لائے گا۔تو یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے پیمانہ میں تو قیامت کا بھی آنا بہت جلد ہے تو پھر اگر ظہور امامؑ کو جو بہرصورت قیامت سے پہلے ہے بہت جلد کہہ دیا جائے تو اس کے انکار کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟''۔(فصل الخطاب)۔

بہرکیف اس آیت مبارکہ میں اس جماعت کی خصوصی طور پر چھ صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔خدا اس سے محبت کرتا ہے۔ ۲۔وہ خدا سے محبت کرتی ہے۔

۳۔اہل ایمان کے لئے نرم و مہربان ہے۔ ۴۔کافروں کے مقابلہ میں سخت چٹان ہے۔

۵۔راہ خدا میں سرفروش مجاہد ہے۔ ۶۔وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے بمقام خیبر حضرت علیؑ کے بارے میں جو حدیث ارشاد فرمائی ہے۔اس کی رو سے اس جماعت کی تمام صفتیں حضرت امیر علیہ السلام میں صاف نظر آتی ہیں۔**لا عطين الراية غدا رجلا يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله كرار اغير فرار لا يرجع حتى يفتح الله على يديه**۔(استیعاب ج ۲ ص ۴۷۳،مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۶۲ معارج النبوۃ ج ۴)

اس کے بعد اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے کہ اس جماعت سے حضرت علیؑ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں۔یہی وہ بزرگوار ہیں جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ

ہو حلقہ ء احباب تو بریشم کی طرح نرم
ہو رزم حق و باطل تو فولاد ہے مومن

یا پھر ان کے متعلق بڑی شرح صدر کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

آیات القرآن

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ رٰكِعُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا
الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَكُمۡ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ
قَبۡلِكُمۡ وَالۡكُفَّارَ اَوۡلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا
نَادَيۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوۡهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا
يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۸﴾ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاَنَّ اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ قُلۡ
هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكَ مَثُوۡبَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ
عَلَيۡهِ وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ اُولٰٓئِكَ
شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا
وَقَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَهُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا
يَكۡتُمُوۡنَ ﴿۶۱﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! تمہارا حاکم وسرپرست صرف اللہ ہے۔اس کا رسول ہے اور وہ صاحبان ایمان ہیں۔ جونماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ اور جو تَوَلّا (محبت) رکھے، اللہ سے،اس کے رسول اور صاحبان ایمان سے (وہ اللہ کا گروہ ہے) اور بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔اے ایمان والو! وہ لوگ جنہیں تم سے پہلے کتاب تورایت وانجیل دی گئی اور انہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے۔ان کو اور دوسرے عام کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو اور جب تم (اذان دے کر لوگوں کو) نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ اسے مذاق اور کھیل بناتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ بے وقوف ہیں، عقل سے کام نہیں لیتے (اے رسولؐ) کہیے! اے اہل کتاب تم ہم پر کیا عیب لگاتے ہو؟ یہی کہ ہم اللہ پر، جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے۔اس پر اور جو اس سے پہلے اتارا گیا، اس پر ایمان لائے ہیں (حقیقت یہ ہے کہ)تم میں سے زیادہ تر فاسق (نافرمان) ہیں کہیے! کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اللہ کے نزدیک انجام کے اعتبار سے زیادہ برا کون ہے؟ وہ ہے جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر وہ غضبناک ہے۔اور جن میں سے اس نے بعض کو بندر اور بعض کو سور بنایا ہے اور جس نے شیطان (معبود باطل) کی عبادت کی ہو یہی وہ لوگ ہیں جو کہ درجہ کے لحاظ سے بدترین ہیں اور راہ راست سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ جب آپ لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ یہاں داخل ہوئے تو بھی کفر کے ساتھ اور یہاں سے نکلے تو بھی کفر کے ساتھ اور وہ لوگ جو (نفاق) چھپائے ہوئے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

تفسیر الآیات

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللہ...الآیۃ۔ ۵۵

آیت ولایت کی تفسیر۔

یہ وہی آیت ہے جو آیت ولایت کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ جو حضرت امیر علیہ السلام کی شان

میں نازل ہوئی ہے اوران کی خلافت الٰہیہ اورامامت حقہ پر بطورنص صریح دلالت کرتی ہے۔

اس آیت کی شان نزول۔

برادران اہلسنت کے امام المفسرین اپنی تفسیر ثعلبی میں باسنا دخود جناب ابو ذر غفاریؓ سے روایت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن حضرت رسولؐ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی اور اتنے تک ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا۔اور جب اسے کسی نے کچھ نہ دیا تو اس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہا یااللہ! گواہ رہنا۔میں نے تیرے نبی رحمتؐ کی مسجد میں سوال کیا۔مگر کسی نے کچھ نہیں دیا اس وقت حضرت علی۔حالت رکوع میں تھے آپ۔نے اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کیا سائل آیا اور انگوٹھی اتارلی۔حضرت رسول خداؐ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کی پھر کہا یااللہ! میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام نے تیری بارگاہ میں دعا کی تھی ''پروردگار! میرا سینہ کھول دے،میرا معاملہ آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے ہی اہل بیت میں سے میرے بھائی ہاروں کو میرا خلیفہ وجانشین بنا............'' اور تو نے ان کی دعا قبول کر کے ہارون کو ان کا جانشین بنایا تھا۔میں تیرا نبی وصفی محمدؐ ہوں میں بھی تیری بارگاہ میں عرض کرتا ہوں کہ ''میرا سینہ کھول دے اور میرا معاملہ آسان کر دے اور میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر ووصی بنا اور ان کے ذریعہ سے مجھے تقویت پہنچا''

ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ ابھی آنحضرتؐ کی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه...الآية۔

ان کتابوں کے نام جن میں اس آیت کا بحق علیؑ نازل ہونا مذکور ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس آیت کا حضرت امیرؑ کی شان میں نازل ہونا صرف تفسیر ثعلبی میں ہی مذکور ہے نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بیسیوں کتابوں میں مذکور ہے۔بطور نمونہ مشتے از خروارے ذیل میں انمیں سے بعض کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔تفسیر طبری۔۲۔تفسیر کبیر۔۳۔تفسیر خازن۔۴۔تفسیر نیشاپوری۔۵۔تفسیر ابن کثیر۔۶۔تفسیر درمنثور سوطی۔۷۔تفسیر ابوالبرکات۔۸۔تفسیر روح المعانی۔۹۔اسباب النزول واحدی۔۱۰۔فصول مہمہ ابن صباغ مالکی۔۱۱۔مناقب خوارزمی۔۱۲۔تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی۔۱۳۔کفایت الطالب۔۱۴۔الریاض النضرہ

طبری۔ ۱۵۔ دخائر العقبیٰ۔ ۱۶۔ کنز والعمال۔ ۱۷۔ نورالابصار۔ ۱۸۔ صواعق محرقہ۔ ۱۹۔ ینابیع المودہ۔ ۲۰۔ ارجح المطالب وغیرہ۔ فاضل نیشاپوری نے اپنی تفسیر غرائب القرآن میں اس آیت کے حضرت امیر السلام۔ کے حق میں نازل ہونے کو اکثر مفسرین کا اتفاق قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں "والایة نازلة فی علی۔ باتفاق اکثر المفسرین لا مفسرین"۔

تقریب استدلال

اس آیت سے حضرت امیرؑ کی خلافت پر استدلال دو (۲) ضروری مقدموں پر مبنی ہے۔

۱۔ پہلا یہ کہ کلمہ "انما" باتفاق علماء نحو کلمہ حصر ہے۔ جب کسی چیز کو کسی چیز میں منحصر کرنا ہو تو وہاں یہ کلمہ استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۔ لفظِ ولی چند معنوں میں مشترک ہے۔ جیسے اولی بالتصرف (حاکم) محب، ناصر، ابن العم وغیرہ۔ لہٰذا ہر جگہ موقع ومحل کی مناسبت دیکھ کر اس کے معنی متعین کئے جاتے ہیں۔ ان دو مقدموں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں اس آیت میں ولی کا لفظ اولیٰ بالتصرف یعنی حاکم وسرپرست کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ یہی وہ معنی ہیں، جن کی ان تین ذوات مقدسہ میں حصر کی جارہی ہے۔ ورنہ محب اور ناصر تو اور بھی بہت موجود تھے اور ہیں ارشاد قدرت ہے۔ **والمئومنون بعضھم اولیاء بعض مئومنین**۔ بعض کے بعض دوست اور مددگار ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس ولایت کی ان تین ہستیوں میں حصر کی جارہی ہے۔ وہ ایک ہی قسم کی ہے۔ جو خدا، مصطفیؐ اور مرتضیٰؑ کو حاصل ہے۔ آیت مبارکہ۔ **النبی اولی بالمومنین من انفسھم**۔ نے واضح کر دیا کہ آنحضرتؐ کی ولایت بمعنی اولیٰ بالتصرف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خدا بھی انہی معنوں میں ولی ہے۔ تو اس سے حضرت امیر۔ کی ولایت کا مفہوم بھی متعین ہو جاتا ہے کہ وہ اولی بالتصرف کے معنوں میں ہی ہے۔ مذکورہ بالا بیان کے علاوہ اس بات کا سب سے بڑا قرینہ اور شاہد یہ ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنی دعا واستدعا میں جناب موسیٰ کی دعا برائے وزارت ہارون کا حوالہ دیا ہے۔ جسے خدا نے قبول فرمایا تھا۔ اور پھر اس دعا واستدعا کے نتیجہ میں خدائے علیم وحکیم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ اس سے حضرت علیؑ کی ولایت مطلقہ، وحاکمیت اعلیٰ اور خلافت الٰہیہ اور بالفاظ دیگر آپ کی بلافصل خلافتِ نبویہ کا اعلان کیا جارہا ہے۔

ایضاح

چونکہ حضرت علیؑ نے مسجد میں رکوع کی حالت میں سائل کو انگوٹھی عطا فرمائی تھی۔ اس لئے خداوند عالم نے ''یوتون الزکوۃ'' کے جملہ فعلیہ کے بعد واؤ کے ساتھ جو جملہ اسمیہ لایا ہے۔ اس میں حرف واؤ حالیہ ہے۔ جس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ وہ اس حالت میں زکوۃ دیتے ہیں کہ جب رکوع میں ہوتے ہیں۔ اور اگر واؤ کو عاطفہ قرار دیا جائے، تو پھر ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ وہ نماز ادا کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرتے ہیں۔ اس طرح جب ''یقیمون الصلوۃ'' میں رکوع آجاتا ہے۔ تو پھر اس جملہ ''وھم راکعون'' کی کیا افادیت باقی رہ جاتی ہے؟

اس آیت اور اس سے استدلال پر چند ایرادات اور ان کے مکمل جوابات

صاحب ضیاء القرآن نے مذکورہ بالا تفسیر پر چند بورے ایرادات کئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمالاً ان کا تذکرہ کر کے ان کے مختصر مگر جامع جوابات پیش کر دیئے جائیں۔ تاکہ حقیقت کا مطلع بالکل بے غبار ہو جائے۔

۱۔ یہاں ولی کا معنی متصرف فی الامور نہیں، بلکہ ناصر و مددگار ہے۔ چنانچہ اوپر آیت نمبر ۵۱ میں یہی لفظ مذکور ہے۔ یاایھاالذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء۔ وہاں ان لوگوں کو مددگار اور دوست بنانے کی نفی کی گئی ہے۔ تو جس کی وہاں نفی کی گئی ہے یہاں اس کا اثبات ہو رہا ہے کہ اللہ، رسول اور مومن تمہارے دوست ہیں۔ اس ایراد کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں خدائے تعالیٰ نے کفار و مشرکین سے دوستی کرنے اور ان کو ناصر و مددگار بنانے کی پہلے پہل ممانعت کی ہے وہاں یہ بھی بتا دیا ہے کہ کن سے دوستی کرنی چاہیے اور کن کو ناصر و مددگار بنانا چاہیے۔ اور وہ سورہ ال عمران کی آیت نمبر ۲۸ ہے۔ لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین۔ وہاں جس چیز کی کفار سے نفی کی گئی تھی اسی چیز کا اہل ایمان کے لیے اثبات کر دیا گیا۔ کفار و مشرکین کو دوست نہ بناؤ بلکہ اہل ایمان سے دوستی کرو اور انہی کو اپنا یار و مددگار بناؤ۔ لہٰذا بنابریں جب اس سے پہلے سورہ آل عمران میں کفار و مشرکین کو یار و مددگار بنانے کی ممانعت کر دی گئی اور اہل ایمان سے دوسری کرنے اور ان کو ناصر و مددگار بنانے کا حکم دیا جا چکا ہے تو اب اگر یہاں سورہ مائدہ میں وہی معنی مراد لئے جائیں تو یہ تاکید ہوئی اور اگر اس کے معنی اولی بالتصرف مراد لئے جائیں اور اس آیت کر جناب امیرؑ کی خلافت کی دلیل قرار دیا جائے تو یہ تاکید ہوئی لہٰذا بموجب التاسیس اولی من التاکید۔ کہ تاکید و تکرار

سے نئے حکم کی بنیاد رکھنا اولیٰ ہوتی ہے۔ بنابریں یہاں اس آیت میں ولی کے معنی اولی بالتصرف اور حاکم کے لئے جائیں گے۔ یعنی خداوند عالم اس آیت میں اعلان کر رہا ہے۔ کہ تمہارے حاکم اعلیٰ تین ہیں خدا، رسول اور وہ حیدر کرار جو نماز ادا کرتے ہیں، اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے اور خیرات کرتے ہیں۔ اور پھر ان کی اولاد میں سے گیارہ امامؑ اور انہی تین ہستیوں کی بوجہ شرعی حاکم ہونے کے اطاعت اہل ایمان پر فرض ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم۔

۲۔ دوسرا ایراد

انما کلمہ حصر ہے۔ اور اگر ولی سے مراد ولایت عامہ مراد ہے۔ تو پھر یہ ولایت صرف تین ہستیوں میں منحصر ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اس کا رسول اور جن میں وہم راکعون کی صفت پائی جائے گی اس طرح دوسرے گیارہ آئمہ اہلبیتؑ خارج ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی حالت رکوع میں زکوٰۃ نہیں دی۔ اس ایراد جواب کا واضح ہے کہ یہ حصر صرف ان ہستیوں میں کی جارہی ہے۔ جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھیں۔ لہٰذا اگر دوسرے دلائل و براہین کی روشنی میں کچھ اور ہستیاں بھی خلیفۂ رسولؐ ہونے کے عنوان سے اس اولیٰ بالتصرف اور حاکمیت میں حضرت علیؑ کے ساتھ شریک ہو جائیں، تو یہ آیت اس کی نفی نہیں کرتی۔ صحاح ستہ اور دوسری کتابیں چھلک رہی ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے بارہ خلیفہ اور جانشیں ہوں گئے۔ (صحاح ستہ)۔

بنی ہاشم سے ہوں گے۔ (ینابیع المودۃ وعمدۃ ابن بطریق وغیرہ)۔

پھر نام لے کر بتایا کہ علیؑ سے لے کر مہدیؑ تک ہوں گے۔ (اثبات الوصیۃ مسعودی واثبات الھداۃ وغیرہ وغیرہ)۔

۳۔ تیسرا ایرا

اگر یہ آیت حضرت علیؑ کی امامت بلافصل کی دلیل ہوتی تو آنحضرتؐ ضرور اسے پیش فرماتے ہیں۔ اس کا جواب روز روشن سے بھی زیادہ روشن ہے کہ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بمقام خم غدیر ایک لاکھ سے زیادہ اہل اسلام کے مجمع عام میں حضرت علیؑ کا بازو تھا کہ آپ کی امامت خلافت بلافصل اور امامت کا اعلان کر دیا تھا، جیسا کہ ابھی ذیل میں آیت نمبر ۶۷ کی تفسیر میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

۴۔ چوتھا ایرا

نماز میں سائل کی طرف توجہ کرنا پھر ایک ہاتھ کی انگلی سے دوسرے ہاتھ کی انگوٹھی نماز میں اتارنا اور پھر ہاتھ بڑھا کر سائل کو دینا یہ عمل کثیر اور توجہ الی الغیر حضرت علیؑ کی شان سے بہت بعید ہے''۔ ایسے بودے استبعاد کی بنا پر ایک حقیقت کا انکار کرنا دینی پیشوائی کے دعویدار کسی پیر صاحب کو زیب نہیں دیتا۔ جبکہ جناب ابوذرؓ والی پیش کردہ روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت علیؑ نے صرف انگلی سے اشارہ کیا تھا اور رمز شناس سائل نے آ کر انگوٹھی اتار لی۔ یا بقول غزالی جناب کا اشارہ کرنا تھا کہ انگوٹھی اُڑ کر سائل کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی (سرالعالمین غزالی)

اس طرح عمل کثیر کس طرح لازم آیا، بلکہ یہ فعل قلیل ہے۔ جس سے بالاتفاق نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور رسائل کی حاجت برآری کرنا بھی خدا کی عبادت ہے تو عبادت میں عبادت سے توجہ الی الغیر کس طرح لازم آئی؟ یہاں یہ بات بھی مدنظر رہے کہ جب سائل کے سوال پر اسے کسی نے کچھ نہیں دیا تو اس نے بارگاہ خداوندی میں شکایت کی کہ یااللہ! گواہ رہنا کہ میں نے تیرے نبی کی مسجد میں سوال کیا۔ مگر کسی نے مجھے کچھ نہیں دیا، ادھر سائل کی شکایت اللہ کے حضور میں پہنچی، ادھر حضرت علیؑ اپنے حضور قلب کی وجہ سے پہلے وہاں حاضر تھے۔ لہٰذا سائل کی شکایت سنی اور پھر فوراً اس کا ازالہ کر دیا۔ اس طرح توجہ الی الغیر کس طرح لازم آئی؟ یا سعد الابل۔

۵۔ پانچواں ایرا

انگوٹھی سونے کی تو تھی نہیں کہ سونا مردوں پر حرام ہے۔ لہٰذا چاندی کی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ ایک تولہ کی ہوگی جس کی قیمت اس وقت ایک روپے سے بھی کم تھی۔ اس کے دینے سے اگر خلافت کا حق ثابت ہوسکتا ہے۔ تو جنہوں نے ہزاروں اشرفیاں بارگاہ رسالت میں پیش کیں۔ ان کی خلافت کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ اس بودے ایراد کا پہلا تسلی بخش جواب تو یہ ہے کہ وہ انگوٹھی صرف ایک تولہ چاندی کی نہیں تھی۔ جس کی قیمت بقول پیرازھری صاحب کے ایک روپیہ سے بھی کم تھی۔ بلکہ بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اس انگوٹھی کا نگینہ اتنا قیمتی تھا کہ پورے ملک یمن کے خراج سے اس کی قیمت زیادہ تھی۔ (ینابیع المودۃ، ارجح المطالب)

اور اگر بالفرض اس کی قیمت ایک روپیہ سے بھی کم تھی۔ مگر اس کے صدقہ کرنے والے کی امامت کا اعلان کر دیا گیا۔ اور بقول پیر صاحب ہزاروں اشرفیاں پیش کرنے والوں کو اس سے محروم رکھا گیا۔ تو اس میں

ہمارا کیا قصور ہے۔ یہ تو خدائی کام ہے؟ اس میں کسی کو بے جا دخل دینے کا کیا حق ہے؟ ظاہر ہے کہ خداوند عالم کسی چیز کی قلت و کثرت پر نگاہ نہیں کرتا بلکہ عابد و عامل کے خلوص نیت اور اخلاص عمل پر نگاہ کرتا ہے اس کے علاوہ یہ انگوٹھی خلافت کی قیمت تھوڑی ہی تھی یہ تو ویسے حضرت علیؑ کی خلافت کے اعلان کا ایک انداز تھا اور یہ بات بھی واضح ہے۔ کہ انما یتقبل اللہ من المتقین۔ یعنی اللہ صرف متقیوں کا عمل قبول کرتا ہے اور حضرت علیؑ صرف متقی ہی نہیں۔ بلکہ امام المتقین ہیں۔ والحمدللہ رب العالمین۔

وَمَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ... الآية۔ ۵۶

''سابق کی آیت کا جن کی ولایت میں اعلان ہوا تھا انہی کے ساتھ تولی کی دعوت دی جا رہی ہے۔ وہاں مولاتین کو قرار دیا گیا تھا اللہ اور رسول اور وہ ایمان والے جنہوں نے حالت رکوع میں زکوۃ دی ہے۔ تو یہ تولا کی دعوت انہی کے لئے ہے اور ان سے تولا رکھنے والے ہی اللہ کا لشکر ہیں۔ جو بالآخر دنیا پر غالب آ کر رہیں گے کب؟ اسی وقت کہ جب لیظھرہ علی الدین کلہ۔ اور لیستخلفنھم فی الارض کے وعدے پورے ہوں گے'' (فصل الخطاب)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُو... الآية۔ ۵۶

اس آیت شریفہ میں خداوند عالم ایک بار پھر اہل ایمان کو اپنے دشمنوں سے دوستی کرنے اور ان سے محبت کی پینگیں لڑانے کی ممانعت کر رہا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے کہ یہ لوگ دین اسلام اور اس کے شعائر و مقدسات جیسے نماز و روزہ وغیرہ کا تمسخر اڑاتے ہیں اور مذاق کرتے ہیں۔ جو ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ پہلے آیت نمبر ۵۱ میں صرف یہود و نصاری سے دوستی کرنے سے روکا گیا تھا اور یہاں اہل کتاب پر کفار کا عطف کر کے (جو عطف العام علی الخاص کی قسم سے ہے)۔ ان سے بھی دوستی کرنے سے منع فرما رہا ہے ہم نے کفار کے تذکرہ کو عطف العام علی الخاص اس لئے قرار دیا ہے کہ کفر عام ہے۔ کیونکہ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد ہر وہ فرد یا جماعت ہے۔ جو دین اسلام کا انکار کرے۔ وہ خواہ ہنود ہوں یا یہود، نصرانی ہوں یا مجوس یا ملحد و زندیق یعنی کمیونسٹ بنابریں ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ بھی کفار کی ایک خاص قسم ہیں۔ اگرچہ ان کا کفر اور انکار اسلام کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ تاہم خواب غفلت میں بعض سوئے ہوئے اہل علم کو جگانے کے لیے یہاں چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ شاید وہ بعض متشابہ آیات اور ضعیف روایات کی بنا پر ان کو پاک سمجھنے والے غلط نظریہ سے باز آ جائیں۔ ارشاد قدرت ہے۔ لم یکن الذین کفرو امن اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینتہ۔ اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں (اسلام قبول نہیں کیا) اور جو مشرک ہیں

وہ علیحدہ ہونے والے نہیں تھے۔ جب تک ان کے پاس کوئی دلیل نہ آجاتی۔ ''جو رسول من اللہ'' (اللہ کے رسول ہیں) اب اس کے آنے سے کتابی اور غیر کتابی دونوں کافر علیحدہ ہوگئے اور مسلمان علیحدہ (تفسیر بتیان، مجمع البیان اور فصل الخطاب)۔ اور یہ بات قرآن کے خصوصی نصوص صریحہ وصحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ کافر اور مشرک نجس العین ہیں۔ انما المشرکون نجس۔

اس آیت کی شان نزول۔

اس آیت کی شان نزول بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے جو کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ بعض مشرکین جیسے رفاعہ بن زید اور سوید بن الحرث نے پہلے اظہار اسلام کیا اور پھر منافقوں کے ہمنوا بن گئے۔ مگر بعص مسلمان ان سے دوستی کرتے تھے۔ اس لیے خدائے حکیم نے اس دوستی کے ضرر وزیاں سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان، وتفسیر کبیر رازی) اور واضح کیا ہے کہ اگر تم اہل ایمان ہو تو خدا کے دشمنوں سے دوستی کرنے سے پرہیز کرو۔

وَاِذَا نَادَيۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ...الآیۃ۔ ۵۸

مشرکوں کا تمسخر کرنا اس آیت سے ثابت ہے۔ انا کفیناك المستهزئين الذين يجعلون مع الله الها آخر۔ ہم نے آپ کی ان مذاق کرنے والوں سے کفایت کی، جو خدائے واحد کے ساتھ اور خدا مانتے ہیں۔ اور منافقوں کا تمسخر کرنا، اس آیت سے ثابت ہے۔ واذا خلوا الى شياطينهم قالوا انا معكم انما نحن مستهزؤن۔ جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ تو صرف ہم مذاق کرتے ہیں اور یہود ونصاریٰ کا استہزاء قرآن کی انہی آیات اور تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ وہ اذان وغیرہ اسلامی شعائر کا تمسخر اڑاتے تھے اور اسے ناقابل برداشت شور وغل قرار دیتے تھے۔ نصرانی ناقوس بجا کر اور یہودی بوق پھونک کر بے ہنگم آوازوں سے اپنے پیروکاروں کو عبادت کی طرف بلاتے تھے۔ ان کے بالمقابل بانی اسلام نے خدائی وحی اور اس کی راہنمائی سے موذن کے دلآویز اور پرکشش جملوں سے مسلمانوں کو نماز کی طرف دعوت دینے کا آغاز کیا۔ مگر ان لوگوں کے مذہبی تعصب و عناد کا یہ عالم تھا کہ ناقوس وبوق کی بے ہنگم چیخ وپکار تو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ مگر موذن کی آواز اور جاذب جملوں کا تمسخر اڑاتے تھے۔ بعض کتابوں میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی رہتا تھا۔ وہ جب اذان میں ''اشهد محمداً رسول الله'' کی آواز سنتا تھا۔ تو کہتا تھا احرق الله الكاذب۔ (خدا جھوٹے کو جلائے) العیاذ باللہ)۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک رات وہ اپنے کنبہ کے ساتھ گھر میں سویا ہوا تھا کہ

اچانک اس کے گھر کو آگ لگ گئی۔جس سے وہ اپنے کنبہ سمیت جل کر راکھ ہوگیا۔(تفسیر قرطبی)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ... الآیة۔۵۸

ان لوگوں کی اس سب غلط کاروائی کی وجہ یہ ہے کہ یہ بےعقل ہیں۔یعنی عقل سے کام نہیں لیتے۔جبکہ اپنے دنیاوی کاموں میں بڑے ہوشیار ہیں۔مگر دینی کاموں میں بےوقوف اور بےعقل ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل سے جس قسم کا کام لیا جائے وہ اس سے انکار نہیں کرتی۔اب یہ تو کام لینے والے پر منحصر ہے کہ وہ اس سے کس قسم کا کام لیتا ہے؟

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ... الآیة۔۵۹

خدائے حکیم اپنے نبی کریم کو حکم دے رہا ہے کہ ان یہود سے پوچھو کہ تمہیں ہماری کیا بات ناپسند ہے؟ اور کس بات پر ہم سے ناراض ہو؟ جبکہ ہم میں کوئی بھی علمی و عملی اور اخلاقی برائی نہیں ہے؟ کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں ہے۔کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل ہوا (قرآن) اس پر اور جو کچھ پہلے (انبیاء) پر نازل ہوا تھا اس پر ایمان لائے ہیں؟ اور اگر یہی وجہ عناد ہے،تو پھر تم ہی بتاؤ کہ قصور کس کا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق یعنی کافر ہیں۔اگرچہ سب اہل کتاب فاسق یعنی خارج از اسلام اور کافر تھے۔لیکن اگر سب کو ایسا کہا جاتا تو اس سے زیادہ تلخی پیدا ہوتی۔لہٰذا رواداری کے تحت ایسا کہا گیا۔تاکہ تلخی کم ہو اور ہر شخص یہی سمجھے کہ وہ اس اکثریت سے خارج ہے اور ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ بھی سوچے کہ کہیں وہ بھی اسی اکثریت میں داخل تو نہیں ہے؟

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ... الآیة۔

اس آیت کی شان نزول

یوں منقول ہے کہ چند یہودی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے پوچھا کہ آپ کن انبیاء کو مانتے ہیں؟ آپ نے اس سوال کے جواب میں یہ آیت پڑھی،نئومن باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسماعیل و اسحاق۔ تاقولہ تعالیٰ۔ ونحن لہ مسلمون۔جب آپؐ نے ان انبیاء میں جناب عیسیٰؑ کا نام لیا تو وہ بگڑ کر بولے۔واللہ لا نعلم دیناً۔ شراً۔ من دینکم۔بخدا ہم تمہارے دین سے بڑھ کر کوئی برا دین نہیں جانتے تب خداوند عالم نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔(مجمع البیان۔روح المعانی) ارشاد ہوتا ہے کہ ان سے کہو کیا میں تمہیں بتاؤں کہ جزاوسزا یعنی انجام کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک بدتر کون ہے؟ سب سے بدتر لوگ وہ ہیں۔

۱۔ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

۲۔ جن پر وہ غضبناک ہے۔

۳۔ جن کو مسخ کر کے بعض کو بندر بعض کو خنزیر بنایا۔

۴۔ وہ جنہوں نے شیطان (معبود باطل) کی عبادت کی یہ ہیں۔ وہ لوگ جو درجہ اور مقام کے لحاظ سے بدتر ہیں اور سیدھے راستہ سے زیادہ ہٹے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام بری صفتیں سب سے زیادہ انہی یہودیوں میں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ لعنتی ہیں تو یہی۔ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ (نساء آیت۔۴۷) ۲۔ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہیں تو یہی۔

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ۔ (بقرہ آیت۔۹۰) ۳۔ بندروں کی شکل میں مسخ ہوئے ہیں تو یہی۔ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ۔ (بقرہ آیت۔۶۵)۔

۴۔ شیطان پر ایمان لانے والے اور اس کی پرستش کرنے والے ہیں تو یہی۔ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ۔ (نساء۔۵۱)۔ گویا خدائے حکیم اس انداز میں اپنے پیغمبرؑ سے کہلوا رہا ہے کہ اگر یہ باتیں بری ہیں۔ تو پھر بدترین خلائق تم ہو نہ کوئی اور مگر خدا نے حکیمانہ انداز گفتگو اختیار کیا ہے اور دنیا کے مبلغین کو بتایا ہے کہ پیغمبرانہ تبلیغ کا انداز یہ ہے کہ اس طرح حکیمانہ طریقہ پر گفتگو کی جائے کہ جس سے مخالفت میں اشتعال پیدا نہ ہو۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ....الآیۃ۔

اس میں منافقین کی حالت کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ وہ جب بزم رسالت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ جب بزم میں داخل ہوتے تو کفر کے ساتھ اور جب بزم سے نکلتے تو بھی کفر کے ساتھ جیسے آئے ویسے گئے۔ ان پر صحبت رسول کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ''صحابیت کو اکسیر سمجھنے والے اس تصریح قرآنی کو غور سے ملاحظہ فرمائیں''۔ (فصل الخطاب)۔

آیات القرآن

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ
وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا
بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا
لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ
تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا
يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمۃ الآیات

تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ وہ گناہ، ظلم وتعدی کرنے اور حرام خوری میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں، کتنا برا ہے، وہ کام جو یہ کرتے ہیں (٦٢) خدا والے فضلاء اور علماء ان کو گناہ کی بات کرنے (جھوٹ بولنے) اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ کتنا برا ہے وہ کام جو یہ (علماء) کر رہے ہیں (٦٣) یہودی کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (کچھ نہیں کر سکتا) ان کے ہاتھ بندھیں اور اس (بے ادبانہ) قول کی وجہ سے ان پر لعنت ہو۔ بلکہ اس کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کرتا ہے اور ہم

نے ان کے درمیان قیامت تک دشمنی اور بغض وکینہ ڈال دیا ہے۔ وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور یہ زمین میں فساد برپا کرنے کی سعی وکوشش کرتے ہیں اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (۶۴) اور اگر اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو ہم ان کی برائیاں دور کردیتے اور انہیں نعمت وراحت والے بہشتوں میں داخل کرتے (۶۵) اور اگر وہ (اہل کتاب) تورات، انجیل اور جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کی طرف نازل کیا گیا تھا کو قائم رکھتے، تو وہ اپنے اوپر اور نیچے سے کھاتے پیتے۔ ان میں سے ایک گروہ تو میانہ رو ہے۔ مگر ان میں سے زیادہ لوگ ایسے ہیں جو بہت برا کر رہے ہیں (۶۶)۔

تفسیر الآیات

وَ تَرٰى كَثِیْرًا ...... ۶۲ الآیۃ۔

اثم وعدوان کا باہمی فرق؟

''اثم'' مطلق گناہ اور عدوان ظلم کو کہا جاتا ہے، بالفاظ دیگر جس گناہ کا اثر گنہگار کی اپنی ذات تک محدود رہے۔ اسے ''اثم'' کہا جاتا ہے اور جس کا اثر اور ضرر زیاں دوسرے لوگوں تک پہنچ جائے۔ اسے عدوان کہا جاتا ہے۔ الغرض کہا جاسکتا ہے کہ ''حق اللہ'' کی عدم ادائیگی کا نام اثم اور حق الناس کی پامالی کا نام عدوان ہے۔ اس آیت میں خداوند عالم ان لوگوں کے جمہور عوام کا تذکرہ کر رہا ہے کہ وہ ہر قسم کا گناہ وظلم کرنے اور حرام خوری، میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں۔ ان حالات میں کثرت کو کس طرح دلیل صداقت سمجھا جاسکتا ہے؟

جس میں ع۔

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

لَوْ لَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ...الآیۃ۔ ۶۳

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید واہمیت۔

مجمع البیان اور تفسیر بیضاوی میں ہے کہ حرف لولا۔ اگر ماضی پر داخل ہو تو وہ زجر وتوبیخ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے۔ لولا جائوا علیه بأدبعة شهداء کہ وہ تہمت زنا لگانے والے چار گواہ کیوں نہ

لائے؟ اس میں کیوں کوتاہی کی؟ اور اگر مضارع پر داخل ہو تو پھر کسی کام پر برانگیختہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ یہاں فعل مضارع پر داخل ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے خدا پرست مشائخ اور علماء ان کو گناہ کی بات کہنے، جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے ہیں۔ یہ بات صرف یہود و نصاریٰ کے علماء تک محدود نہیں ہے۔ جبکہ اس آیت مبارکہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی کے وجوب ولزوم پر اور اس اہم اسلامی فریضہ کے ترک کرنے کی مذمت پر جو تیز روشنی پڑتی ہے وہ عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔ بموجب ارشاد نبوی۔ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعینه۔ سب لوگوں پر عموماً اور علماء کرام پر خصوصاً یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ذات کی اصلاح کرنے کے بعد معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھائیں اور اصلاح احوال پر کمر بستہ ہو جائیں۔ تو یقیناً معاشرہ سدھر سکتا ہے اور اگر دنیا سے گناہ وعصیان کا بالکل خاتمہ نہیں تو اس میں معتدبہ کمی تو ضرور واقع ہو سکتی ہے۔ مگر خدا برا کرے سہل انگیزی تن آسانی، مصلحت بینی اور مادہ پرستی کا جو انبیاء کی وراثت کے دعویداروں کو ان کا فرض منصبی ادا نہیں کرنے دیتی۔ لئیس ما کنوا یصنعون؟

سابقہ قومیں عوام کے گناہ کرنے اور خواص کے امر و نہی نہ کرنے کی وجہ سے ھلاک ہوئی ہیں

حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ایک طویل خطبے کے ضمن میں فرمایا۔ اما بعد انما هلك من كان قبلكم حيث عملوا من المعاصى ولم ينههم الربانيون والا حبار عن ذلك۔ پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان کے عوام گناہ کرتے تھے اور ان کے علماء ان کو اس سے روکتے نہیں تھے۔ اس لئے سب پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور وہ نیست و نابود ہو گئے (نور الثقلین، بحوالہ کافی) یہی مضمون نہج البلاغہ کے خطبۂ قاصعہ میں الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ مذکور ہے۔ فرماتے ہیں، فان الله سبحانه لم يلعن القرن الماضى بين ايديكم الا لتركهم الامر بالمعروف والنهى عن المنكر فلعن السفهاء لركوب المعاصى والحكماء لترك التنهى۔ وفقنا الله لاداء هذه الفريجه۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللهِ... الآية۔

یہودیوں کے اس عقیدہ کی تشریح کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

لغت عرب میں لفظ ید کے کئی معنی ہیں۔

۱۔ ہاتھ۔ ۲۔ نعمت۔ ۳۔ قدرت۔ ۴۔ ملکیت۔ ۵۔تسلط

ہاں البتہ! جب یہ لفظ کسی قرینہ کے بغیر بولا جائے۔تو اس سے مراد ہاتھ ہوتا ہے۔لہٰذا اسے اس کا حقیقی معنی سمجھا جائے گا۔پھر قبض الیدا اور غل الید سے بطور استعارہ و کنایہ بخل اور بے اختیار ہونا مراد لیا جاتا ہے۔جس طرح بسط الید بطور سے کنایہ سخاوت اور با اختیار ہونا مراد لیا جاتا ہے۔اللہ جب جسم و جسمانیات سے منزا و مبرہ ہے تو اس کے ہاتھ بندھنے اور کھلنے سے یہاں کیا مراد ہے؟ اہلسنت کی قریباً تمام تفاسیر اور ہماری بھی اکثر تفاسیر مالیات کے ارد گرد گھومتی ہیں کہ یہود کے اس گستاخانہ کلام کا مفہوم بطور کنایہ یہ تھا کہ اللہ معاذ اللہ بخیل ہے۔تنگدست ہے۔ اور یہ بات انہوں نے آیت۔ اقرضو اللہ قرضا حسنا (اللہ کو قرض حسنہ دو) پڑھ کر یا مسلمانوں کی مالی کمزوری اور تنگدستی دیکھ کر یا پہلے کی نسبت اپنی مالی بدحالی دیکھ کر کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔یعنی تنگدست یا بخیل ہے کہ کسی کو کچھ دے نہیں سکتا اور خدا نے ان کے جواب میں بددعا کرتے ہوئے فرمایا! ان کے ہاتھ بندھیں اور ان پر لعنت ہو پھر بطور کنایہ فرمایا اس کے ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں۔جس طرح چاہتا ہے۔خرچ کرتا ہے۔یعنی وہ نہ بخیل ہے اور نہ تنگدست جس طرح چاہتا اور جسے جس قدر چاہتا ہے۔ عطاء کرتا ہے۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت کی وہ تفسیر زیادہ مستند و معتبر ہے۔جو ہماری بعض قدیم تفسیروں میں ائمہ اہلبیتؑ سے مروی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ یہود کے اس قول اور خدائے تعالٰی کے اس جواب کا تعلق مالیات سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اس کے نظام قضا و قدر کے ساتھ تعلق ہے۔ یہود کے اس قول کہ ''خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں'' اس کا مطلب یہ تھا کہ خدا نے جو فیصلے کرنے تھے وہ کر چکا ہے اب اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں کہ خود بھی ان میں کچھ ردوبدل کرنا چاہے،تو نہیں کرسکتا یا خدا اپنی خدائی اپنے بیٹے جناب عزیر کے حوالے کر چکا اور اب خود فارغ ہو گیا۔خدا نے اس کی پرزور رد کرتے ہوئے فرمایا! کہ ایسا ہرگز نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔وہ جس فیصلے کو چاہتا ہے،مٹا دیتا ہے اور جس فیصلے کو چاہتا ہے۔ثبت کر دیتا ہے۔اس کے پاس ام الکتاب ہے۔کل یوم ہو فی شان۔اس کی ہر روز نئی شا نہے اور نئی۔ع

سکون محال ہے قدرت کے کارخانہ میں۔

وہ جس فیصلہ کو چاہتا ہے،مقدم کر دیتا ہے، جسے چاہتا ہے،موخر کر دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے، بڑھا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے، گھٹا دیتا ہے۔ وہ ہر وقت شاہوں کو گدا، گداؤں کو شاہ، امیروں کو فقیر اور فقیروں کو امیر، تندرستوں کو بیمار اور بیماروں کو تندرست کر رہا ہے۔اسی چیز کا دوسرا نام ''بداء'' ہے۔جس کا تکوینیات میں وہی مقام ہے۔جو تشریعیات میں نسخ کا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر دعاؤ پکار توبہ و استغفار اور صدقہ و خیرات اور شفاعت و

سفارش کا تمام سلسلہ یکسر بے اثر و بے کار ہو جائے گا۔ چنانچہ تفسیر قمی میں لکھا ہے۔ قالوا قد فرغ الله من الامر لا یحدث الله ما قدره فی التقدیر الاول فرد الله علیهم فقال بل یداه مبسوطتان ینفق کیف یشاء ای یقدم و یوخر ویزید و ینقص وله البدا والمشیته۔(تفسیر قمی)۔

اس کا مطلب وہی ہے۔ جو اوپر مذکور ہے اور کتاب التوحید میں ہے کہ حضرت صادقؑ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا۔ لم یعنوا انه هکذا ولکنهم قالوا قد فرغ من الامر فلا یزید ولا ینقص قال الله جل جلاله تکذیبا لقولهم غلت ایدیهم ولعنوا بما قالوا بل یداه مبسوطتان ینفق کیف یشاء الم تسمع الله تعالیٰ یقول یمحو الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب۔ یعنی یہودیوں کی یہ مراد نہیں کہ درحقیقت خدا کے ہاتھ ہیں اور وہ بندھے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ خدا فیصلہ کر کے فارغ ہو گیا ہے۔ اب نہ بڑھا سکتا ہے اور نہ گھٹا سکتا ہے۔ خدا نے ان کی اس بات کو جھٹلاتے ہوئے فرمایا! ان کے ہاتھ بندھیں اور اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت ہو۔ اس کے ہاتھ تو کھلے ہیں جس طرح چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے۔ یعنی جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ (کتاب التوحید للشیخ الصدوق)۔ نیز کتاب عیون الاخبار میں حضرت امام رضاؑ کا جو مکالمہ سلیمان مروزی کے ساتھ بداء کے بارے میں مذکور ہے۔ اس کا مطلب بھی بعینہ یہی ہے۔ فراجع۔ اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ اگر کوئی مسلمان کہلا کر یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ فارغ ہو چکا ہے۔ اب کچھ نہیں کر سکتا یا نظام قدرت پیغمبر اسلامؐ کے حوالے کر کے کہتا ہے کہ۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

یا کوئی مشرک باللہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر یہ کہتا ہے کہ

رضائیں خدا کی لے لیں علیؑ نے
اللہ کے پلے میں رکھا ہی کیا ہے؟

اور پھر خدا کو فارغ سمجھ کر نظام کائنات کی باگ ڈور حضرت امیر المومنینؑ کے ہاتھ میں دیتا ہے اور اس توہین خداوندی میں تکریم علیؑ سمجھتا ہے۔ تو وہ یہودی العقیدہ ہے اور مشرک ہے اور وہ دشمن خدا وہ ہرگز مسلمان یا شیعہ علی۔ کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ جیسا کہ فرقہ ضالہ و مضلہ مفوضہ شیخیہ کا نظریہ ہے۔

وَلَيَزِيْدَنَّ...الآية۔ ۶۴

جو کچھ قرآن آپ کی طرف اتارا گیا ہے۔ وہ بہتوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک دوسرے مقام پر خدا فرماتا ہے۔ وتنزل من القرآن ماھو شفاء ورحمة للمومنین ولا یزید الظالمین الاخسارا۔ کہ ہم نے وہ قرآن اتارا ہے۔ جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے۔مگر ظالموں کے نقصان وزیاں میں اور اضافہ کرتا ہے۔ سچ ہے کہ۔

باراں در کہ لطافت طبعش خلاف نیست

درباغ لالہ روئدود رشور بوم وخس

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنی طبعی استعداد کے مطابق سرچشمہ فیض سے فیض پاتا ہے۔ لہٰذا

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے

وانہ سرسبز دریامین رہ کے عکس سروکنار جوکا

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ...الآية۔ ۶۴

اس آیت کی تفسیر میں اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۴۔ فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامة۔ کے ذیل میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ وہ یہود جب بھی بانی اسلام یا مسلمانوں نے خلاف آتش جنگ بھڑکانا چاہتے ہیں۔تو قادر مطلق اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ اسے بجھا دیتا ہے۔

جنگ خیبر ہو یا واقعہ فدک یا بنونصیر کی جلاوطنی وغیرہ اس قرآنی بیان کے شاہد ناطق ہیں اور یہ لوگ جو زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یاد رکھیں کہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ...الآية۔

احادیث میں وارد ہے کہ الاسلام یجب ماقبلہ یعنی اسلام پہلے والے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ بنابریں کہا جارہا ہے کہ اگر اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ حضرت رسول خداؐ پر ایمان لاتے اور پھر تقویٰ یعنی پرہیز گاری بھی اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں معاف کر دیتے اور انہیں جنت النعیم میں داخل کرتے۔ کیونکہ اسلام میں نجات کا دارومدار ایمان اور نیک کام پر ہے۔جس کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ ع

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ...الآية ۔ ٦٦

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ یہ پیغمبر آخرالزمانؐ پر ایمان تو نہیں لائے۔ لیکن اگر تورات و انجیل اور اپنے انبیاء کی تعلیمات کو ہی قائم رکھتے، یعنی ان پر عمل کرتے اور اپنی خواہشات کے مطابق ان میں تغیر و تبدل نہ کرتے، تو اوپر نیچے سے کھاتے۔ یعنی سر سے پاؤں تک مالی وسعت اور دوسری نعمتوں میں ڈوب جاتے کیونکہ خداوند حکیم نے منجملہ دوسرے اسباب رزق کے ایک سبب تقویٰ کو بھی قرار دیا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ خرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ مگر جب انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ تو وہ معاشی تباہی اور دوسری کئی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ اسی کو خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں یوں ادا کیا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (اعراف۔ آیت۔ ۹۶) اور اگر بستیوں والے لوگ ایمان لاتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے، تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم"۔ (رعد۔ ۱۲)۔ بے شک خدا کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا۔ جب تک وہ خود اپنی حالت کو تبدیل نہ کرے، ایک اور جگہ فرمایا! او ما اصابکم من مصیبتہ فما کسبت ایدھکم ویعفو عن الکثیر۔ تمہیں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے۔ الغرض۔ ان میں سے ایک گروہ تو میانہ رو ہے۔ مگر اکثریت برا کام کرنے والوں کی ہے۔

آیات القرآن

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٦٧ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا
التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ
وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ
فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ
مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴿۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

اے رسول! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے۔اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (پھر یہ سمجھا جائے گا کہ) آپ نے اس کا کوئی پیغام پہنچا یا ہی نہیں۔اور اللہ آپ کی لوگوں (کے شر) سے حفاظت کرے گا بے شک خدا کافروں کو ہدایت نہیں کرتا (۶۷) اے اہل کتاب تم کسی راہ (حق) پر نہیں ہو جب تک کہ تورات، انجیل کو اور جو کچھ پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔اس کو قائم نہ رکھو اور جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے (قرآن) وہ ان میں سے بہت سوں کو سرکشی اور کفر میں اضافہ کرے گا آپ کافروں پر افسوس نہ کریں (۶۸) بے شک جو لوگ مومن، یہودی، نصرانی اور صابی (ستارہ پرست) کہلاتے ہیں (غرض) جو کوئی بھی واقعی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان (سب) کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر وثواب (محفوظ) ہے اور ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے۔اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے (۶۹) ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ان کی طرف کئی رسول بھیجے تھے جب بھی کوئی رسول ان کے پاس کوئی ایسی بات لے کر آتا جسے ان کے نفوس پسند نہیں کرتے تھے تو بعض کو جھٹلا دیتے تھے اور بعضوں کو قتل کر دیتے تھے (۷۰) اور خیال کیا کہ (انہیں) کوئی سزا نہیں ملے گی۔اس لئے وہ

اندھے اور بہرے ہو گئے پھر توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی (لیکن) اس کے بعد پھر ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے (۷۱)۔

تفسیر الآیات

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ...الآية۔ ٦٧

اسی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۔ الیوم اکملت لکم دینکم ۔الآیۃ۔ کی تفسیر میں ہم فریقین کی کتب تفسیر و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں واضح کر آئے ہیں۔ کہ یہ آیت مبارکہ پیغمبر اسلامؐ کے حجۃ الوداع ۱۰ھ سے فراغت کے بعد واپس مدینہ جاتے ہوئے بمقام غدیر خم نازل ہوئی ہے۔ جبکہ حجاج عظام اور صحابہ کرام کا وہ جم غفیر جس کی کم از کم تعداد نوے ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار مورخین نے بیان کی ہے۔ (سپرٹ آف اسلام و تاریخ کامل وغیرہ)۔ وہاں جبرئیل امین خالق دو جہاں کا یہ اہم پیغام لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یا ایها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك۔ الآیہ۔ چنانچہ پیغمبر اسلامؐ نے خداوند علیم و حکیم کے اس تاکیدی حکم کی تعمیل فرمائی اور دوسرے بعض اہم اعلانات کے علاوہ حضرت علی۔ کی خلافت و امامت کا اہم اعلان بھی فرمایا۔ اور رسم ولی عہدی بھی ادا فرمائی۔ بعد ازاں آیت۔ اکمال دین (الیوم اکملت لکم دنیکم) نازل ہوئی۔

الغرض یہ آیت شریفہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل کی وہ نص صریح اور دلیل فصیح ہے کہ جس میں کسی منصف مزاج اور غیر متعصب آدمی کے لیے کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے سابقہ مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور مزید تفصیلات اور اس موضوع پر وارد شدہ جملہ شکوک و شبہات اور ان کے تسلی بخش جوابات اور مسلہ خلافت و امامت کے دوسرے تمام متعلقہ مباحث معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب اثبات الامامت کی طرف رجوع فرمائیں۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ...الآية۔ ٦٨

اسی سورہ کی آیت نمبر ٦٤ کی تفسیر میں اس آیت کا مفہوم بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں صرف اس وقت یہ وضاحت کر دینا کافی ہے کہ اہل کتاب کی آسمانی کتابوں یعنی تورات و انجیل میں دو قسم کی عبارات پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جو یہودی و عیسائی مصنفین۔ اور شارحین نے اپنی طرف سے لکھی ہیں اور دوسری وہ جو خدا اور اس کے

انبیاء جناب موسیٰ وجناب عیسیٰ کے ارشادات واقوال کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر پہلی قسم کو چھوڑ کر دوسری قسم کو لیا جائے۔ تو ان کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم یکساں نظر آتی ہے۔ وہاں بھی وہی خالص توحید نظر آتی ہے جس کا قرآن علم بردار ہے۔ وہی عقیدۂ نبوت ومعاد اور نیک اعمال کرنے کی تاکید ہے۔ اور پیغمبر اسلامؐ کی بشارت لہٰذا اگر یہ لوگ اصلی تورات وانجیل پر عمل کرتے تو انہیں پیغمبرؐ اسلام کا اقرار کرنے اور اسلام کو قبول کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی مگر انہیں تو تحریف نے تباہ کیا اور جھوٹی تمناؤں اور آرزوؤں نے برباد کیا کہ وہ خدا کے چہیتے ہیں، ان کی نجات یقینی ہے اور اس قسم کے جھوٹے قصیدے جو وہ پڑھا کرتے تھے اور وہ بھول گئے تھے کہ اللہ کے ہاں ان باتوں کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ وہاں جو کچھ قدر وقیمت یا مقام ومنزلت ہے۔ وہ ایمان وکام کی ہے۔ اور عقیدہ وعمل کی ہے وبس۔ لہٰذا۔ کسی بھی آسمانی کتاب کی حامل قوم کی قدر وقمت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اس کی اصلی تعلیم وتلقین پر قائم ہو اور اس سے ادھر ادھر ہونے سے اس کی قدر وقیمت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ قوم بے قیمت ہو کر رہ جاتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ......۶۹الآیۃ۔

یہ آیت بالکل اسی طرح ہے۔ جس طرح سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲ تھی اور اس کی مکمل تفسیر وہاں بیان کی جا چکی ہے اور وحدت الادیان کے دعویدار اس آیت سے جس طرح اپنے غلط مدعا پر غلط استدلال کیا کرتے ہیں۔ اس کا بطلان بھی وہیں واضح وعیان کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اسی مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں اس کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کوئی کچھ ہو۔ خواہ شروع سے مسلمان ہو یا یہودی، عیسائی ہو یا ستارہ پرست اب سب کے لئے معیار نجات ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ دین اسلام کے اصول و عقائد کو تسلیم کرے جن میں اصل الاصول مبدا ومعاد ہے۔ اور اسی شریعت اسلامیہ کے مطابق عمل کرے، تو وہ اخرت کے خوف وخطر اور رنج وغم سے محفوظ ومامون ہے۔ خلاصہ۔ یہ کہ دین اسلام قبول کئے اور اس کی تعلیمات پر عمل درآمد کے بغیر نجات کے خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دنیا فلن یقبل منه وھو فی الاخرۃ من الخاسرین۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ......۷۰الآیۃ۔

اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۲ کی تفسیر میں اس میثاق کی تفصیل اور یہ کہ وہ کس طرح سابقہ انبیاء ومرسلین کے ذریعہ سے لیا گیا تھا۔ اور پھر بنی اسرائیل نے اسے کس طرح توڑا ان امور کی بقدر ضرورت تفصیل گذر چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور یہاں بھی ان لوگوں کی عہد شکنی اور بدعہدی کا شکوہ کیا جا

رہا ہے کہ انبیاء پر ایمان لانے کی بجائے یہاں جب بھی کوئی ایسا رسول آیا جس کی باتیں ان کی خواہش نفس کے موافق نہ تھیں، تو انہوں نے اسے جھٹلایا۔ جیسے جناب عیسیٰؑ یا اسے قتل کر دیا، جیسے جناب زکریا اور جناب یحییٰ کو اور پھر یہ گمان بھی کیا کہ انہیں اس جرم شنیع کی کوئی سزا نہیں ملے گی۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو خدا کے چہیتے کہتے تھے۔ اس لئے یہ قبول حق سے بالکل اندھے بہرے ہوگئے بعد ازاں انہوں نے توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی مگر پھر بہت سے لوگ اندھے بہرے ہوگئے۔ اور اپنی سابقہ روش و رفتار کی طرف پلٹ گئے۔ اس تکرار سے ان کے تمرد و سرکشی کی شدت کی تصویر کشی کرنا مقصود ہے۔ اللہ ان کے عمل و کردار کو خوب دیکھ رہا ہے اور وہ اپنی دید کے مطابق ضرور ان کو ان کے کردار بد کی سزا دے گا۔

افادہ

علم نحو کا قاعدہ ہے کہ جب کسی فعل کا فاعل ظاہر ہو تو، وہ واحد ہو یا تثنیہ یا جمع فعل بہر حال واحد ہی لایا جاتا ہے۔ مگر یہاں باوجودیکہ عموا وصموا کا فاعل جو کہ ''کثیر'' ہے۔ ظاہر ہے تو پھر عموا وصموا کو بطور جمع کیوں لایا گیا؟ اس ایراد کے کئی جوابات دیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً۔ ایک یہ ہے کہ نحو کے قواعد اہل زبان کے تابع ہوتے ہیں اہل زبان کسی خود ساختہ گرائمر کے پابند نہیں ہوتے۔ ع۔

مستند ہوتا ہے ان کا فرمایا ہوا!

یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی اہل زبان نے قرآن پر یہ اعتراض نہیں کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں کثیر فاعل نہیں ہے۔ بلکہ وہ اصلی فاعل کا بدل ہے۔ اصلی فاعل ضمیر ہے اور واوٴ جمع کی علامت ہے۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ عرب کی یہ بھی ایک لغت ہے کہ اگرچہ فاعل ظاہر بھی ہو مگر ہو جمع تو وہ فعل کو بھی بطور جمع لاتے ہیں جیسے۔ اکلونی البراغیث۔ (مجھے پسوؤں نے کاٹ کھایا) کہ باوجودیکہ فاعل ظاہر ہے مگر چونکہ جمع ہے اس لئے اس کا فعل جمع لایا گیا ہے۔

آیات القرآن

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ
اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ
نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ
قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ
السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ
وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناوہ لوگ کافر ہیں۔جنہوں نے کہا کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ خود عیسیٰ ؑ نے یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو۔ جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔ بے شک جو شخص کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا۔تو اللہ اس پر جنت حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی۔ یار و مددگار نہیں ہے (۷۲) یقیناوہ لوگ (بھی) کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔اور اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آئے تو جو ان میں سے کفر پر برقرا رہیں گے تو انہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا (۷۳) یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے (اپنے گناہوں کی) معافی کیوں نہیں مانگتے ؟ درانحالیکہ اللہ بڑا

بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے (۷۴) مسیح گذر چکے ہیں ان کی ماں صدیقہ (راست باز خاتون) تھیں۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے واضح دلائل بیان کر رہے ہیں۔ پھر دیکھو یہ کدھر الٹے پھرے جا رہے ہیں (۷۵) (اے رسول) ان سے کہیئے! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان (نہ سود نہ زیاں؟) اور اللہ وہ ہے جو ہر بات کا سننے والا ہر چیز کا جاننے والا ہے (۷۶) کہیئے! اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات اور ذاتی خیالات کی پیروی نہ کرو جو پہلے خود گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور بہت سوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور راہ راست سے بھٹک گئے ہیں (۷۷) بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لیے کہ انہوں نے برابر نافرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے (۷۸)۔

تفسیر الآیات

۸۶۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الآية۔ ۷۲۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غالیانہ عقائد کی مذمت

وہ لوگ کافر ہیں۔ جو یہ کہتے کہ عیسیٰؑ بن مریم ہی اللہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ مانتے ہیں۔ جبکہ حسب ظاہر عیسائی ذات خداوندی کے منکر نہیں ہیں اور اس سے اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی اللہ کو تین میں سے ایک مانتے ہیں یعنی تثلیث کے قائل ہیں۔ یہ دونوں متضاد عقیدے ایک ہی قوم کے کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اس اشکال کا حل یہ ہے کہ ہم اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۷۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا۔ الآية کی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں کہ عیسائیوں کے بڑے بڑے تین فرقے ہیں۔

۱۔ نسطوریہ جو جناب عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ ۲۔ یعقوبیہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو خدا سے متحد مانتے ہیں۔

(یہاں اسی فرقہ کے نظریہ کی تردید کیا جا رہی ہے۔) ۳۔ ملکائیہ۔ جو جناب عیسیٰؑ کو تین خداؤں میں سے ایک قرار دیتے ہیں یہاں اگلی آیت میں اسی عمومی عیسائی نظریہ کی تردید کی جا رہی ہے۔ اور یہی آج کل

عیسائیوں کا عام عقیدہ ہے۔ کہ باپ بھی خدا، بیٹا بھی خدا اور روح القدس بھی خدا بااین ہمہ وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے۔ یعنی یہ تینوں ایک ہیں اور ایک تین ہے یہ ہے وہ خلاف عقل وخرد عقیدہ تثلیث جس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے اور یہ ہیں اقانیم ثلاثہ جو تین ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں اور یہ ہے وہ معمہ جو نہ سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا۔ قرآنی آیات اور اناجیل کی تعلیمات سے واضح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کبھی خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہمیشہ عیسیٰؑ بن مریم خدا کا خاص بندہ اور اس کا نبی کہلوایا اور اس پر فخر کیا۔ یہاں بھی خداوند عالم نے جناب عیسیٰؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے یہی کہا۔ کہ اس اللہ کی عبادت کرو۔ جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی جو کسی کو خدا کا شریک بنائے گا۔ اس پر خدا جنت حرام قرار دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور اس ظالم کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا۔ جو مخلوق خدا کو اللہ کا مولود یا اس کا شریک قرار دے اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟؟

ولعنت اللہ علی الظالمین

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ......۷۳ الآیۃ۔

جناب عیسیٰؑ کے متعلق اسلامی نظریہ

اس آیت میں جناب عیسیٰؑ کے بارے میں جو صحیح اسلامی تصور ہے اسے صاف لفظوں میں پیش کر دیا گیا ہے۔ وہ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ اس کے سچے رسول ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ صدیقہ یعنی بڑی راست باز خاتون تھیں۔ اس طرح بڑے احسن انداز میں یہود و نصاریٰ کے ان غلط خیالات کی تردید کر دی گئی ہے جو وہ جناب مریم اور ان کے فرزند ارجمند کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اور پھر بڑے عجیب انداز میں جناب عیسیٰؑ کے خدا ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ لہٰذا دوسرے انبیاء کی طرح وہ بھی بشر و انسان تھے وہ بھی بنص قرآن کھانا کھاتے تھے اور یہ بھی۔ اور ظاہر ہے کہ جو کھانے پینے کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا وہ ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی محتاج ہوتی ہے مگر وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔ انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ......۷۶ الآیۃ۔

توحید عبادتی پر ایک برہان

شرک عبادتی کے ابطال اور توحید عبادتی کے اثبات کی کیا عمدہ دلیل ہے۔ کہ تم اس کی عبادت کرتے ہو

جو تمہیں نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتا۔ عبادت تو اس ذات گرامی صفات کی کرنی چاہیے۔ جو نفع و نقصان اور سود و زیاں پہنچانے پر قادر ہو۔ اور ایسی ہستی صرف خدا کی ہے۔ لہٰذا جناب عیسیٰؑ ہوں یا کوئی اور بزرگ جب وہ بالذات کسی کو کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے تو پھر ماننا پڑتا ہے کہ وہ عبادت کے لائق بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ جو بالذات عاجز ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ خدا کا یہ کلام ایسا ہی ہے۔ جیسے جناب خلیلؑ نے اپنے چچا سے کہا تھا۔ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـٴًـا۔ (مریم آیت۔ ۴۲)۔ اے چچا جان! آپ اس چیز کی پرستش کیوں کرتے ہیں۔ جو نہ تو سن سکتی ہے، نہ دیکھ سکتی ہے اور نہ ہی تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے؟۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ...الآیۃ۔

دین میں غلو کرنے کی ممانعت

اس آیت مبارکہ میں اہل کتاب کو اور درحقیقت تمام اہل ادیان اور بالخصوص اہل اسلام کو یہ فرمائش کی جا رہی ہے کہ دین کے معاملہ میں افراط و تفریط نہ کرو۔ اور اعتدال کا دامن تھامے رہو۔ غلو کسی طرح جوش عقیدت میں آکر کسی کو اس کے مرتبہ و مقام سے بڑھانے کا نام ہے؟ لوگ اپنے بزرگوں کے حق میں کیوں غلو کرتے ہیں؟ غلو کی حقیقت کیا ہے؟ اور پھر غلو کرنے والوں کا انجام کیا ہے؟ ان تمام باتوں کی سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۷۰ (جو بالکل اسی آیت جیسی ہے) کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی جا چکی ہے۔ لہٰذا قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ اور چونکہ اندیشہ تھا کہ مسلمان بھی پیغمبر اسلامؐ کے حق میں ایسا ہی غلو نہ کریں جیسا نصرانیوں نے جناب عیسیٰؑ کے حق میں کیا اس لئے خدائے حکیم نے اپنے نبی کریم سے اعلان کرایا کہ۔ کہدو۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ۔ (الکہف آیت۔ ۱۱۰) میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں فرق یہ ہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے الغرض اہل حق کو ہمیشہ حق کی اور اہل حق کی اتباع و پیروی کرنی چاہیے۔ ضال و مضل لوگوں کی جو خود گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہوں ان کی ہرگز اتباع نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ۔ ع

ایسی تجارت میں ہے مسلماں کا خسارہ

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا......۷۸الآیۃ۔

ظاہر ہے کہ جو کافر ہیں ان پر خدا بھی لعنت کرتا ہے (یلعنہم اللہ) اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں (ویلعنہم الاعنوان) فلعنۃ اللہ علی الکافرین۔

جس کا ظہور جناب داؤدؑ اور جناب عیسیٰؑ کی زبان سے ہوا اور نہ قرآن کی طرح زبور و انجیل میں بھی کافروں پر لعنت لکھی ہوئی تو تھی۔ اور یہ سب کاروائی ان کافروں کے خدائی حدود سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی اور اس تجاوز کرنے کی کچھ تفصیل اگلی آیات میں مذکور ہے۔ جناب داؤدؑ نے بنی اسرائیل کو ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کیا تھا مگر وہ اس سے باز نہ آئے تو جناب داؤدؑ نے ان کو بددعا دی اور وہ مسخ ہو کر بندر بن گئے۔ جناب عیسیٰؑ سے پانچ ہزار آدمیوں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے لئے آسمان سے دسترخوان منگوا کر ہمیں کھانا کھلائیں ہم آپ پر ایمان لائیں گے مگر جب دسترخوان نازل ہوا تو وہ کھانا کھا کر مکر گئے تب جناب عیسیٰؑ نے ان کو بددعا دی۔ (مجمع البیان، تفسیر کاشف)۔

آیات القرآن

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾
تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ
اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ
كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ
وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا
وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمۃ الآیات

جو برائی وہ کرتے تھے۔ اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ کیسا برا تھا۔ وہ کام جو وہ کرتے تھے (۷۹) آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ وہ اہل اسلام کے بالمقابل کافروں سے دوستی رکھتے ہیں بہت ہی برا ہے وہ (سامان) جو ان کے نفسوں نے ان کے لئے

آ گے بھیجا ہے۔ (جس سے) اللہ ان پر غضبناک ہو گیا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے (۸۰) اور اگر وہ خدا پر، رسول پر اور جو کچھ اس (رسول) پر نازل کیا گیا ہے۔ اس پر ایمان لاتے، تو ان کافروں کو اپنا دوست نہ بناتے۔ لیکن (بات دراصل یہ ہے کہ) ان میں سے زیادہ تر لوگ فاسق و فاجر (نافرمان) ہیں (۸۱) اے پیغمبر! آپ اہل ایمان سے دشمنی کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ سخت دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور اہل ایمان سے دوستی کرنے میں آپ سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں یہ اس لئے ہے کہ ان میں پادری اور تارک الدنیا عابد پائے جاتے ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے (۸۲)۔

تفسیر الآیات

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ...۷۹...الآیۃ۔

''تناهي'' کا لفظ لازم اور متعدی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی ایک دوسرے کو روکنا بھی ہیں اور خود رکنے کے بھی ہیں۔ لہٰذا پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا۔ اور یہی معنی ہماری نظر میں راجح ہیں۔ کہ وہ ایک دوسرے کو برے کاموں پر روکتے ٹوکتے نہیں تھے۔ یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرتے تھے۔ اور یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں جرم صرف چند افراد کریں اور اکثریت والے مزاحمت کرتے ہوئے ان کو ان برے کاموں کے ارتکاب سے نہ روکیں ٹوکیں، تو پھر سب برابر کے شریک جرم قرار پائیں گے اور سب لعنت و عذاب خداوندی کے سزاوار ٹھہریں گے۔ اسی بنا پر حضرت امام حسینؑ کی زیارت وارثہ میں وارد ہے۔ لعن الله امةً سمعت بذلك فرضيت به۔ ان لوگوں پر بھی خدا لعنت کرے، جنہوں نے اس کو سنا مگر اس پر راضی ہو گئے اور سکوت اختیار کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس جرم شنیع کے ارتکاب پر کئی قومیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ وہ لوگ سور کا گوشت کھاتے تھے۔ شراب پیتے تھے اور ایام حیض میں عورتوں سے مقاربت کرتے تھے۔ (تفسیر قمی)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے۔ فرمایا جن لوگوں پر لعنت کی گئی ہے وہ یہ گناہ کرنے میں ان گنہگاروں کیساتھ شریک نہ تھے۔ ہاں البتہ! ان کو منع نہیں کرتے تھے اور جب ان سے ملتے تھے تو خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور ان سے انس و محبت کرتے تھے۔ (تفسیر عیاشی)۔

اور دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ وہ برے اعمال کو برابر کئے جاتے تھے۔ اور ان سے باز نہیں آتے تھے ظاہر ہے کہ کسی گناہ پر اصرار کرنا اور اس کی تکرار کرنا بھی وہ غلط کام ہے کہ جس کی وجہ سے گناہ صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ۔ لا صغیرہ مع الاصرار ولا کبیرہ مع الاستغفار۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ......۷۹الآیۃ۔

مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا کہ کچھ شیعہ کہلانے والے ایسے بھی ہیں۔ جو سلاطین جور کی ملازمت کرتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کے مفاد کے لیے کام کرتے ہیں؟ فرمایا! وہ شیعہ نہیں ہیں وہ انہیں میں سے ہیں اور پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ لعن الذین کفروا۔ (تفسیر قمی)۔

کسی مناسب مقام پر اس بات کی وضاحت کی جائے گی۔ کہ اگر اس قسم کی ملازمت سے قوم و مذہب بالخصوص کمزور اہل ایمان کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو تو پھر شرعاً ملازمت جائز ہوتی ہے۔ کفارۃ عمل السلطان قضاء حوائج الاخوان (واللہ الموفق)۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ......۸۰الآیۃ۔

ھم کی ضمیر کا مرجع یہود ہیں اور کفار سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ اگرچہ اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے اب اہل کتاب بھی کافر ہیں مگر پھر بھی وہ کسی دین و دیانت کے قائل تو تھے اس لیے ان کے مقابلہ میں جب کفار کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد وہ مشرکین عرب ہوتے ہیں جو کسی بھی دین و دیانت کے قائل نہ تھے۔ (مجمع البیان)۔

ان لوگوں کے حد سے تجاوز کرنے کا دوسرا مظہر یہ ہے کہ وہ کفار سے میل جول اور موالات و محبت کرتے ہیں۔ حالانکہ عقل سلیم و شرع قویم کا فیصلہ یہ ہے کہ برے لوگوں سے نفرت کی جائے جس کا دوسرا نام تبرا ہے اور اچھے لوگوں سے محبت کی جائے جس کا دوسرا نام تولا ہے۔ یہ لوگ اس کے برعکس برے لوگوں سے تولا اور اچھے لوگوں سے تبرا کرتے ہیں اس لئے اللہ ان پر غضبناک ہو گیا ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ چونکہ ان کی مسلمانوں سے کچھ قدریں مشترک تھیں لہٰذا وہ مشرکوں کے مقابلہ میں مسلمانوں سے اتحاد عمل کرتے الٹا وہ بت پرست کفار کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں شریک ہوتے تھے۔ قرآن ان کے اسی سیاہ کارنامے کو بیان کر رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف زبانی خدا و پیغمبر پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ اگر وہ درحقیقت خدا اور اس کے نبی (موسیٰؑ) اور ان پر نازل کردہ کتاب (تورات) پر ایمان لائے ہوتے تو بھی کفار عرب کے ساتھ تولا نہ کرتے۔ اس تفسیر سے مستفاد ہوتا ہے۔

کہ یہاں النبی سے مراد جناب موسیٰ ؑ اور ما انزل اللہ سے مراد تورات ہے۔ اگرچہ عموماً جب النبی۔ الرسول کا لفظ قرآن میں آئے تو اس سے مراد پیغمبر اسلام ہوتے ہیں اور ما انزل اللہ سے مراد قرآن ہوتا ہے۔ مگر ہم نے سابقہ قرینہ کی بنا پر کہ ان لوگوں سے مراد یہودی ہیں النبیؐ سے جناب موسیٰ ؑ کو اور ما انزل اللہ سے تورات مراد لی ہے۔ واللہ العالم۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ......۸۲ الآیۃ۔

بعض مفسرین نے اس مقام پر بڑی موشگافیاں کی ہیں مثلاً یہ کہ یہودی اور مشرک جو مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمن ہیں اور نصاری کم۔ تو پھر یہود کی یہ شدت وگرمی اور نصاریٰ کی یہ لینت ونرمی ہر زمان ومکان کے لیے ہے؟ یا یہ بات صرف پیغمبر اسلامؐ کے عہد کے یہود تک محدود تھی۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ خدائے علیم وحکیم کے اس صریحی بیان کے بعد کہ اہل ایمان سے سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور اہل ایمان سے دوستی میں زیادہ قریب نصاریٰ ہیں اور اس کی وجہ یہ دو چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں قسیس (پادری) اور راہب یعنی لوگوں سے کنارہ کش اور دنیا و مافیہا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ گرجاؤں میں مقیم اور خانقاہوں میں عزلت نشیں موجود ہیں وہ نصاریٰ کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور دوسری یہ کہ یہ لوگ متکبر مزاج نہیں ہیں۔ مگر یہ بات نہ آیات سے ظاہر ہوتی ہے اور نہ روایات سے کہ یہ ہمیشہ کے لئے ہے لہٰذا ممکن ہے کہ یہ صرف آنحضرتؐ کے زمانہ کے مخصوص حالات سے وابستہ ہو؟ زیادہ تر مفسرین اسلام کا رجحان اسی بات کی طرف ہے کہ یہ بات آنحضرتؐ کے دور کے مخصوص حالات اور مخصوص لوگوں کے متعلق ہے اور اس ممدوح جماعت نصاریٰ سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور اس کے متعلقین یا ان اچھی صفات کے حامل دوسرے مخصوص نصرانی مراد ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کی ہجرت اولیٰ میں مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور ان سے حسن سلوک کیا تھا۔ اسی لئے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی زیادہ توفیق ہوئی۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ کسی قوم کے خداترس علماء اس کے حالات کی اصلاح میں موثر کردار ادا کر سکتے ہیں بہرحال اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر دور کے عیسائی اسی طرح مسلمانوں کے دوست اور خیرخواہ ہوں گے بلکہ ہوسکتا ہے کہ انقلاب زمانہ سے کبھی عیسائی اسلام و مسلمان دشمنی میں یہودیوں سے بھی آگے نکل جائیں۔ پس اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو کبھی یہود وہنود اور نصاریٰ پر اندھا اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ بموجب ''الکفر ملة واحدة'' مجموعی حیثیت سے یہ سب اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں یہ الگ بات ہے کہ کوئی ابعد ہے اور کوئی اقرب کوئی زیادہ سخت ہے اور کوئی قدرے نرم ایک سچے اور پکے مسلمان کو ہمیشہ اپنے پروردگار کی ذات والا صفات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ وعلی اللہ

فلیتوکل المومنون۔

یا پھر اپنی قوت بازو پر کیونکہ۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

وانا الاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہٖ

۶ دسمبر ۲۰۰۲ء، ۹ ماہِ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ

سرگودہا پاکستان

❁❁❁❁❁